ادوار تاریخ اسلامی حصہ چہارم

سلاطین عضوض مسلمین

بنی عباس اور بنی عثمان

نگارندہ علی شرف الدین

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

سلاطین عضوض مسلمین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سلاطین عضوض مسلمین

بنی عباس و بنی عثمان

نگارندہ

علی شرف الدین

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب............... سلاطین عضوض مسلمین

مرتبین و منظمین .... علی شرف الدین، ابرار
حسین، محمد علی، ناصر شاہ،
خادم حسین، ابو مریم، تاثیر شاہ،
گل تاج، خضر عباس

ناشر.................. دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

www.sibghatulislam.com

دار الثقافة الاسلامية پاکستان

انتساب:۔

حمد وستائش اس ذات کیلئے لائق وسزاوار ہے جس نے ہمیں قرآن اس کے منع کردہ اقتدار طلب والوں میں قرار نہیں دیا ﴿تِلْکَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَ لَا فَسَاداً﴾۔حمد وثنا اس ذات کیلئے مخصوص ہے جس نے قرآن کریم کے منع افتخار اعتزاز از خاندان استعمال کرنے نہیں دیا۔مہاجرین و انصار کی جگہ اہلبیت واصحاب، اپنی وضع لغوی قرآن کریم اور واقعیت خارجی میں اخیار و اشرار دونوں کیلئے مساوی استعمال ہوتا ہے۔ایمان کی جگہ اعتقاد، احکام کی جگہ فقہ، تبین کے خلاف بات سے مجہول رکھا اور قرآن سے غیر مربوط کلمات کی طرف متوجہ کیا جیسے تفسیر۔حمد اس کیلئے مخصوص ہے جس نے کبھی ہمارے اندر مفسر بننے کی خواہش پیدا نہیں کی جہاں تفسیر قرآن کے نام سے احادیث کو قرآن پر حاکم گردانا جاتا ہے۔حمد وثنا اس ذات کیلئے مخصوص جس نے علوم دینی کی شعوبی درسگاہیں کھولنے والا نہیں بنایا۔انتساب بخاندان اہلبیت کے نام سے بے جرم وخطا و بلا جواز خون عباد اللہ بہانے والوں میں قرار نہیں دیا۔ حمد وستائش اس ذات کیلئے حق دار ہے جس نے خاندان اہلبیت کے نام سے مال ودولت اولاد نا خلف وفاسد فاجروں کیلئے جمع کرنے والوں میں قرار نہیں

دیا۔حمد و ستائش اس ذات کیلئے سزاوار ہے انتساب خاندان اہلبیت کے ساتھ ادیان باطلہ کے داعی اور حامی جماعت سے قرار نہیں دیا۔حمد اس ذات کیلئے جسکا دیا مال استعمال کریں تو حساب بھی دینا پڑے۔حمد اس ذات کیلئے مخصوص ہے جس نے انتساب بخاندان کے دعوے کے ساتھ الحادی سیکولر لادین جماعتوں کے ترویج کنندہ یا حمایت کنندہ میں شامل نہیں کیا۔

سلام و درود امام الانبیاء خاتم النبیینؐ نیز آپ پر ایمان لانے ،ہجرت کرنے ،جہاد کرنے ،بذل جان و مال کرنے میں سبقت کرنے والے مہاجرین وانصار پر ہو۔حاضر کتاب اس خاندان سے متعلق ہے جنہوں نے خاندان رسالت ونبوت سے انتساب کو بنیاد بنا کر امت اسلامی میں قتل و کشتار،انتقام اشرار،منافقین کو امت اسلامی پر مسلط کیا اور امت میں بہت سی بدعتیں رواج دیں جو آج تک امت کے پاؤں میں بیڑی بنی ہیں جیسے اعیاد،مراسم ازدواج ،درباری اسراف،سب سے خطرناک قرآن کے مذمت کردہ اشعار کی ترویج کی ،فروغ و اشاعت کی۔خاندان رسالت و نبوت سے انتساب کو بنیاد بنا کر جن سے انہوں نے سلطنت چھینی ان کے مجرمین کے ساتھ مصلحین ومومنین سے بھی انتقام لیا۔

دارالثقافۃ اسلامیہ کے مجلس مصنفین کے مساعی جمیلہ وحمیدہ میں سے ایک رکن خادم حسین اس کتاب کی طباعت سے چند مہینے پہلے،وفات پائے

ہیں۔ جنہوں نے بیس سال سے زائد عرصہ دین عزیز اسلام میں شامل کردہ خرافات ،خزعبلات ، مزخرفات کی تطہیر میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائیں۔

دیباچہ کتاب :۔

دنیا میں سب سے قدیم نصاب درس جو تمام اقوام و ملل میں رہا ہے اور جو اساتذہ درسگاہوں اور خطیب منابر پر پڑھاتے ہیں وہ تاریخ کا نصاب ہے۔قرآن کی اکثر و بیشتر آیات بھی تاریخ کی یاد دلاتی ہیں۔آج مسلمان جو شکست خوردہ و ہزیمت خوردہ ہیں وہ فاتح اسلاف قوم کو تکرار سے یاد کرتے رہتے ہیں کہ ہم پہلے بڑی عزت والی قوم تھے،لیکن ذلیل کیوں ہوئے؟ یہ عبرت نہیں لیتے،سوچتے بھی نہیں کہ ہم نے عزت رفتہ کو بازیاب کرنا ہے یا نہیں۔عزت رفتہ جن اسباب وعلل کے تحت گئی تھی وہ کیا تھے؟ ہر قوم کی الگ تاریخ ہوتی ہے ہم مسلمانوں کی تاریخ نزول قرآن بعثت محمدؐ سے شروع ہوتی ہے۔ہماری تاریخ کا آغاز اہانت و جسارت،فقر و فاقہ اور گرسنگی،بے بسی و بے چارگی سے ہوتا ہے چنانچہ قصہ شعب ابی طالب اور ہجرت حبشہ اس کے مظاہر ہیں۔اس میں ذلت کا پہلو دیکھیں تو ابو طالب اور خدیجہ کی وفات کے بعد رسول اللہ خود کو بے بس،بے سہارا دیکھ کر طائف تشریف لے گئے،وہاں کے عشائر و روساء سے ملاقات کی،کہا میں اللہ کی طرف سے رسول ہوں تو ان میں سے ایک نے کہا ''اللہ کو کوئی اور نبی نہیں ملے تھے کہ تم کو بھیجا ہے''۔ مسلمان جب تاریخ کا نام لیتے ہیں تو تاریخ بنی امیہ و بنی عباس لیتے ہیں، کوئی بنی امیہ کی حکومت کو حکومت استبداد اور جاہلیت عرب واپس لانے والے کہتے ہیں تو بعض ان کی حکومت کو نفاذ اسلام میں مثالی قرار دیتے ہیں۔بعض بنی عباس کی حکومت کو حکومت رسول اللہ قرار دیتے ہیں تو بعض ان کو حکومت ظالم و جابر قرار دیتے ہیں۔اگر ہمارے پاس تاریخی سقم و صحت نکالنے کی کوئی محکم کسوٹی نہیں ہے تو یہ تاریخ نہیں الف لیلہ، کلیلۃ و دمنۃ،

موش و گربہ افسانہ ہوگی۔ کچھ یہ کہتے ہیں سمجھ میں نہیں آتا ہے کیسے سمجھیں؟ ہم خود تو گدھے، نافہم و ناسمجھ ہیں ہمیں اسلاف کی سمجھ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

کہتے ہیں بنی امیہ طاقت سے اقتدار پر آئے ہیں کیا بنی عباس چوہا بلی بن کر آئے تھے؟ آپ نے ان کی آمد کی تاریخ نہیں پڑھی ہے انہوں نے بنی امیہ سے کہیں زیادہ خون بہایا ہے جنازے گرائے ہیں۔ بعض کہتے ہیں بنی عباس نے تو اپنا حق طلب کیا ہے، انہیں یہ حق کس نے دیا ہے؟ اللہ کے رسولؐ نے دیا تھا؟ اگر ایسا تھا تو خود عباس کو حکومت کیوں نہیں ملی؟ عبداللہ ابن عباس کو کیوں نہیں ملی؟

مسلمانوں کے اقتدار پر آنے والوں کا وزن محض قرآن ہے، محمدؐ ہے۔ خود ان کے نعرے شعار تھے، وہ کونسا شعار بلند کرتے تھے؟ ان کی پشت پر کون ہوتا تھا؟

اس وقت امت اسلامی نا قابل ذکر دکھ والم میں مبتلاء ہے، ہم پہلے ایک باعزت قوم تھے اب ذلیل ورسواء ہیں۔ ہم اس امت کے افراد تھے کہ جنہوں نے دوسروں کو آزادی دی تھی اب ہم غلام کیوں ہوگئے ہیں؟

ایسا احساس اپنی جگہ اچھا ہے بشرطیکہ یہ احساس بھی دشمن کی تلقین نہ ہو، جو آپ کے غم وغصہ اور جذبات کو ٹھنڈا کرنا چاہتا ہے۔ یا اس انسان کا نہ ہو جو کسی قسم کی ذمہ داری لینے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں ”کوئی دعوت دینے والا آئے تو سہی“۔ یہ سوال اس داعی کے بارے میں ہوسکتا ہے جو یہی کہتا ہے کوئی آئے تو اٹھیں گے، اور خود کو اس میں غیر مکلّف گردانتا ہو۔ یہ دین اٹھانے اور اٹھنے والوں سے نہیں اٹھا ہے، یہ خود کو معقول اپنی جگہ کے مطابق کام کرنے والوں سے اٹھا ہے۔ اس طرح کے افراد کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ آپ کے خیال میں ہمارا کردار کیا ہونا چاہیے؟ ان کا ایسا احساس کسی قدر و قیمت کا حامل نہیں ہوتا ہے اگر آپ مخلص ہیں تو آپ کو اپنی

مجد و عظمت کے راز و رموز کو تلاش کرنا چاہیے، کہ وہ کونسی چیز تھی جس کے ہونے سے ہم با عزت تھے؟ اور جس کے کھونے سے ہم بے عزت ہو گئے۔ انسان کو جب صحیح اور غلط میں تمیز کرنا نہیں آتا ہو یا اس کی تاریخ ہی دشمن نے لکھی ہو تو کہاں جائیں؟ اس کا سرا کہاں سے ملے گا۔ مسلمان علماء و دانشوران کا اصرار و تکرار ہے کہ اٹھارویں صدی کے دوسرے نصف سے بیسویں صدی تک کے دورانیے میں ہم ذلیل و خوار ہو گئے ہیں۔ اس سے پہلے ہم ذلیل و خوار نہیں تھے۔ ہماری حکومت و اقتدار دروازۂ یورپ اور دیوار چین تک جا پہنچا تھا۔ تو سوچنا چاہیے اچانک یہ ذلت و خواری کیا آسمان سے اتری ہے یا زمین سے نکلی ہے؟ یا یہ ایک تطوراتی و دفعی آسمانی بجلی گری ہے؟ یا یہ بطور صدفہ ہے جس کا کوئی ذمہ دار نہیں ہے؟ اس کو کوئی نہیں مانتا، قوموں کی بربادی و ویرانی تصادفی نہیں ہوتی ہے، وحی نہیں ہوتی ہے، اہل باطل کو بھی حق کو ویران و برباد کرنے کے لئے وقت کی ضرورت ہے اسی طرح سدھارنے کیلئے بھی وقت چاہیے۔ چنانچہ زوال وانحطاط و پستی کیلئے بھی مراحل و تدریج سے گزرتے ہیں۔ بطور مثال برطانیہ برصغیر میں سولہویں صدی میں آیا لیکن وہ مسلط ۱۸۵۷ء میں ہوا۔ تو تعمیر و تخریب دونوں مراتب سے گزرتے ہیں قانون اسباب و علل سے گزرتے ہیں۔ محققین و مؤرخین کا تجزیہ و تحلیل ہے کہ ہمارے زوال کی بنیاد و آغاز کا عمل دولت عثمانیہ، بنی عباس اور بنی امیہ سے ہوا ہے اور یہ کہہ کر وہ اپنے آپ سے ساری ذمہ داری پھینک دیتے ہیں۔

اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو، ایک ملک میں بے روزگاروں کو روزانہ راشن دیتے تھے اس وجہ سے ملک میں ہر آئے دن مفت خوروں کی تعداد بڑھتی گئی، جس طرح آج ہمارے ملک عزیز میں حکومت، علماء اور سیاست دان مفت خوروں کو راشن تقسیم کرتے ہیں۔ بڑھتی ہوئی مفت خوری کو روکنے

کے لئے کسی نے تجویز دی کہ ان سب کو کسی ابلتے ہوئے حوض میں پھینکیں تو پتہ چلے گا کہ کون اصلی معذور ہے کون مصنوعی سب کو گرایا گیا تو ایک کے سوا سب نکل کر فرار ہو گئے صرف ایک رہ گیا تھا وہ کہتا تھا جل رہا ہوں۔ دنیا میں غرب نے صنعتیں لگائیں تو صنعتوں کے لئے مارکیٹ چاہیے تھی، صنعتوں کے لئے خام مال چاہیے تھا ایشیا کو مارکیٹ بنانے اور یہاں سے خام مال لینے کے لئے پورے خطے کو اپنے نام پر انتقال کیا جبکہ ہمارے نئے پاکستان کے سربراہ صنعت لگانے کی بجائے شیلٹر ہوم بنا رہے ہیں لنگر خانے کھول رہے ہیں معاون خصوصی رمضان کے افطار کا انتظام کروا رہی ہے تو سوال یہ ہے کہ خرابی کہاں سے آئی ہے؟ کس نے شروع کی ہے؟۔ایک نے ساری گندگی جس پر پھینکی دوسرے نے ان کو ہر چیز سے بری قرار دیا ہے۔

یہاں چند گروہ بنے ہیں۔ایک نے کہا کہ علماء کی غلطی ہے انہوں نے اپنی ذمہ داری ادا نہیں کی ہے۔ عام دنوں میں علماء کی اہانت و جسارت کرتے ہیں لیکن جب کسی نامشروع عمل کی مزاحمت کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں یہ علماء کی ذمہ داری ہے۔دوسرا کہتا ہے ملت کی غلطی ہے انہوں نے علماء کا ساتھ نہیں دیا اقبال و جناح کے اسلام والوں کا ساتھ نہیں دیا۔تیسرا گروہ کہتا ہے ان حکمرانوں اور سیاستدانوں کی غلطی ہے، کسی نے کہا ستارے والوں کی غلطی ہے، کسی نے لوٹنے والوں کی، کسی نے ہنڈی والوں کی اور کسی نے بے نامی اکاونٹ والوں کی غلطی قرار دیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ قیام قیامت تک علماء و دانشوران کی کانفرنسیں اور سیمینار منعقد کرتے رہیں، تحقیقاتی ادارے قائم کریں لیکن تحقیقات صرف دوسروں کے خلاف کریں، اپنے مذہب کی خرافات کو مت چھیڑیں بلکہ ان کو مقدسات مذہب قرار دیں۔ جب تک ہم اپنی سماعت و بصیرت پر اپنے ہاتھوں سے لگے تالوں کو نہیں توڑیں گے ہم ہدایت نہیں پا سکتے۔ ہدایت کے لئے اپنے ہی مذہب کی

صحت وسقم پر تحقیق کرنا ہوگی۔ جو لوگ منطق یہود و نصاریٰ پر قائم ہیں کہ ہم ہی ہدایت پر ہیں اور دوسرے گمراہ ہیں وہ کبھی بھی ہدایت نہیں پائیں گے۔ جو لوگ شیعوں کو حق پر سمجھتے ہیں وہ بھی ہدایت نہیں پائیں گے چاہے ان کے نام کے ساتھ دس بار آیت اللہ العظمیٰ لگائیں، اسی طرح جو اہلسنت کو ہی حق پر گامزن سمجھتے ہیں ان کو بھی ہدایت نہیں ہوگی۔ ہدایت کا بھی معیار ہوتا ہے اگر بازار سے ترازو ہی غائب کر دیں گے تو عدالت وانصاف کیسے ملے گا۔ انصاف کے لیے میزان ضروری ہے۔ شیعہ اور سنی دونوں اسلام کو کنارے پر لگا کر اطمینان سے کہتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔

ہر ایک نے اپنے مدعا کیلئے پیغمبر اکرمؐ کے نام سے حدیث بنائی ہے، حدیث والوں نے صرف حدیث کو مصدر گردانا ہے حتیٰ انہوں نے قرآن کو حاشیہ اور کنارے پر لگایا ہے۔ اصل مصدر دین حدیث کو گردانا ہے یہاں سے ایک نے بنی امیہ کی مذمت میں حدیث گھڑی ہیں دوسرے نے معاویہ کی مدح میں احادیث گھڑی ہیں تو بقول روشن خیال عام انسان کہاں جائیں؟ دو متضاد و متصادم حدیثوں کو رد کریں گے تو مرتد قرار پائیں گے۔ کہا حدیث کو چھوڑ نہیں سکتے پکڑ بھی نہیں سکتے، پکڑیں گے تو ساری برائیاں حدیث شریف کے تحت ہی ہوئی ہیں، معاویہ کی خلافت حدیث کے تحت ہی ہوئی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اگر حدیثوں کو چھوڑیں گے تو شیعہ بنیں گے لہٰذا حدیث سے جان نہیں چھوٹ سکتی حالانکہ شیعہ بھی حدیث ہی سے زندہ ہیں جیسا کہ حدیث غدیر سے زندہ ہیں۔

تو حل کیا ہے؟ حل یہ ہے کہ جس طرح اپنی زندگی کے مسائل کے بارے میں غور و تامل سے کام لیتے ہیں امور دینی میں بھی تامل کریں کہ یہ کونسے مسلمان ہیں جو اللہ کی کتاب کو ہزار بہانے بنا کر مدارس کے نصاب سے خارج کرتے ہیں جبکہ تعداد روایات میں زمین و آسمان ملا دیتے

ہیں۔انسان ہر چیز کے بارے میں غور وفکر و تدبر سے کام لے اور سوچے کہ نبی کریمؐ اسلام لائے تھے یہ سنی شیعہ کہاں سے نکلے؟ نبی کریم نے حدیث لکھنے سے منع فرمایا تھا پھر اتنی احادیث کس نے جمع کیں؟ کیا یہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے خیانت نہیں؟ قرآن کریم کی سورہ مومنون میں انساب سے اعزاز کو ختم کیا تھا، نبی کریمؐ نے خاندانی تفاخر کو دفنایا تھا پھر یہ آل کہاں سے نکلے؟ اسلام کا مصدر قرآن و محمدؐ ہے یہ کہاں سے نکالا ہے؟ ایک طرف کہتے ہیں اللہ کے لئے کوئی شریک نہیں اگر دین میں قرآن اور سنت محمدؐ دونوں ہے تو کیا یہ شریک نہیں کہلائے گا؟ تاریخ اسلام کو سنت نبیؐ کے نام سے چلایا ہے ،بتائیں سنت کا معنی پیغمبرؐ نے کیا فرمایا؟ یہ لفظ کہاں سے نکالا؟ اور اس بارے میں پیغمبرؐ کی کیا سیرت رہی ہے؟ تو گویا ہمارے پاس معیار یا حقیقت جاننے کیلئے قرآن ہے۔طور وطریقہ رسولؐ اللہ نے بتایا ہے اسی کو سنت کہا جاتا ہے اور امت اس پر متفق ہے پھر ان دو کے علاوہ اہلبیت، اصحاب، اولیاء، اسلاف اور مجتہدین وفقہاء بھی حجت ہیں یہ کہاں سے نکالا ہے؟ یہ اپنے مدعا کو ثابت کرنے کیلئے قرآن اور تاریخ کی طرف رجوع کرنے کے محتاج ہیں پیغمبر اکرمؐ نے ایک مرتبہ آیت قرآن پیش کر کے فرمایا ''الیوم اکملت لکم دینکم'' تمہارا دین مکمل ہو گیا ہے دوسری جگہ فرمایا ہم نے حکم خراش بھی بیان کر دیا ہے۔قرآن اور سنت محمدؐ میں جو چیز بیان نہیں ہوئی ہے یہ ہمارے اوپر چھوڑی ہے۔علماء وفقہاء خلفاء رسولؐ ہیں، کیا نبی خود جیسا نبی بنا سکتا ہے؟ انہوں نے اسے کیسے پر کیا ہے اس کے لئے ایک مثال کی ضرورت ہے مسلمانوں میں جن کے والدین ان کی نابالغی میں فوت ہوتے ہیں انہیں ہم یتیم کہتے ہیں ہم انکے ماں باپ کے ورثے میں تصرف نہیں کر سکتے ہیں اس کے لیے ولی ہوتا ہے۔وصی وولی عام طور پر اس کی نگہداری اس طرح کرتے ہیں کہ یتیموں کے بالغ ہونے تک ان کی

سب وراثت کو اپنی ملکیت میں منتقل کرتے ہیں جب ان یتیموں میں سے کوئی بچہ بالغ ہونے کے بعد پوچھتا ہے کہ ہماری جائیداد کہاں ہے تو کہتے ہیں سب تمہارے اوپر خرچ ہوگئی ہے اب تو ہم مقروض ہیں۔ اسی طرح ان علماء ومجتہدین نے قرآن وسنت نبی کریمؐ کو بے دخل کرکے حدیث سے پُر کیا ہے لیکن سوال اٹھتا ہے یہ مجتہدین اجتہاد کس چیز میں کریں گے؟ آیا مجتہدین قرآن اور سنت عملی رسول اللہ سمجھنے کے لئے اجتہاد کریں گے یا اپنے خود ساختہ عقائد واعمال رسومات اور قیاس آرائیاں بتائیں گے؟

پیغمبر اکرمؐ دنیا سے گزر گئے امت اسلامی کیلئے والی وحاکم وقاضی کیسے اور کس کو منتخب کریں؟ امت کو یہ مسئلہ درپیش ہوا تو اس میں اختلاف ضرور ہوا لیکن انہوں نے بغیر کسی فتنہ وفساد کے بطریق احسن اسے حل کیا۔ حزب مخالف کے عمائدین حضرت علی اور بنی ہاشم نے خورشید شاہ، عمران خان کا کردار ادا نہیں کیا کہ اگر حکومت کسی چیز کو سیاہ کہے تو اس کی ایسی کی تیسی یہ سفید ہے، اور اگر کسی چیز کو سفید کہے تو یہ کہیں گے اس اس کی ایسی کی تیسی۔ ان کی آنکھ پر پٹی بندھی ہے انہیں نظر نہیں آتا کہ یہ ملک میں کیا ہو رہا ہے؟ جب حزب مخالف مسلم لیگ نون والے، چوہدری نثار تھے تو انہوں نے کیا کیا باتیں کی ہیں یہ بھی ریکارڈ پر ہیں لیکن ایک دن علی نے جا کر احتجاج کیا ہو، امام حسن نے کیا ہو، بنی ہاشم نے کیا ہو یا انصار نے کیا ہو نہیں ملتا ہے۔ یہ عمار یاسر، یہ سلمان، یہ عبداللہ بن مسعود کبھی خلفاء کے سپاہی، کبھی فوجی قائد، کبھی قاضی اور کبھی خازن بیت المال مسلمین تھے لیکن آیات وروایات سے ہاتھ دھونے کے بعد قیادت ورہبری کیلئے غیر قرآنی شرائط لگا کر انہیں رشوت وتشدد سے اپنی ملت پر تھوپیں جو نہ قرآن نے لگائیں اور نہ ہی پیغمبر اکرمؐ نے ان کو اٹھایا تھا۔ آج کل علم پرست بھی یہی کہتے ہیں مسلمانوں کا رئیس ایسے کسی عالم کو ہونا چاہیے جو بہت سے علوم وفنون جانتا ہو اور جو سب سے زیادہ

پڑھا لکھا ہو۔ یہ بات انہوں نے کہاں سے نکالی ہے اس کا مصدر کہاں ہے؟ یہاں سے ہر آئے دن اصلی معیار چھوڑ کے جعلی معیارات کے انبار لگائے ہیں۔ کہتے ہیں منصور دوانیقی اپنے دور کے عالم و فاضل تھے۔ ہارون الرشید دن میں سو رکعات نماز پڑھتے تھے۔ نماز عبادت ہے، عبادت توقیفی ہے اس کی تعداد اور طریقہ قرأت رکوع وسجود نبی کریمؐ سے ثابت ہونا ضروری ہے، یہ سو رکعت کس سند کے تحت پڑھتے تھے؟ ذرا علماء مستحب نمازوں کی بلکہ بہت سی واجب نمازوں کی اسناد بتائیں؟ کہتے ہیں ہارون الرشید مہینے میں اتنے صدقات دیتے تھے۔ بھلا کوئی پوچھے کہ ہارون کے پاس یہ مال کہاں سے آیا تھا؟ کیا کوئی کاروبار کرتے تھے؟ عباس بن عبد المطلب تو مدینے میں کوئی مال و دولت نہیں رکھتے تھے، ہارون کا یہ تمام مال اقتدار سے آیا تھا کسی نے انہیں ھبہ نہیں کیا تھا۔ وہ علماء کے ساتھ بیٹھتے تھے، کیا یہ چیزیں اقتدار اعلیٰ کا معیار ہیں؟ کس نے کہا ہے کہ علماء کا احترام بھی فرائض دینی میں شمار ہے؟ جس سے دینی کاروبار کرنے والے تاجر و سرمایا دار علماء کے پاؤں دباتے ہیں۔ اگر آپ لائق حکمران ہیں تو ملک سے غربت ختم کریں۔ ہمارے حکمران مختلف بہانوں سے خزانے سے غریب فنڈ، بوڑھے فنڈ نکال کے تقسیم کرتے ہیں۔ معیار اور بنیاد گرنے سے دس منزلہ عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے، اگر اس میں لوہا بجری اور سیمنٹ معین مقدار سے کم ہو تو یہ عمارت ضرور گر جائے گی۔ اسی طرح مسلمین کے اقتدار اعلیٰ کا معیار گر جائے تو حاکم بھی گر جائے گا، علماء بھی گر جائیں گے اور امت بھی گر جائے گی۔ امت اسلامی میں یہ گرنا عثمان بن عفان کے دور سے شروع ہوا ہے۔

عثمان خلیفہ بنے تو ایک گروہ عثمان کو برا بھلا کہتا تھا اور ایک گروہ ان کو ذوالنورین کہتا تھا۔ اقتدار اعلیٰ کیلئے صاحب اقتدار کا داماد ہونا کوئی معیار نہیں ہے، اگر ایسا ہے تو آپ کے ایک اور داماد بھی تھے۔ عثمان نے مہاجرین و

انصار کو کھلی چھٹی دی کہ وہ شہروں میں جائیں چنانچہ دور دراز علاقوں کے مسلمانوں نے ان کو نوازا اور ان کا بہت احترام کیا جس سے عثمان سے پہلے خلافت کی امیدواری سے دست بردار ہونے والے اقتدار کے طالب بنے۔ یہ صحیح ہے کہ عثمان بہت رحم دل تھے لیکن کیا رحم دل ہونا اقتدار اعلیٰ کیلئے معیار ہے؟ اگر ایسا ہے تو اقتدار اعلیٰ عورتوں کو دے دیں وہ زیادہ رحم دل ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ اپنے مال سے صدقات دیتے تھے، عطیات دیتے تھے، اگر یہ معیار ہے تو ہمیشہ بنکوں میں زیادہ دولت جمع کرانے والے سرمایہ داروں کو اقتدار دیں کیونکہ ان کے صدقات وعطیات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ معیار ہونا تو دور کی بات ہے خطرناک بھی ہے اب تو ایک اور معیار سامنے آیا ہے کہ امریکا سرکارکس کو لا رہے ہیں ہمیں بھی اس کو لانا چاہیے۔ اس لئے عمران کے دھرنے میں رونق آئی تھی کہ یہ کسی مالدار آدمی یا سٹاک ایکسچینج کے صدر کو سربراہ مملکت بنائیں گے۔

جو بھی معیارات اب تک بیان کیے گئے ہیں مثلاً منصوص ہونا چاہیے ، سب سے اعلم ہونا چاہیے، تمام علوم وفنون پر تسلط ہونا چاہیے، عابد وزاہد بننا چاہیے، جود وسخا کا مالک ہونا چاہیے، شجاع و دلیر ہونا چاہیے، یہ سب بے بنیاد ہیں۔ اقتدار کی اہلیت ، استقلال، حقانیت اسلام پر یقین محکم ہونا چاہیے، میکاؤلی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ جن شرائط کا ذکر کیا گیا ہے میکاؤلی ان کا استاد ہے، چنانچہ اصل اساس و معیار یہ ہے کہ اسے ایمان غیر متزلزل مالک ارض وسماء، حیات جاویدان آخرت اور حساب و کتاب پر ایمان ہو، دین اسلام کو ایک آئین شامل و کامل سمجھیں۔ جن علوم وفنون کو حضرت علی یا امام الصادق سے نسبت دی ہے وہ صفات اخوان صفاء کی اختراع ہیں، علی ان صفات کے نیاز مند نہیں تھے۔ عمر بن خطاب نے اپنی خلافت کے پہلے دن کہا ''اگر مجھے اپنے نفس پر یہ یقین نہیں ہوتا کہ میں اچھے طریقے سے

حکومت چلا سکتا ہوں تو میں یہ منصب کبھی قبول نہیں کرتا"۔ انہوں نے بارہ سال حکومت کی اور اس دور میں بڑی بڑی فتوحات ہوئیں۔ بڑی بڑی شخصیات کو ان کے جرائم پر اپنے سامنے سر پر کوڑے مارے لیکن کہیں مکہ مدینہ یا دیگر جگہوں پر زندان پر ہو گیا ہو یا چند آدمی ان کے تازیانوں سے مرے ہوں، کسی کا گھر لٹا ہو، نہیں ملے گا لیکن عثمان بن عفان کی چھ سال حکومت کے بعد ہی ہنگامہ ہو گیا، اصحاب ناراض ہو کر مدینہ چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ ہر جگہ بغاوت ہوئی سازشیں ہوئیں، کوئی کہتا ہے کہ انہیں علم نہیں تھا، کوئی کہتا ہے کہ وہ اقرباء کو اقتدار پر لائے۔ کیا اقرباء کو اقتدار پر لانا برا ہے؟ تو حضرت علی نے عباس کی اولادوں کو، اپنے بھائی عقیل کو، اپنے پروردہ محمد بن ابی بکر کو کیوں لایا؟ اقتدار میں قریب و بعید کی شرط نہیں ہوتی ہے، کسی کو اقتدار میں لانے کیلئے اس کا قابل و لائق ہونا ضروری ہوتا ہے۔ حضرت عثمان نے جن کو بنایا وہ امت کی نظر میں خائن تھے، ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے پیغمبرؐ اکرم سے خیانت کی تھی، اس لئے وہ مذموم قرار پائے۔ اسلام میں معیار اسلام کے علاوہ قیادت و حکومت چلانے کی صلاحیت ہے اور حاکم کیلئے نفاذ قرآن اور سنت عملی پیغمبرؐ اس کا منشور ہونا ضروری ہے۔ ان میں کسی بھی قسم کی کمی حاکم کو لنگڑا بناتی ہے' اس لئے حضرت علی نے معاویہ اور عمرو بن عاص کی ولایت کو مسترد کیا تھا۔

یہاں سے ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ معاویہ کے پاس علم نہیں تھا یا معاویہ بہت عرصے تک اسلام نہیں لایا یا وہ پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ جنگ لڑتے تھے، ایسا ضرور ہے لیکن یہ بنیاد نہیں ہے، ان کے غلط ہونے کی بنیاد طاقت و قدرت سے منتخب خلیفہ شرعی کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنا ہے کہ ہم کسی چیز کو نہیں مانتے ہیں بس طاقت و قدرت کو مانتے ہیں۔ معاویہ سے لے کر عبدالحمید عثمانی تک اقتدار پر طاقت و قدرت سے آنے والوں کا مطمع نظر اقتدار ہی

تھا۔ طاقت و قدرت سے آنے والے نظام کو قرآن و سنت و تاریخ محمدؐ کی بجائے امام ابو حنیفہ، مالک بن انس، محمد بن ادریس اور احمد بن حنبل اور امام جعفر کے نام سے لکھی ہوئی تعلیمات پر چلاتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے ملک میں اقتدار پر آنے والے دونوں گروہ طاقت و قدرت سے ہی آتے ہیں کوئی بندوق کے ذریعے اور کوئی مال و دولت کے ذریعے آتے ہیں۔

آیئے دیکھتے ہیں اب تک معیارات کتنے نیچے گرتے آئے ہیں۔

۱۔ قرآن کی جگہ سنت نبیؐ وہ بھی قول و فعل و تقریر کے نام سے سنت میں تحریف کر کے شور شرابہ کیا سنت کا مطلق معنی قول و فعل و تقریر بتا کر تحریف در تحریف کی جگہ بنائی ہے۔

۲۔ اہلبیت اور اصحاب کے قول و فعل و تقریر کو بھی خلاف قرآن حجت گردانا گیا ہے۔

۳۔ پھر احادیث کی جگہ اجتہاد اور مجتہدین کی بے بنیاد آراء و فتاویٰ کو حجت گردانا۔

۴۔ حضرت محمدؐ کی جگہ اہل بیت، اصحاب، تابعین و فقہاء، متقدمین و سلفین علماء کے عمل کو حجت گردانا۔

۵۔ ایمان کی جگہ علم لائے۔

۶۔ عمل کی جگہ تصوف کو گھڑا کیا۔

۷۔ دین کی جگہ خدمت خلق اور مصلحت ملت گھڑا۔

۸۔ مسلمانوں کی جگہ سیکولر و الحاد سے راہ و رسم بنایا۔

۹۔ تحقیق کی جگہ تقلید کو جاگزیں کیا۔

کتاب حاضر میں تاریخ اسلام کے دو طویل ادوار کے حکمرانوں کا ذکر ہے جس میں بغیر کسی معیار و اصول کے امت اسلامیہ پر بزور طاقت و قدرت امت کو اندھیرے میں رکھ کر حکمرانی کرنے والے دو خاندانوں بنی

عباس و بنی عثمان کی تاریخ ہے۔ان کی تاریخ کو سامنے لانے کا مقصد ہماری اس وقت کی شقاوت و بدبختی اور ذلت وخواری کے اسباب و علل تلاش کرنا ہے کہ ہماری ذلت کونسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے اس میں ان کی کوتاہی وسستی و نامردانی ہے یا ان کی وراثت میں تو نہیں ہے۔ یہ جاننے کے بعد ہماری اس حالت سے نکلنے اور رہائی پانے کی راہ تلاش کرنے کی ایک کاوش ہوگی۔اس سے اپنے ملک میں جاری نظریات متضاد و متصادم کے حل کے لیے کوشش کریں گے ، یہاں کے سچے مسلمانوں اور مسلمان زادہ سیکولروں میں ایک سرد جنگ چل رہی ہے جو کبھی کبھی گرم جنگ میں بھی بدل جاتی ہے کہ پاکستان کو کس نے بنایا ہے۔سیکولروں کا دعویٰ ہے پاکستان کو سیکولروں نے سیکولرستان بنایا تھا لیکن مسلمانوں نے اپنے بازوئے ایمانی سے اس کا نام پاکستان رکھا ہے جو کہ کسی صورت میں ہمیں قبول نہیں ہے بلکہ ہم تو اپنی پہلی حالت میں جانا چاہتے ہیں کیونکہ ہمیں اس حالت میں سکون و اطمینان نہیں ملتا ہے۔ ہمارے بہت سے لوگ یہاں اسلام پسندوں سے تنگ آکر آزاد فضاء میں زندگی گزارنے کے لئے یورپ چلے گئے۔ہم اپنے ہندو بھائیوں سے گھل مل کے رہنا چاہتے ہیں۔کبھی کبھی یہاں این جی اوز کے پالے نام نہاد خدمت خلق والوں کو بھی یہی کہتے سنتے ہیں کہ ہمیں تو کافر و مسلمان کی تفریق اچھی نہیں لگتی ہے، تو یہ مقدمات کس عدالت میں لیجائیں؟ مسلمان عدالت میں ادعات (مقدمات) تو یہ لوگ لیجانے کے لئے تیار نہیں ہیں لیکن ہم جمہوریت کی عدالت میں جانے کے لئے تیار ہیں۔ یہ جمہوریت کی عدالت میں لیجائیں یا مکاتباتی عدالت میں بہر حال فیصلہ ہونا چاہیے۔ہم نے اس سلسلے میں بہت کالم پڑھے لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ جن سیکولروں کا ہمیں سامنا ہے وہ ہندوستانی ، برطانوی، امریکی، سری لنکائی ، روسی یا چینی نہیں منافق سیکولر ہیں۔ان کا کوئی آئین ہے نہ کوئی

عدالت گاہ۔

کافر ڈر پوک ہوتے ہیں ان سے زیادہ منافق ڈر پوک ہوتے ہیں ملک کی مسلح افواج کی حکومت کو آمریت کہا جاتا ہے، جبکہ ان کے نزدیک عدالت و انصاف صرف جمہوری اداروں میں ہے لہٰذا کہتے ہیں کہ جمہوری اداروں کی محافظت کریں ہم ان پے قربان ہونے کیلئے تیار ہیں۔ اچھی بات ہے ایک عدالت کو تو آپ مانتے ہی ہیں اس کے علاوہ انہیں کوئی اور منصف نظر نہیں آتے ہیں۔ لہٰذا وہ جمہوریت کی عدالت میں جانے کے لئے تیار ہیں، جمہوریت کامل کیا ہے؟ وہاں فیصلے کس بنیاد پر ہوتے ہیں؟ تو جواب ملتا ہے کہ اکثریت کی بنیاد پر ہوتے ہیں، حالانکہ رائج جمہوریت اقلیت در اقلیت کے حکمرانی پر بھی راضی ہوتے ہیں۔ یہ جمہوریت تو تب ہو کہ جب تمام ملت ہاں میں جواب دیتے ہیں اس کو جمہوریت حقیقی کہتے ہیں، اعلیٰ جمہوریت ریفرنڈم ہے۔ جمہوریت میں اکثریت کی حکومت ہوتی ہے تو پھر کیوں جمہوریت کو ختم کرنے والے ریفرنڈم کراتے ہیں؟

ہم بھی ایک ریفرنڈم کرانے کے حامی ہیں جس میں یہاں کے عوام سے بس صرف ایک سوال کرتے ہیں ''کیا آپ کو اسلام چاہیے یا نہیں''۔

سلاطین عضوض مسلمین (عباسیه و عثمانیه)

تمہید:

حمد وستائش اس ذات کے لئے سزاوار ہے جس نے اپنی کتاب عزیز و حکیم میں فرمایا **تلک الایام نداولها بین الناس** اور دنیا میں اقتدار کو گردش میں رکھا ہے کبھی حکومت باطل کو ہٹا کر حق کو جاگزین کرتا ہے کبھی حکومت حق کو ہٹا کر کفر کو جاگزین کرتا ہے کبھی ایک بے دین کو ہٹا کر ایک دوسرے بے دین کو اقتدار پر لاتے ہیں بنی عباس کی حکومت میں آنے کا شعار قرآن مخالف تھا حجرات کی آیت ۱۳ میں اپنی ذات سے قریب اور اپنے پاس مکرم ومحترم صرف اہل تقویٰ کو قرار دیا ہے سورہ مومنون کی آیت ۱۰۰ میں انساب پر فضیلت کو رد کیا ہے نبی کریم نے عرفات کے خطبہ میں افتخار با انساب کو پاؤں تلے دبایا ہے یہاں تقویٰ کا معنی پرہیزگاری کیا جاتا ہے ۔پرہیزگاری مفہوم صوفی ہے جبکہ تقویٰ اللہ کے قہر وغضب سے ڈرنے کو کہتے ہیں، رضوی، موسوی، حسینی، بخاری، قادری، زیدی، پرویزی وصدیقی وغیرہ اجرت رسالت کے پیچھے پڑے ہیں کہ ہماری عیاشی اجر رسالت میں دی گئی ہے انہیں جنت کی ضرورت نہیں وہ خود جنت تقسیم کرنے والے ہیں۔حمد وستائش اس ذات کے لئے سزاوار ہے کہ اس نے مجھے اس چکر سے رہائی عنایت کی ہے ورنہ ہمیں بھی کافرین وملحدین کو نائب رسول کہہ کر سلام کرنا پڑتا تھا۔

باطنیہ نے اپنے اقتدار کو امت مسلمہ کی مزاحمت و مقاومت سے بچا کے رکھنے کی خاطر امت کو لفظی جنگ میں دھکیل کر بیہودہ و بے معنی کلمۃ خلافت و امامت کا ورد کرار کھا ہے بڑے بڑے پائے کے علماء بھی آنکھیں

بند کر کے اس جنگ میں کود پڑے کہ ہمارے ہاں نظام امامت چلتا ہے کتنا شاندار و بابرکت نظام ہے جبکہ ہمارے مخالفین نے نظام خلافت اپنایا ہے۔ دونوں نظاموں کا سر ہے نہ پیر دونوں خوب و بد میں یکساں استعمال ہوتے ہیں۔ دین اللہ کا ہے لانے والے حضرت محمدؐ ہیں آپ کو اللہ نے کبھی نبی اور کبھی رسول کہہ کر پکارا ہے تاکہ نبی کریم کے شعور میں یہ فکر حاوی اور غالب رہے کہ آپ کی حیثیت خبر دہندہ، پیغام رساں کی ہے آپ کی ہدایات اپنی ذات کی طرف سے نہیں۔ نبی کریمؐ کی رحلت کے بعد جب ابوبکر جانشین منتخب ہوئے امت کے پاس خلیفہ کے سوا اور کلمہ نہیں تھا اور نہ اس میں کوئی قدسیت تھی آپ کی وفات کے بعد جب عمر بن خطاب آپ کے جانشین ہوئے تو یہاں یہ مسئلہ پیش آیا کہ آپ کو کس کلمہ سے پکارا جائے چونکہ آپ رسول کے جانشین تو نہیں ابوبکر کے جانشین تھے تو یہ مسئلہ مغیرہ بن شعبہ نے حل کیا یہاں یہ بات ذہن میں رکھیں مغیرہ ابن شعبہ مکر و فریب میں منفرد ہونے میں عمرو بن عاص جیسے تھے، مغیرہ اپنے ساتھیوں کو قتل کر کے ان کے مال لے کر نبی کریم کے پاس آئے تو آپ نے وہ تمام مال واپس کیے اور ان کے اسلام کو قبول فرمایا، غرض مغیرہ نے عمر بن خطاب کو امیر المومنین کہا نہ خلیفہ مسلمین کہا نہ امام المسلمین کہا۔

یہاں یہ سوال پیش آتا ہے کہ دین اسلام میں کونسا نظام قابل قبول ہے؟ یہاں جواب دو طرح سے دیا جاسکتا ہے تیسرا امکان پذیر نہیں، یہاں اسلام یا ضد اسلام ہے درمیان کا کوئی نظام متصور ہی نہیں۔

۱۔ نظام اسلام ہی ہوگا۔

۲۔ نظام سیکولر ہوگا۔

نظام اسلامی تو نہیں ہوسکتا ہے یہ بات بے بنیاد ہے، یہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے یہ جو کہتے ہیں یہاں اقلیت بھی رہتی ہیں یہ غلط بیانی کرتے

ہیں کیونکہ اقلیت کا معنی ہی ''اکثریت کی حکمرانی کو قبول کرنا ہوتا ہے''۔اس کو دیگر ملکوں سے تشبیہ دینا غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ ان ملکوں کا نظام سیکولر ہے لہٰذا اقلیت والوں کا نظام چلاتے رہیں۔اقتدار پر آنے کا طریقہ نفاذ اسلام ہے نفاذ اسلام میں تشدد و اکراہ نہیں ہے لہٰذا نہیں کے راستے ہی متعین ہونگے۔

بنی عباس کی سلطنت جسے ہاشمین کی حکومت کہتے ہیں خود کو وارثین رسول اللہ متعارف کرواتے تھے ان کا حکومت پر قبضہ معاویہ کی حکومت پر قبضہ سے چنداں مختلف نہیں تھا بلکہ وہ اس سلسلے میں معاویہ سے کئی گنا زیادہ گرے ہوئے تھے۔معاویہ کے تو اچھے خصائص بھی بیان کرتے ہیں جہاں اقتدار پر آنے کے بعد اپنے تمام تر سخت سیاسی و عسکری مخالفین کو معاف کیا۔ بنی ہاشم کے تمام افراد کو معاف کیا امام حسن کو نہیں چھیڑا۔امام حسین کا بہت کچھ احترام کرتے تھے، یزید کو معاویہ کے امام حسین سے بہت محترمانہ سلوک پر غصہ تھا کہ انہیں چھیڑا نہیں، جبکہ عبداللہ سفاح اور منصور نے وہ مظالم کیے کہ بنی امیہ کے خورد و کلاں، مرد و زن جہاں ملے انہیں قتل کرنے کا حکم صادر کیا حتیٰ اپنے خاندان سے چچا اور بھائی تک کو بھی قتل کیا۔انکی حکومت جنازوں سے گزرتی تھی، علوین کے ساتھ جو مظالم بنی عباس نے کئے ہیں اس کا عشر عشیر بھی بنی امیہ نے نہیں کئے۔بنی عباس کے سلاطین بار بار یہ رشک کرتے رہے کہ ہم عمر بن عبدالعزیز جیسا ایک بھی پیدا نہیں کر سکے۔

قوم و خاندان و قبیلہ پر جس جس نے افتخار و غرور کیا ہے اس نے زمین میں فساد پھیلایا ہے اللہ اور دین و شریعت کی بجائے شریعت شیطانی چلائی ہے۔بلتستان کے ایک علاقہ سادات نشین نے ایک وسیع آبادی پر اپنے حریم کا دعویٰ کر کے خود کو حسینی اور اپنے فریق مخالف کو یزیدی کہہ کر شور شرابہ چلایا ہے۔یہ حریم کا قانون تحلیل اموال میں نہیں آتا ہے، یہ بھی ایک قسم کا جابرانہ

وظالمانہ قبضہ ہے، مجتہدین وعلماء اللہ کی زمینوں کی تقسیم کنندہ افسر نہیں۔ ہم بنی عباس کو بنی امیہ سے بہتر سمجھتے ہیں نہ بنی عثمان سے، گرچہ ان تینوں کو عصر حاضر کے سیکولر حکمرانوں سے کہیں بہتر سمجھتے ہیں کیونکہ وہ اسلام پر فخر کرتے تھے جبکہ ان لوگوں کو اسلام سے چڑ ہے جس طرح اس نے مجھے سید ہونے کے باوجود سیادت کے افتخار سے دور رکھا ہے اسی طرح شیعہ وسنی' بریلوی' دیوبندی' صوفیوں اور دیگر فرقوں سے بھی دور رکھا ہے ہم اصحاب و آئمہ کو لائق تحسین سمجھتے ہیں انہوں نے نبی کریمؐ کی قیادت میں جنگ وصلح کی اور اپنی جانیں نچھاور کی ہیں ہم ان گروہوں اور فرقوں سے نفرت و بیزاری کا اعلان کرتے ہیں جنہوں نے قرآن اور قرآن محمدؐ کو پیچھے چھوڑ کر اہل بیت واصحاب کے نام سے امت اسلامیہ کو اسلام سے دور کیا ہے۔ بنی عباس نے اقتدار پر آنے کا جو شعار اپنایا جس کے تحت وہ اقتدار پر آئے ہیں اس سے قرآن اور سنت عملی رسول اللہ کی روش مین نتائج اخذ کرنے ہیں۔

۱۔ بنی عباس نے خود کو وارث خاندان رسالت قرار دے کر قرآن اور محمدؐ کے دفن کردہ معیار جاہلیت کو زندہ کیا۔

۲۔ بنی عباس نے اس منصب کو اپنا خاندانی ورثہ قرار دے کر اسلام میں کسرائی وقیصرائی نظام کی بنیاد ڈالی۔

۳۔ بنی عباس نے اس منصب کو مخصوص خاندان رسالت قرار دے کر خلافت ابوبکر وعمر وعثمان کو محور راشدین سے غیر راشدین قرار دیا۔

۴۔ بنی عباس نے اس منصب کو خاندان رسالت کے لئے مخصوص کر کے، اور دوسری طرف امام حسن کو منصب سے تنہا کر کے اس خاندان کے لئے عار وننگ چھوڑی۔

۵۔ بنی عباس نے اقتدار پر آنے کے لئے اور آنے کے بعد جو خون بہانے کے جرائم کا ارتکاب کیا ہے وہ مسلمانوں کے ماتھے پر داغ ہے یہاں

سے یہ سوال اٹھتا ہے دین اسلام میں نظام حکومت کس نوعیت کا اپنایا جائے۔
۱۔آیا اسلام نظام شہنشاہی یعنی ملوکیت کا خواہاں ہے۔
۲۔یا یہ نظام خلافت کا داعی ہے۔
۳۔یا یہ نظام امامت ہے۔
۴۔یا نظام شوریٰ ہے۔
۵۔یا نظام جمہوریت ہے۔
۶۔یا کوئی اور نظام ہے بیان کرنا ہوگا لیکن تعجب وحیرت ان علماء اعلام سے ہے جو علم میں ذوات عصر معاصر کے نوابغ ہیں لیکن فرقوں کی زبان استعمال کرتے ہیں یہ درست نہیں ہے۔

تاریخ کے تین علم ہیں۔تاریخ نقلی،تاریخ علمی اور تاریخ فلسفی۔اگر تینوں کو ساتھ نہیں پڑھیں گے تو یہ الف لیلہ،کلیلہ و دمنہ،موش و گربہ اور لیلیٰ و مجنوں کی کہانی ہوگی۔علم تاریخ کو تمام اقوام وملل میں انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ہندوستان والے ہندوستان کی تاریخ کو میلاد مسیح سے پہلے سے لیتے ہیں دنیائے صلیب اپنی تاریخ کو میلاد حضرت مسیح سے لیتے ہیں مسلمانوں کے فرقے اپنی تاریخ کی بجائے تاریخ میلادی لیتے ہیں بعض شمسی لیتے ہیں یہاں تک کہ کمال بے شرمی کے ساتھ کہتے ہیں ہماری تاریخ دوسروں نے لکھی ہے گرچہ عربوں میں اس کو بہت کچھ اہمیت حاصل ہے لہٰذا تاریخ میں انہوں نے بہت کتابیں لکھیں بلکہ تاریخ پڑھنے کے اصول وضوابط بھی لکھے،لیکن ہمارے برصغیر پاک و ہند میں اس کی چنداں کوئی اہمیت نہیں ہے لہٰذا یہاں کتب تاریخ بہت کم ہیں۔اس کی بنیادی وجہ فرقے ہیں فرقوں کی تاریخ بارہویں، گیارہویں، دسویں، ساتویں، چوتھی، تیسری یا دوسری سے اوپر نہیں جاتی ہے بعض کا کہنا ہے ان کی تاریخ غدیر سے شروع ہوتی ہے جب ان کے بزرگوں سے اوپر کا لکھنا پڑتا ہے تو ان کا سر نیچے ہو جاتا ہے،

زبان میں لکنت آتی ہے بطور مثال حضرت علی کے علاوہ یاران محمدؐ میں جو قرآنی معیارات پر اترتا ہے ان سے پوچھیں؟ ان دو سے بہترین کوئی تھے؟ تو سر نیچے ہوتے ہیں، پھر جب ان سے پوچھا جاتا ہے کیا حضرت علی بھی ان کو ہامان و فرعون اور گورباچوف جیسا سمجھتے تھے تو سر نیچے ہو جاتا ہے۔ مسلمان اپنی تاریخ عبرت و درس لینے کے لیے نہیں پڑھتے بس رات گزاری کیلئے پڑھتے ہیں جبکہ ان کے دشمن ان کی ایسی کی تیسی کے لئے پڑھتے ہیں۔ اسلامی تاریخ سے چڑ ہونے کی وجہ سے علماء و قضات اور مفتیان مدارس کے درس کا آغاز و انتہا کمال بے شرمی کے ساتھ انگریزی میں لکھتے ہیں یہاں مسلمانوں کی چندین تاریخیں ہیں۔

ا۔ تاریخ اسلام ہے جس سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ اسلام یہاں کون اور کب لایا ہے؟ کس نے یہاں والوں کو کلمہ لا الہ پڑھوایا؟ کس نے یہاں والوں کو مسلمان بنایا ملک کو پاکستان ''پاک نشین'' بنایا ہے؟ کیا پاکستان ابتداء سے انتہاء تعلیم تک صلیبیوں کے سکول کالج یونیورسٹی میں پڑھنے والوں نے بنایا ہے؟ یعنی پاکستان بنانے والے کون ہیں؟ جو شخص برطانیہ کی طرف سے گورنر ہو، جن لوگوں نے لندن میں حکومت برطانیہ کے ساتھ بیٹھ کر یہاں کا نقشہ بنوایا ہوانہوں نے پاکستان بنایا ہے؟ تو کیوں کہتے ہیں یہاں ہندو ہندو نہیں رہے گا مسلمان مسلمان نہیں رہے گا؟ اسی لئے ضروری ہے کہ تاریخ کو اٹھایا جائے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اگر ہم نہیں اٹھائیں گے تو کھیلنے والے تو اٹھائینگے جیسے میلاد والے، عزاداری والے، سالگرہ و برسی کے نام سے اسلام کو مسخ کرنے والے اور ملک کو قبرستان اور مزارات بنانے والے اٹھاتے رہتے ہیں کوئی اس انتظار میں نہ رہے کہ کوئی بزرگ نابغہ روزگار ذہین و فطین شخصیت آئے گی اور وہ لکھے گی۔ ہم نے تاریخ کو اٹھایا ہے اس سلسلے میں ہماری کچھ کتابیں آئی ہیں ان شاء

اللہ کچھ اور آئیں گی۔ اگر چہ ہمارا قد چھوٹا ہے درسگاہوں کے ناکام طالب علم ہیں لیکن جن نوابغ نے جن ارشدوں نے جو لکھا ہے وہ کتابیں بھی غلطیوں سے محفوظ نہیں ہیں غلطیاں ان میں بھی ہیں ہماری کتابوں میں بھی ہونگی۔ لیکن صرف چند نمبروں کے فرق کے ساتھ ہونگی ،غلطیاں ضرور ہونگی ،غلطیاں ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آسمان سے نازل نہیں ہوئیں کسی بشر نے لکھی ہیں اگر زیادہ غلطیاں نکلیں تو سمجھ لیں یا تو کسی نے پڑھے بغیر لکھی ہے یا دین اسلام سے بغض وعناد کی اندرونی غلاظت نکالی ہے۔

سلاطین عضوض مسلمین خاندان بنی امیہ سے بہتر نہیں بلکہ بد تر تھے۔ بعض نے بغض اور بعض نے اپنے ملک کی خاطر ان کی تجلیل کی ہے ان کا یہ عمل کسی اصول و معیار کے تحت نہیں تھا۔ خاندان عباسیہ سے اٹھنے والے اقتدار طلبان بھی جادۂ ضالہ کے مسافر تھے انھیں ضالہ کہنے کی توجیہ میں تجزیہ نگاروں نے چند وجوہات بیان کی ہیں:

۱۔ ان لوگوں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ یہ منصب قرآن اور سنت حضرت محمدؐ کے تحت انکا حق تھا جو بنی امیہ نے بزور طاقت ان سے چھینا تھا لیکن اس کیلئے انہوں نے جتنی آیات سے استناد کیا وہ روایت سازوں کی ملی بھگت ثابت ہوئیں، یہ سنی شیعہ میں نورا کشتی جیسا ہے ''تم یہ بولو سنیوں نے لکھا ہے''، ہم یہ بولیں گے ''رافضیوں کا یہ عقیدہ ہے'' ہم دونوں کو برابر نہیں دکھا سکتے ہیں۔

۲۔ ان لوگوں نے اقتدار پر آنے کے بعد ایسی خونریزیاں کیں جن کی مثال دور بنی امیہ میں بھی نہیں ملتی ہے۔

۳۔ اگر یہ منصب اس خاندان کا حق تھا تو اس کے لئے قواعد وضوابط بھی ہونا چاہیے تھے کنیز زادوں اور ان کی اولادوں کو نہیں ملے گا، بھائی سے جبری استعفٰی لے کر اپنے بیٹے کو حاکم بنائیں، اپنی کم عمر اولاد کو سلطان مسلمین

بنانے کا قانون کہاں سے بنایا ہے؟ کوئی بھی خاندان قانون عروج وزوال و پستی و نیستی سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا ہے، اپنے بیٹوں کو حکومت دینے کے لئے بھائیوں کو قتل کرنا کس جواز کے تحت تھا؟

۴۔انہوں نے یہ اقتدار اصول قیصر و کسریٰ کے تحت اپنے گھر میں ہی محصور رکھا۔

۵۔اقتدار پر آنے کے بعد انتقام کے نام سے ایسی جنایتوں کے مرتکب ہوئے جن سے لوگوں کے اذہان سے حجاج بن یوسف ومختار ثقفی شقی کا نام مٹ گیا اور سفاح وابو مسلم خراسانی اور منصور دوانیقی جاگزیں ہو گئے۔

۶۔ایک ولی عہد کی جگہ دو تین ولی عہد بنانے کی سنت کس منطق کے تحت تھی؟

۷۔اپنے بیٹے کے اقتدار کی خاطر بھائی اور چچا کو بھی جان سے مارنا خاندان عباسیہ کا شیوہ تھا۔

۸۔بیت المال مسلمین کو کذاب شعراء، رقاص، اداکاروں، نمیمہ سازوں کے لیے اور اسلام کے لئے حقد و کینہ رکھنے والوں کے لئے کھول کے رکھا، جبکہ مسلمانوں کے لئے بند رکھا۔جس طرح آج شریف وزرداری اور خان نے پارٹی ممبران کے لئے بے نظیر انکم سپورٹ،احساس پروگرام، پیلی ٹیکسی سکیم وشلٹر ہوم اور لنگر خانوں کے نام سے مختلف ادارے کھولے ہیں۔ عام مسلمان مصیبت میں گرفتار ہیں پھر رات گانا گانے والوں کے ساتھ گزارنے والوں سے ملنے کی کیا منطق ہے؟ خاندان بنی عباس قریش سے تعلق رکھتے تھے جن کو قرآن ومحمدؐ کی سیرت کے تحت دیگر خاندانوں پر کوئی برتری حاصل نہیں تھی ،قرآن وفرمان رسول عظیم المرتبت کے تحت معیار اسلام ہے﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ﴾اور رسولؐ اللہ نے فرمایا﴿لا فضل العربی علی

عــجــمــی ﴾سوال پیش آتا ہے بنی عباس کے ہاں ہوس اقتدار کہاں سے آئی؟ حضرت عباس اور ان کے فرزند عبداللہ اوران کے فرزند علی ہوس اقتدار نہیں رکھتے تھے، ان میں بنی امیہ کے نااہل و نالائق فاسدوں کے اقتدار پر آنے اور دوسری طرف سے بنی ہاشم کے دیگر خاندانوں کی اقتدار کی طمع کی وجہ سے ہوس اقتدار نے سرایت کیا ہے۔ عباسیہ کا سلسلۂ نسب عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف سے ملتا ہے عبد المطلب سے پھیلنے والے خاندانوں کی زیادہ برگشت عبد المطلب کے ابی طالب اور عباس پر ہوتی ہے۔ عباس کی والدہ کا سلسلہ نسب نتیلہ بنت خباب بن کلیب بن نمرہ بن قاسط نزار سے ملتا ہے۔ عباس حادثہ فیل سے تین سال قبل پیدا ہوئے اس حوالہ سے نبی کریم سے عمر میں تین سال بڑے تھے۔ عباس مکہ میں محترم ومکرم اور صاحب ثروت و دولت سمجھے جاتے تھے وہ ابوسفیان صخر بن حرب کے خاص دوستوں میں سے تھے۔

جب اسلام آیا تو عباس کی دوستی دل کی گہرائیوں سے رسول اللہ سے تھی لیکن ظاہری طور پر وہ مشرکین کے ساتھ تھے نبی کریمؐ کی پیروی میں نہیں تھے۔ جب ابو طالب کی وفات ہوئی تو عباس ہی خاندان عبد المطلب کے سربراہ بنے لیکن رسول اللہ کی پشت پناہی وحمایت ظاہری خاندان کا فرض تھا اس لئے جب بیعت عقبہ میں حضرت محمدؐ نے مدینہ سے آنے والوں کے ساتھ معاہدہ کیا تو عباس آپ کے ساتھ شریک تھے چنانچہ آپ نے اہل مدینہ سے کہا: ''تم لوگ محمدؐ کو اپنی طرف بلا رہے ہو محمدؐ اپنے عشیرہ میں عزیز و محترم ہیں ہم ان کے مددگار ہیں گرچہ ہماری قوم میں سے ان کی پیروی کر نے والے نہیں ہیں لیکن ان کی پیروی نہ کرتے ہوئے ہم ان سے اپنے خاندان کی خاطر ہی دفاع کرتے ہیں، لیکن محمدؐ نے آپ کے ساتھ رہنا پسند کیا اگر میرے پاس طاقت و قدرت ہوتی، عرب دشمنی کے مقابل میں

استقلال ہوتا تو تم دیکھتے، لیکن تم دیکھو اپنے درمیان مشورہ کرو بعد میں تم میں سے کوئی آپس میں اختلاف نہ کرے بہترین حدیث وہ حدیث ہے جو سچی ہو تم کس طرح سے اپنے دشمن سے جنگ کرو گے مجھے بتا دو‘‘۔اہل مدینہ خاموش رہے۔اس وقت عبداللہ بن عمرو بن حزام اٹھے انہوں نے کہا:’’ہم اہل جنگ ہیں، ہم نے جنگ کی تلخی و شیرینی کا مزہ چکھا ہے ہم نے جنگ کو اپنے آباء واجداد سے لیا ہے ہم اتنے تیر ماریں گے یہاں تک کہ ترکش خالی ہو جائیں، ہم نیزہ ماریں گے یہاں تک کہ نیزہ ٹوٹ جائے گا۔ہم تلوار سے وار کریں گے جو ہم سے جنگ کرے گا وہ مارا جائے گا۔‘‘ عباس نے پوچھا:’’تم لوگ اصحاب حرب ہو کیا؟‘‘ انہوں نے کہا: ہاں۔ براء بن معرور نے کہا:’’آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ ہم نے سنا ہے اگر ہمارے دل میں اس کے علاوہ اور بات ہوتی تو ہم کہہ دیتے ہم چاہتے ہیں کہ وفا کریں، ہم صدق نیت سے ان کے ساتھ رہیں گے اپنا خون رسولؐ اللہ کی راہ میں بہائیں گے‘‘۔

پھر پیغمبرؐ نے قرآن کی آیات کی تلاوت فرمائی اور انھیں اسلام کی طرف رغبت دلائی اور جس مقصد کیلئے انھیں بلایا تھا اس کا ذکر کیا تو براء بن معرور نے ایمان وتصدیق کے ساتھ پیغمبرؐ کے ہاتھوں بیعت کی۔عباس نے پیغمبرؐ کے ہاتھوں کو پکڑ کر ان سے کہا ان کے ساتھ وفا کرو۔ جب قریش محمدؐ کے ساتھ جنگ کیلئے بدر میں نکلے تو عباس اور ان کے بھائی اور ان کی اولادوں کو بھی با دل ناخواستہ اور مجبوراً جانا پڑا تو بدر کے موقع پر پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب سے کہا اگر تم میں سے کوئی عباس، عقیل اور نوفل بن حارث سے ملے تو ان کو قتل نہ کرنا ان لوگوں کو انہوں نے مجبوراً نکالا ہے۔اس جنگ میں عباس اسیر ہوئے عباس نے اپنا مال دے کر خود کو آزاد کرایا عقیل بن ابی طالب، نوفل بن حارث بن عبدالمطلب نے خود اپنا فدیہ دیا پھر یہ لوگ مکہ

گئے اور مکہ میں قیام کیا عباس پیغمبرؐ کو مکہ میں ہونے والی سرگرمیوں کی اطلاع دیتے تھے وہاں پر جو مومنین پیغمبرؐ پر ایمان لاتے ان کو عباس کی وجہ سے تقویت ملتی تھی اور وہ انہی کے پاس جاتے تھے اور یہ ان کی معاونت کرتے تھے۔ جب عباس نے پیغمبرؐ کو لکھا کہ میں آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں تو پیغمبرؐ نے لکھا آپ وہاں قیام کریں تو بہتر ہے تو آپ نے پیغمبرؐ کے حکم سے وہاں قیام کیا۔ فتح سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کی آپ فتح مکہ میں پیغمبرؐ کے لشکر میں شریک ہوئے آپ کی وجہ سے ابوسفیان کو افتخار ملا اور انھیں نجات ملی چونکہ پیغمبرؐ نے فتح مکہ کے موقع پر آپ کی سفارش پر کہا تھا کہ جو بھی ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا وہ نجات پائے گا۔

عباس جنگ حنین میں شریک ہوئے اور آزمائش وامتحان میں کامیاب وسرفراز ہوئے اسکے بعد مدینہ گئے اور وہاں قیام کیا ان کے احترام کو دیکھ کر یاران محمد بھی آپ کا احترام کرتے تھے۔ نبی کریمؐ کی علالت کے دوران عباس نے علی سے پوچھا کیا میں رسول اللہ سے پوچھوں کہ آپ کی نیابت میں ہمارا کوئی حصہ حق بنتا ہے تو حضرت علی نے سختی سے منع کیا۔ سقیفہ کی روئیداد میں بنی عباس نے کوئی ایسا مظاہرہ فعلی یا قولی کیا ہو جو دیگران کے لئے ناگوار ہو نہیں ملتا ہے آپ نے ۱۴ رجب ۳۲ھ کو وفات پائی اس وقت آپ کی عمر ۸۸ سال تھی آپ بقیع میں دفن ہیں آپ کی اولادوں میں سب سے بڑے فضل ہیں انھی سے آپ کی کنیت ہے۔ عباس کے دوسرے بیٹے عبداللہ تھے یہ ہجرت کے دوسرے سال پیدا ہوئے۔ عباس کی اولاد میں سب سے بڑے فضل ان کے بعد عبداللہ اور عبیداللہ، عبدالرحمٰن، قثم، معبد اور ام حبیبہ ہیں، ان سب کی ماں لبابہ بنت الحارث تھی۔ یہ عبداللہ جد خلفاء بنی عباس ہے جو ہجرت سے ۲ سال پہلے پیدا ہوئے وفات پیغمبرؐ کے موقع پر ان کی عمر ۱۳ سال تھی پیغمبرؐ ان سے محبت کرتے تھے کہتے ہیں آپ معارف و

دقائق قرآن سے واقف وآگاہ تھے۔ حضرت علی کے دورخلافت میں آپ حضرت علی کیلئے دست راست کی حیثیت رکھتے تھے اور حضرت علی کا دفاع کرنے والوں میں سے تھے، عبداللہ کا اہلبیت سے لگاؤ اور محبت کے بارے میں امام حسین نے انکی حمایت ودفاع کی تصدیق کی ہے۔ امور اجتماعی امت میں ان کا شمار بڑے اصحاب میں ہوتا تھا اور اصحاب سے چھوٹے ہونے کے باوجود سب ان سے مسائل دریافت کرتے تھے حضرت عثمان نے انہیں سنہ ۳۵ھ میں مکہ میں امیر حج بنایا جب حضرت علی کی بیعت کی گئی تو وہ ان کے حامی وپشت پناہ بنے اور جنگوں میں ان کی ہمراہی کی۔ حضرت نے انھیں بصرہ اور اس کے اطراف کا والی بنایا آخر میں مکہ گئے اور وہاں سے طائف گئے انہوں نے ۶۸ھ میں وفات پائی۔ جس دن حضرت علی قتل ہوئے اسی دن عبداللہ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ انہوں نے حضرت علی سے زیادہ لگاؤ و شغف کی وجہ سے اپنے فرزند کا نام علی رکھا تھا آپ عبداللہ بن عباس کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے اور حسن وجمال میں بے مثال تھے۔ آپ نے ۱۱۷ ہجری میں وفات پائی انکے بارہ فرزند اور گیارہ بیٹیاں تھیں انکے ایک بیٹے کا نام ''محمد'' تھا محمد بن علی سب سے بڑا تھا ان کی اولادوں میں سے:

(۱) ابراہیم امام (۲) ابی العباس سفاح

(۳) ابوجعفر منصور دوانیقی موسیٰ بن محمد ہیں۔

کہتے ہیں محمد نے اپنی وفات سے پہلے ابراہیم کو نامزد کیا تھا ابراہیم گرفتار ہو کے بنی امیہ کے زندان میں پہنچا اور وہیں وفات پائی تو ان کی جگہ ابی العباس سفاح کو نامزد کیا۔ انہی کے دور میں تحریک زور پکڑ گئی تحریک کامیاب ہوئی اور آپ امیرالمومنین بن گئے۔

سقوط اموی اور سعود عباسی کے اسباب وعلل:

بنی اُمیہ کا ۸۰ سالہ سلطنت کا دور گزرنے کے بعد ان کا اقتدار اختتام کو پہنچا ان کی جگہ بنی عباس براجمان ہوگئے یہ تقدیر منقش تھی یا ارادہ مکون کو نیات تھا یا دونوں طرف کے کردار کا نتیجہ حتمی تھا ہر ایک قائل ہے کہ تقدیر مقطوع ارادہ مکون کائنات میں کسی کی تدبیر وعمل کا دخل نہیں ہوتا ہے اگر دونوں طرف کے کردار تھے تو ہم بھی کوئی کردار پیش کر سکتے ہیں۔ آیئے آخری مفروضے کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ بنی اُمیہ کے زوال کے بارے میں جو اسباب وعوامل بیان کیے جاتے ہیں انہی کو ہم ذیل میں پیش کریں گے:

۱۔ **ولی عہد کی نامزدگی:**۔ امیر معاویہ نے اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو بزور طاقت نامزد کیا یہ سلسلہ بنی امیہ سے لیکر تاحال جاری ہے اس طرح نظام ولی عہدی کا آغاز معاویہ نے اپنے غیر صالح ونالائق بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنا کر کیا ان کا یہ عمل خلاف مصلحت اسلام وامت اسلام تھا۔

۲۔ لیکن بعد کے حکمران ایک کی بجائے دو تین کو ولی عہد نامزد کرنے لگے ایک نے دوسرے کو ہٹانے کی کوشش شروع کی جس کا انجام یہ ہوا کہ خاندان کے اندر عداوت ودشمنی اور اختلاف پیدا ہونے لگا۔ دو ولی عہد نصب کرنے کی بنیاد مروان بن حکم نے رکھی۔ جہاں اس نے خالد بن یزید بن معاویہ اور اپنے بیٹے عبدالملک کو ولی عہد مقرر کیا بعد میں خالد بن یزید کو ہٹا کر عبدالملک اور عبدالعزیز کو ولی عہد بنایا جب عبدالملک بنے تو اس نے عمر ابن اشدق اور ولید کو ولی عہد لقب دیا۔

۳۔ عبدالملک نے اپنے باپ کی سیرت پر چلتے ہوئے اپنے بھائی عبدالعزیز کو ولی عہدی سے ہٹا کر اپنے دو بیٹوں ولید اور اسکے بعد سلیمان

کو ولی عہدی کیلئے نامزد کیا اسی طرح جب ولید خلافت پر قابض ہوا تو اس نے اپنے بھائی سلیمان کو ہٹا کر اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد بنانا چاہا تو عمر بن عبدالعزیز مانع ہو گئے اس طرح سے خلیفہ بننے والے اپنے عزیزوں کو ہٹا کر اپنے ہی بیٹوں کو ولی عہد بناتے رہے۔

۴۔ معاویہ کی خلافت مستحکم ہونے کے بعد اس کی تمام تر کوشش یہ رہی کہ اب خلافت کی جڑوں کو ابوسفیان کے گھر میں گاڑھا جائے وہ اس کے لئے تمہید بنا رہے تھے معاویہ نے اپنی سیاست ان تین بنیادوں پر قائم کی جن کی زبان مال سے بند ہوتی ہے ان کا منہ مال سے بند کیا گیا جس کو ضرب المثل ''اہل بیت نبوت'' یا اہل بیت نبوی یا نبوت کے گھر والے اور ان کے چاہنے والوں کو چن چن کر ظلم اور محرومیت کا نشانہ بنایا گیا جس کے نتیجے میں بنی ہاشم اور اولاد علی و بنی فاطمہ کم از کم اس بات پر متفق و متحد ہو گئے کہ بنی اُمیہ سے اپنا حق باز یاب کریں چنانچہ دوسرے مرحلے میں اولاد عباس نے ایک مخفی تنظیم کی بنیاد رکھی اور بنی اُمیہ سے انتقام لینے کا عہد کیا۔

۵۔ ولید بن یزید کے بعد ہر شخص نے اقتدار کا خواب دیکھا حتیٰ دیگر خاندانوں سے بھی بہت سوں نے اقتدار کا خواب دیکھا ان میں سے ایک عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ جعفر طیار تھے جس نے دعویٰ کیا اللہ محمدؐ میں حلول ہوا اور محمدؐ کے بعد اس میں حلول ہوا اس طرح سے کچھ افراد کچھ عرصہ اپنے ہاں لوگوں کو جمع کر کے اپنے امیر المومنین ہونے کا اعلان کرتے تھے اکثر و بیشتر انقلابیوں نے ایسا کیا کہ جہاں کہیں حکومت وقت کے خلاف مزاحمت کا موقعہ ملا وہاں کوئی بھی شخص اپنے ہاشمی ہونے کا دعویٰ کر کے امامت کا مدعی بنتا تھا۔ ان میں بنی عباس کا خاندان بھی شریک رہا۔

۶۔ فرقہ کیسانیہ کے بانی ابو ہاشم نے اپنا آدمی بنی عباس کو دیا۔

یہاں یہ سوال پیش آتا ہے کہ اہل فارس ہی کیوں اور کس لئے اہلبیت

کے چاہنے والے بنے تھے؟ انہیں کس نے اہلبیت کا تعارف کرایا تھا جبکہ اس خاندان کے برگزیدہ یعنی محترم کل خاندان امام صادق نے فرمایا ''فارس خراسان میں ہمارا کوئی شیعہ نہیں ہے''۔ان میں اقتدار کے خواہاں بہت تھے لیکن بنی عباس زیادہ منظّم تھے۔

اسباب زوال حکومت بنی امیہ:[قصص العرب جاد مولیٰ ج۴ ص۳۴۵ شمارہ ۱۰۵]

منصور نے ایک رات شب بیداری میں گزاری اور یاد خلفائے بنی امیہ اور ان کی آزمائش اور امتحانات کو یاد کیا کہ وہ کب تک استقامت میں رہے اور ان کی حکومتیں ان کی اولادوں کو ملیں، وہ صاحبان ملک وجلالت تھے ان کی صرف خواہشات شہوات، ان کے تمام مقاصد شہوات لذات معصیت الٰہی میں مستغرق ہونا' گناہ کا ارتکاب کرنا لہٰذا اللہ نے ان سے عزت کو صلب کیا نعمت ان سے ہٹ گئی۔ صالح بن علی نے منصور سے کہا عبداللہ بن مروان جب فرار ہو کر نوبہ پہنچے تو ملکہ نوبہ نے ان سے پوچھا کہ آپ کی حکومت کیوں ذائل ہوئی؟ منصور نے سوال کیا ''تو انہوں نے کیا جواب دیا تھا؟'' صالح نے کہا کہ مجھے یاد نہیں کس جواب پر ملک نوبہ نے ان کو شہر بدر کیا اگر امیرالمومنین جاننا چاہتے ہیں تو ان کو زندان سے نکالیں اور ان سے پوچھیں وہاں کیا سوالات ہوئے تھے۔منصور نے ان کو حاضر کرنے کیلئے کہا وہ حاضر ہوا اور کہا یا امیرالمومنین ہم عرض نوبہ پہنچے وہاں کی ملک کو ہماری خبر دی گئی، ایک بلند قد کا حسین وجمیل صاحب شہامت آیا اور زمین پر بیٹھا لیکن ہم سے نہیں ملا میں نے ان سے پوچھا آپ کو ہمارے نزدیک بیٹھنے میں کیا حرج ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں بادشاہ ہوں بادشاہ کے لئے سزاوار ہے کہ وہ اللہ کے لئے تواضع کرے پھر کہا تم لوگ شراب کیوں پیتے

ہو جب کہ تمہارے مذہب میں شراب حرام ہے؟ جواب دیا کہ یہ جرات ہم اپنے دین کے خلاف کرتے ہیں یہ ہمارے غلاموں تک سب میں سرایت کر گئی ہے حتیٰ کہ اب ہم سے حکومت بھی زائل ہوئی ہے۔ پھر پوچھا کہ تم زراعتوں میں اپنے مال مویشی کیوں دوڑاتے ہو جب کہ یہ تمہاری کتاب میں حرام ہے؟ کہا کہ یہ ہمارے غلام کرتے ہیں ان کو پتہ نہیں۔ پھر پوچھا کہ تم دیباج اور حریر کیوں پہنتے ہو یہ بھی تمہارے مذہب میں حرام ہے؟ سونا چاندی کیوں استعمال کرتے ہو جو کہ تمہارے لئے حرام ہے؟ تو میں نے کہا ملک وسلطنت ہم سے گئی ہے ہمارے انصار کم ہیں ہمارے اوپر عجموں کی قوم غالب آئی ہے جو ہمارے دین میں داخل ہوئے ہیں۔ وہ ہمارے خلاف پہنتے ہیں تھوڑی دیر خاموش ہوگیا ہاتھ ہلایا زمین پر نگاہ کی اور کہا تم کہتے ہو ہمارے بندے، غلام ہمارے دین میں داخل ہوئے ہماری سلطنت کو ہم سے چھین لیا، لیکن ایسا نہیں ہے تم اللہ کے حرام کو حلال کرنے والے ہو، اللہ کی منہیات کا ارتکاب کرنے والے ہو، اپنے مملوک پر ظلم کرنے والے ہو، اللہ نے تم سے عزت کو لے لیا ہے۔ تمہارے گناہوں کی وجہ سے ذلت تمہیں دی ہے اللہ نے تم پر عذاب نازل کیا ہے ہمیں ڈر ہے تمہاری وجہ سے ہمارے ملک میں عذاب آئے اور ہم بھی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں مہمان داری تین دن ہوتی ہے اپنی ضرورت کی چیزیں اٹھاؤ اور ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔

عوامل واسباب کامیابئ بنی عباس:۔

اس سلسلے میں بہت سے تحلیل گراں نے کتابیں لکھی ہیں۔

۱۔ بعض بنی امیہ کا خاندانی شیرازہ بکھرنے اور آخر میں آنے والے سلاطین کی نااہلی کو دیکھ کر نئی اور لائق وقابل شخصیات کے متمنی تھے۔

۲۔ اہل فارس کلی طور پر اقتدار پر قبضے کے لئے پہلے مرحلے میں اہلبیت

سے وابستہ افراد کی تلاش میں تھے لہٰذا دلی طور پر اہلبیت کے چاہنے والے اور اسلام مخالف سب ایک ہو کر متحدہ محاذ بن گئے تھے۔

۳۔ میدان دعوت میں اہلبیت کا نام تو بہت رکھتے تھے لیکن عمل میں صرف بنی ہاشم تھے۔ دوسرے مرحلے پر فاطمی ہیں، تیسرا حزب حسنی ہے چوتھا ''حزب علوی'' ہے جو برائے نام تھا باقی تینوں نے بہت مقام بنایا، یہ تین حزب ''بیت نبی'' کی بنیاد پر خلافت وامامت پر قبضہ کرنے کے لئے متحرک تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بنیاد اپنی جگہ قرآن اور سنت کے اصول سے متصادم ہے جس کا ذکر ہم نے پہلے کیا ہے یہ ان سیاسی احزابِ میں سے تھے جن کا بنیادی ہدف ''حکومت حاصل کرو اور اسکی جڑوں کو اپنے خاندان میں گاڑ دو'' تھا۔ طریقہ کار کیا ہو گا وہ بیان نہیں کیا گیا تھا وہ ابہام میں رکھا صیغہ راز میں رکھا گیا تھا اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں، ایک حکومت کی نظروں سے بچانے کی خاطر تھا تا کہ ان کی گرفت میں نہ آئیں دوسرا خاندان سے وابستہ دیگر گروہوں کو حالت غنودگی میں رکھنا تھا۔ یہ عمل انتہائی حد تک شیطانی تھا دین اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ مجمل و مبہم دعوت سے لوگوں کو دھوکہ دے کر جمع کریں۔ نحل وسہل دین میں نہیں ہے یہی طریقہ فاطمیوں نے بھی اپنایا کہ امام غیب میں ہے اور آج کوئی فریاد کو نہیں پہنچ رہا ہے حالانکہ خود امام تھے خود داعی الٰی امام تھے۔ اس جنگ کی منصوبہ بندی کرنے والوں نے قائدین کو صیغہ راز میں رکھا تھا، انہوں نے حکومت کا نعرہ بلند کیا اور کہا کہ ''آل محمدؐ'' کی حکومت پر راضی ہو جاؤ، اس طرح انہوں نے اپنے اندر دیگر چھوٹے احزاب کو بھی شامل کیا۔ اسی طرح اِس وقت اسلامی ملکوں میں اقتدار پر آنے کیلئے اتحاد قائم کرتے ہیں۔ انقلاب اسلامی ایران میں قوم پرست، بہائی، اسماعیلی، کمیونیزم، سوشلزم اور دائیں بائیں بازو والے سب متحد ہوتے ہیں شخصیت امام خمینی جو اس تحریک میں مرکزی

حیثیت رکھتی تھی ان کی وجہ سے باقی احزاب اپنے عزائم و منویات میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔تحریک ''الرضا با آل محمد'' میں مرکزی حیثیت کی حامل آل عباس تھی اور اس میں بھی مرکزی شخصیت منصور دوانیقی تھے لہٰذا دیگران جو حصول اقتدار میں تو ناکام ہو گئے لیکن انہوں نے اس شرط کے ساتھ اس تحریک کا ساتھ دیا کہ بنی امیہ کے جانے کے بعد انکو بھی اقتدار میں انکا حصہ دیا جائے گا یا وہ خود اقتدار پر آئیں گے۔

''حزب''ان کلمات میں سے ہے جس سے جمع اور تفریق دونوں پہلو نکلتے ہیں۔اسی طرح دوسرے مرحلے میں ان افراد کو جمع کرتے ہیں جو کسی نقطہ نظر میں اتحاد اور یک جہتی رکھتے ہیں جیسے ایک باپ کی چند اولادیں ہوں تو ان کو مختلف بنیادوں پر توڑتے ہیں کبھی ماں الگ ہونے کی بنیاد پر کبھی باپ کی طرف سے زیادہ اور کم چاہت کی بنیاد پر۔

اقتدار بڑا گناہ۔

ارباب اقتدار کے بڑے بڑے جرائم ہوتے ہیں کم ترین جرم اقتدار کے معاندین و متعارضین کو راستے سے ہٹانا ہوتا ہے معاویہ بن سفیان نے مندرجہ ذیل جرم و جنایت کیے۔

۱۔معاویہ بن سفیان نے عمرو بن عاص کو مادم العمر خراج معافی سے خریدا۔

۲۔معاویہ نے مالک اشتر نخعی کو مصر جاتے ہوئے راستے میں زہر دے کر قتل کروایا۔

۳۔جس کو خریدا جا سکتا تھا خریدا۔

۴۔حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو علی سے برائت نہ کرنے پر قتل کیا۔

۵۔علی کے والی محمد بن ابی بکر کو مصر میں قتل کروایا۔

یہ برائیاں جو معاویہ نے اپنی زندگی میں کیں اگر وہ اس طرح کی برائیاں اپنے بعد میں آنے والے سلاطین بنی امیہ سے لیکر الی انقراض عثمانی والوں کے مقابل میں دیکھیں گے تو معاویہ کو شرمندگی ہوگی کہ ہم سب سے کم استفادہ کرنے والوں میں سے ہیں۔ بلکہ اگر ہم نظام جدید میں جمہوری حکمرانوں کا ذرا حساب کریں تو ہم معاویہ اور عباسیوں کو عادل پائینگے اور اِن کو ظالم وفاسق وفاجر اور خائن پائینگے۔

حکومت داری صرف خود ارادی سے چلتی ہے۔

کہتے ہیں اگر کوئی حکومت کسی فکر یا شخص کے زیر اثر ہوگی تو وہ حکومت نہیں چل سکتی ہے لہٰذا بہت سے حکمران یہ دعویٰ کرتے ہیں ہم ایک خود مختار حاکم ہیں، کسی کے ماتحت نہیں ہیں چنانچہ مامون الرشید نے کہا'' معاویہ سیاست مداری میں مشہور تھے لیکن وہ عمرو بن عاص کے کہنے پر چلتے تھے، عبد الملک بن مروان حجاج کے کہنے پر چلتے تھے میں اپنی رائے سے حکومت چلاتا ہوں''۔ یہ بات مامون الرشید نے غلط کی معاویہ کسی کی بات پر نہیں چلتے تھے خود مستقل تھے اس کے شواہد موجود ہیں جبکہ مامون الرشید خود مستقل نہیں تھے اس کو بہت دفعہ شرمندہ ہونا پڑا۔ لیکن یہ کہنا کہ جو شخص اپنی خود ارادی سے چلتا ہے وہ ضرور کامیاب ہوتا ہے یہ بھی غلط مفروضہ ہے، انسان کی دو الٰہی صفات ہیں جو اللہ سبحانہ نے قرآن میں بیان فرمائی ہیں ایک وہ جہول ہے انسان کتنا بھی علامہ نابغہ روزگار کیوں نہ ہو عالم فی الضمیر تو نہیں ہے لہٰذا بڑے سے بڑا عالم خطا کاری کا شکار ہوتا ہے غلطی کرتا ہے دوسری صفت ضعیف ہے قرآن میں آیا ہے انسان کو ہم نے ضعیف بنایا ہے جو شخص خود کو قوی سمجھتا ہے اس کو شکست کھانا پڑے گی۔

بنی عباس کے اہداف وغایات:۔

جب خاندانِ بنی عباس ’’عباس‘‘ کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک ایک گمنام گھرانے کی سی زندگی بسر کرتا رہا وہ امیر المومنین علی سے قرابت کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے تھے، ان کے مقابل میں اقتدار اعلیٰ کے لئے خود کو سزاوار نہیں سمجھتے تھے یہی وجہ تھی کہ وہ علوی اجتماعات میں شرکت کرنے کو اپنے لیے باعثِ افتخار سمجھتے تھے۔ محمد نفس ذکیہ نے جو تحریک شروع کی تو یہ گھرانہ ان میں شامل ہو گیا تھا ’’علی بن عبداللہ بن عباس‘‘ نے دوسری صدی کے ابتدائی دور سے صلاح ومشورہ کا آغاز کیا بعض کہتے ہیں یہ صلاح ومشورہ ۱۰۴ ہجری یا بعض کے مطابق ۱۱۷ ہجری میں شروع ہوا، جس وقت عمر بن عبدالعزیز بن مروان زندہ تھے، بنی عباس نے اپنی خلافت کیلئے دو مراکز کا انتخاب کیا ایک کوفہ اور دوسرا خراسان، اسکے لیے ۱۲ نقیب اور ۷۰ کارکن انتخاب کئے۔

خلافت بنی عباس کے آغاز وانجام، مراحل وادوار کے بارے میں جو بھی نقولات اور متون تاریخ میں ملتے ہیں ان سے مندرجہ ذیل ملاحظات اور نتائج اخذ کر سکتے ہیں:

۱۔ ان کا قیام قطعی طور پر سر بلندئ دین اور احیاء اسلام کے لیے نہیں تھا بلکہ احیاء عصبیت جاہلی کیلئے تھا جسے نبی اسلامؐ نے دفنایا تھا۔

۲۔ ان کا ساتھ دینے والوں اور ان کی راہ میں قربانی دینے والوں کا رجحان اسلام سے انتقام اور احیاء نظام شکست خوردہ شہنشاہی تھا۔

۳۔ یہ خلفاء جو یکے بعد دیگر مسند خلافت پر فائز ہوئے تھے ان میں ۵ پہلے ادوار کے خلفاء کا سلوک یا ان کا کردار ورفتار انفرادی طور پر اسلامی تھا وہ خود کو اسلام کا حافظ وامین پیش کرتے تھے۔

۴۔ خلفاء بنی عباس ابتداء ہی سے مصلحت اسلام ومسلمین سے زیادہ

خلافت کو اپنے خاندان تک محصور رکھنے پر متوجہ رہتے تھے اور اس خاندان کے مخالفین کو کچلنے اور صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے پرعزم تھے۔

۵۔ اگرچہ انہوں نے خون حضرت امام حسینؑ اور زید بن علی کو بطور شعار استعمال کیا تھا لیکن اپنی نوعیت میں خون بہانے اور اپنے مخالفین سے انتقام لینے میں وہ گذشتہ ظالمین سے کئی گنا سبقت لے گئے۔

۶۔ ان کی سیرت و کردار مسلمانوں کیلئے بہت کم واضح و روشن ہوئی ہے لہٰذا ان کیلئے کام کرنے والے اور ان کو بچانے والے صرف مفاد پرستی اور کاروباری ذہنیت تک محدود تھے۔

۷۔ خلافت کا جو تصور مسلمانوں میں تھا اس وجہ سے وہ ان کا احترام کرتے تھے لیکن وہ سرسری و سطحی حد تک تھا اس احترام کی عملی صورت کم سے کم کرتے گئے چنانچہ مصر میں ممالک نے اپنے ہاں ایک خلیفہ برائے نام خاندان بنی عباس رکھا تھا جب وہاں اسے عزل کیا یا قتل کیا تو آخر میں خلیفہ سلطان سلیم کے حق میں دست بردار ہو گئے۔

خلافت بنی عباس کے بارے میں تاریخ نویسوں کو ہم تین مراحل میں تقسیم کرتے ہیں:

ا۔ وہ تاریخی اسناد ہیں جو عام مسلمانوں کی سماعت اور بصارت سے گزری ہیں وہ قابل محو و فراموش نہیں ہیں اور وہ یکے بعد دیگر سینہ بہ سینہ اور صفحات پر ثبت شدہ ہیں یہ مواد متواتر کی مانند ہیں اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔

ب۔ وہ مواد ہے جو بنی عباس نے خدمت تدوین حدیث اور تاریخ کے ذیل میں اپنے خاندان کے مفاد اور مخالفین کی مذمت میں قلم فروشوں سے زر دے کر رقم طراز کرایا ہے۔

ج۔ وہ مواد ہے جس کی سند نہیں ملتی ہے گویا تاریخ کو فتوؤں سے

چلانے والوں کے فتاویٰ ہیں۔

یہ کہنا انتہائی غلط اور بے بنیاد یا برے عزائم پر مبنی ہوگا کہ خاندان بنی عباس کو لوگوں نے اہل بیت کے نام پر احترام دیا لیکن بنی عباس نے انھیں دھوکا دیا ہے یہ منطق چندین لحاظ سے مردود اور غلط ہے:

ا۔خلافت کو اہل بیت کے نام پر دینا یا اہل بیت کے نام سے ایسی تحریک چلانا قرآن وسنت پیغمبرؐ کے سراسر خلاف ہے لہٰذا اگر کسی نے اس نیت سے ان کا ساتھ دیا ہے تو وہ یا تو جاہل از لغت وقرآن ہیں یا تاریخ اسلام سے نابلد ہیں یا منافقین اسلام ہیں اس عمل کی کوئی توصیف نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ ابا بکر کی وفات کے بعد سے آنے والوں کا لقب خلیفہ نہیں بلکہ انہیں امیر المومنین کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

۲۔اس تحریک کے تیس سال گزرنے کے بعد انہیں اقتدار ملا ہے، ابتدائی دور دعوت سے لے کر اختتام تک جن شخصیات نے تحریک چلائی اور جو سامنے آئے، وہ خاندان بنی عباس سے تھے نہ کہ خاندان علی سے، یہ لوگ نہ اندھے تھے نہ بہرے کہ انھیں ۳۰ سال تک پتہ نہیں چلا کہ یہ خلافت کس خاندان میں جارہی ہے۔ بیت علی کو محمد بن علی کے گرفتار اور زندان میں ڈالنے کے بعد واضح ہوگیا تھا کہ یہ تحریک بنی عباس کے لئے چل رہی ہے۔ تاریخ کو مسخ کرنے والے یہ لوگ ہیں جو ابھی بھی بنی عباس کے نمک خوار اور اسلام دشمن عناصر ہیں ان کی فکر کو ترجیح دینے والے ان کی حمایت کرنے والے ہیں۔

بنی عباس کی حصول اقتدار کے لئے حکمت عملی:۔

ا۔شعار الرضا با آل محمدؐ

۲۔انتخاب جگہ: انہوں نے خلافت کی تحریک کے لئے دو جگہوں کو منتخب کیا:

ا۔کوفہ میں چونکہ حضرت علی،سلمان اور عمار جیسے برجستہ اصحاب سکونت کرتے تھے اس لیے وہاں کے لوگ تشیع کی طرف زیادہ مائل تھے تشیع سے مراد یہ ہے کہ وہ اولاد علی کو چاہنے والے تھے چنانچہ انہوں نے کوفہ کو خلافت کا مرکز قرار دیا۔

ب۔ان کے حامی کوفہ و بصرہ میں رہتے تھے۔

ج۔خراسان کو مرکز بنایا اور وہاں کے رہنے والوں کو بتایا کہ کوفہ میں جو لوگ ہیں وہ سب شیعہ ہیں اور تمہیں پسند کرتے ہیں انہوں نے اہل فارس کی تعریف میں بہت سے فضائل وضع کیے اس طرح سے وہ انہیں اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہوگئے چونکہ اہل فارس اسلام کو نہیں سمجھتے تھے وہ تو صرف بادشاہت کے نظام کو سمجھتے تھے اس حوالہ سے بھی یہ بات ان کے فائدہ میں رہی کیونکہ بادشاہی نظام میں بادشاہت موروثی ہوتی ہے جو تعلیمات یہ لوگ کوفہ اور خراسان میں دیتے تھے وہ آپس میں مختلف تھیں لیکن دونوں کا مرکز یہی لوگ تھے۔

امیر المومنین انتخاب کرنے کے کیا طریقے رائج رہے۔

اس سلسلہ میں انتخاب کے مندرجہ ذیل طریقے رائج رہے ہیں:

ا۔امت جمع ہوکر اتفاق سے اکثریت کی رائے کے ساتھ کسی واجب الشرائط یعنی جو شرائط کو پورا کرتی ہو ایسی ہستی کا انتخاب کریں جیسا کہ نبی کریمؐ کے بعد امت نے حضرت ابا بکر کو انتخاب کیا۔

۲۔امیر المومنین از خود کسی ایسے فرد کو انتخاب کرے جو اس کے خاندان سے نہ ہو جیسا کہ حضرت ابا بکر نے حضرت عمر کو انتخاب کیا۔

۳۔انتخاب امیر المومنین کو کسی گروہ کے سپرد کیا جائے کہ وہ امیر المومنین کو انتخاب کریں۔

۴۔خلافت بزور طاقت و قدرت حاصل کرنا جیسا کہ معاویہ نے

حضرت حسن سے بطور طاقت خلافت چھینی۔

۵۔خلافت کو اپنے ہی خاندان اور گھر سے انتخاب کریں جیسا کہ معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو انتخاب کیا۔

۶۔خلیفہ اپنی حیات میں دو یا تین افراد کے لئے یکے بعد دیگر بیعت لے کر رکھے تا کہ ایک کے مرنے کے بعد دوسرا فوراً خلیفہ بنے۔بنی امیہ کا سلسلہ اسی طرح رہا،خلیفہ نے اپنے دور میں ایک سے زائد افراد کی خلافت کے لئے امت سے بیعت لے رکھی ہوتی تھی۔بنی عباس جو یہ کہتے تھے کہ خلافت کو بنی امیہ سے نجات دلانا ہے وہ بھی اسی نہج اور طور طریقہ پر چلے جس پر انتخاب خلافت کے لئے بنی امیہ چلے تھے چنانچہ بنی عباس میں عبد اللہ سفاح نے اپنے بعد دو آدمیوں کے لئے بیعت لی تھی۔اپنے بھائی ابا جعفر منصور کے لیے اور اپنے بھتیجے عیسیٰ بن محمد بن علی کے لیے۔

جب منصور کا بیٹا مہدی بڑا ہوا تو منصور نے خلافت کو اپنے چچا زاد بھائی کی نسل میں جانے سے روکنے کے لئے ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ مستعفی ہو جائیں اور اپنے بیٹے کے لئے ولی عہدی کی راہ ہموار کی اس نے بنی عباس کے خاندان میں شگاف،عداوت اور دشمنی کا بیج بو یا یہاں تک کہ اپنے عزیزوں کو جیل کے تہہ خانوں اور قتل کی نوبت تک پہنچایا۔

بنی عباس میں فکر خلافت:۔

نبی کریمؐ کی حیات میں آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہوگا یہ تصور اذہان کے اندر گردش میں تھا لیکن زبان پر جاری نہیں ہوتا تھا۔ایک دن عباس نے علی سے پوچھا آپ پیغمبرؐ سے اس بارے میں پوچھیں تو حضرت علی نے فرمایا:نہیں قطعاً ایسا سوال رسولؐ اللہ سے نہ کرنا رسولؐ اللہ کے ذہن میں نہ آئے کہ ہم اس کی طمع ولالچ رکھتے ہیں رسولؐ اللہ دنیا سے گزر گئے آپ کی اس بارے میں کوئی وصیت نہیں تھی اور عامۃ الناس نے حضرت ابا بکر کی

بیعت کی۔

حضرت عمر کے تقاضے کے حوالہ سے اس خاندان کے سربراہ حضرت عباس تھے، ہر حوالہ سے اگر خاندان کو مقدم رکھنا ہی تھا تو عباس سے بہتر و اولیٰ کوئی شخصیت نہیں تھی اگر لیاقت و شرافت اور اہلیت و فضیلت کے حوالہ سے دیکھیں تو علی سب سے اولیٰ و افضل تھے حضرت زہرا بھی حضرت علی کو افضل سمجھتی تھیں اور خود عباس بھی حضرت علی کو افضل سمجھتے تھے۔ دونوں نے ابا بکر اور عمر کی بیعت کی، دونوں خلفاء کے دور میں یکساں اور محترم تھے۔ خلافت عثمان کے آخری دور میں عباس نے وفات پائی۔

تاسیس و قیام حکومت عباسی:۔

کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز بن مروان کی خلافت کے دور میں علی بن عبداللہ بن بنی عباس کی حیات میں ۱۱۴ھ یا ۱۱۷ھ میں ایک تنظیم و گروہ وجود میں آیا اس کے اراکین اور مرکز دونوں کو صیغۂ راز میں رکھا گیا۔

۱۔ کوفہ میں علی بن عبداللہ کا ایک موالی تھا اس نے وہاں ایک مرکز بنایا۔

۲۔ خراسان میں ایک مرکز بنایا اس کی طرف محمد بن حنیس، ابو عکرمہ سراج کو نامزد کیا اور خراسان کے لئے ۱۲ نقیب بنائے۔

۱۔ سلیمان بن کثیر الخزاعی۔
۲۔ مالک بن الھیثم الخزاعی۔
۳۔ طلحۃ بن زریق الخزعی۔
۴۔ عمرو بن اعین الخزاعی۔
۵۔ عیسیٰ بن اعین الخزاعی۔
۶۔ ابو علی الھروی شبل بن طھمان الحنفی۔
۷۔ قحطبۃ بن شبیب الطائی۔
۸۔ لاھز بن قریظ التمیمی۔
۹۔ موسیٰ بن کعب التمیمی۔
۱۰۔ القاسم بن مجاشع التمیمی۔
۱۱۔ ابو داؤد خالد بن ابراہیم الشیبانی۔
۱۲۔ عمران بن اسماعیل المعیطی۔

اس کے علاوہ ۷۰ آدمیوں کو مختلف امور کی انجام دہی کی ذمہ داری سونپی گئی محمد بن علی نے ایک خط لکھا جس پر انھیں چلنے کا حکم دیا، اس طرح بنی عباس کی حکومت کی طرف دعوت دینے کا آغاز ہوا۔ یہ دعوت دو مرحلوں میں تقسیم ہوئی ایک دعوت صرف دعوت دینے اور طاقت وقدرت کا مظاہرہ نہ کرنے پر مشتمل ہے یہ دعوت اس وقت تک جاری رہی یہاں تک کہ ابو مسلم خراسانی اس میں شامل ہوئے۔

دوسرا دور طاقت استعمال کرنے کا دور ہے جہاں وسائل فراہم ہوئے ۱۰۰ھ سے ۱۲۷ھ تک خراسان میں یہ لوگ گشت کرتے رہے ظاہری طور پر وہ تجارت کا کام کرتے تھے اور باطن میں دعوت دیتے تھے پھر جا کر کوفہ یا مکہ میں حج کے لئے جانے کے نام سے معلومات اور ہدایات کا تبادلہ کرتے تھے۔

اس وقت محمد بن علی حمیمۃ میں ہوتے تھے ۱۰۲ھ میں ایک شخص نے خراسان کے والی سعید بن عبدالعزیز بن حارث بن حکم سے آکر کہا یہاں ایک گروہ ہے جو بے ہودہ باتیں کرتا ہے تو ان کی طرف آدمی بھیجا تو ان سے پوچھا تم لوگ کون ہو تو جواب دیا ہم کاروباری لوگ ہیں ہمیں اس بارے میں کچھ پتہ نہیں۔ یہاں آنے والے ربیعہ اور یمن سے تھے ۱۰۵ھ میں اس جمعیت میں بکیر بن ماھان بھی شامل ہوگئے وہ بنی عباس کی بڑی شخصیات میں سے تھے تاجر و سرمایہ دار تھے۔ اس وقت کوفہ میں قائم مسئول نے وفات پائی تو محمد بن علی نے بکیر بن ماھان کو والی بنایا۔ بدقسمتی سے پہلی شکست ان کو اس وقت ہوئی جب ان کی دعوت کے بارے میں شکایت اسد بن عبداللہ قصری امیر خراسان تک پہنچی جو سخت اور قسی القلب انسان تھا اسکے ہاتھوں ابو عکرمہ، ابو محمد صادق، محمد بن خنیس اور عمار عبادی لگے اس نے ان سب کے ہاتھوں اور پاؤں کو کاٹا اور انھیں سولی پر چڑھایا۔ عمار ان میں سے بچ کر

بھاگ نکلے کوفہ میں پہنچے تو بکیر کو یہ خبر شوم سنائی تو انہوں نے محمد بن علی کو خط لکھا۔

خلافت کیلئے کوششوں کا آغاز: [دولت عباسیہ ص۱۶]

کسی بھی تاریخی واقعہ کے بارے میں تجزیہ و تحلیل کرتے وقت اس وقت کے افراد کی ذہنیت، وقت و حالات کے تقاضے اور بیرونی عوامل نیز عوامل تاریخی کی نقولات سب کو ملا کر رائے قائم کر سکتے ہیں۔ ہوس اقتدار انسان کے اندر کب اور کیسے اور کن حالات میں جنم لیتی ہے، اس خاندان کے افراد دیگر خاندانوں کے افراد کے حوالہ سے برتر یا برابر اگر نہیں تو کمتر بھی نہیں تھے تاکہ اس منصب کے لئے احساس کمتری محسوس کریں۔ ہوس اقتدار اس وقت عام خواہشات میں شمار ہوتی تھی کل کے نوکر و ملازم بھی اپنے اندر ہوس اقتدار اور کرسی کے خواب ضرور دیکھتے تھے اس بارے میں دور راشدین دیکھیں ابوبکر نے طلحہ سے اپنے جانشین کے لئے نام مانگا تو طلحہ نے کہا آپ جس کو چاہیں بنا دیں عمر نے جب ان بزرگان سے پوچھا میرے جانشین کے لئے نام دیں تو کہا اپنے بیٹے کو بنا دیں پھر کہا جس کو چاہیں بنا دیں عمر نے چھ رکنی شوریٰ بنائی تو طلحہ نے سعد بن وقاص کو اور زبیر نے علی کا ساتھ دیا، جب عثمان کے رشتہ داروں کو عیش و نوش ملی تو طلحہ اور زبیر خود امیدوار بن گئے باہر دیکھتے ہیں اس میں کتنی لذت ہے۔ اہل تشیع نے اس منصب کے لئے بہت سخت شرائط عائد کی ہیں جب کہ اہل سنت کے ہاں چنداں ایسا نہیں ہے۔ اقتدار کے لئے مشکل الحصول شرائط عائد کرنے والے اہل تشیع میں آج کل ہر گلی میں عدد اخبار فروشوں کے قیادت فروش ملیں گے۔ مؤرخین لکھتے ہیں ۱۰۷ھ میں خاندان بنی عباس نے اس کا آغاز علی بن عبداللہ بن عباس کے دور سے کیا جبکہ بعض کے نزدیک ۱۱۴ھ میں عمر بن عبد العزیز بن مروان کے دور میں بنیاد ڈالی ہے پہلا مرحلہ دعوت محض یعنی خالی

دعوت کا تھا اس میں انہوں نے کسی قسم کی مزاحمت اور طاقت وقدرت استعمال نہ کرنے کا فیصلہ کیا یہ دور وہ دور تھا جس میں بنی امیہ بہت متحد اور طاقت وقدرت میں تھے ان کے اندر افتراق وانتشار نہیں تھا دوسرا ان کے لشکر کے درمیان کسی قسم کی ناچاکی نہیں تھی یہ دور تقریباً ۲۷ سال تک چلا دوسرا دور ۱۰۰ھ سے ۱۲۷ھ تک کا تھا جس میں داعیان بنی عباس خراسان میں گردش کرتے رہے ان کا ظاہری کام تجارت تھا اور باطن میں دعوت تھی وہ تجارت کے نام سے جاتے تھے جہاں انھیں موقع ملتا تھا وہاں کوفہ میں خبر دیتے تھے یا حمیمہ میں یا مکہ میں ان کے پاس خراسان، کوفہ، مکہ اور حمیمہ پر مشتمل چار جگہیں تھیں مکہ عارضی تھا جہاں صرف حج کے موقع پر یہ جمع ہوتے تھے جو بھی خراسان سے نکلتا وہ حاجی بن کے نکلتا تھا اس وقت محمد بن علی حمیمۃ میں رہتے تھے۔

۱۰۵ھ میں بکیر بن ماھان ایک شخصیت تھی وہ انتہائی مالدار تھا اس نے ان کی مالی معاونت کی چنانچہ اس دور میں میسرہ جو کوفہ میں مسؤل تھے نے وفات پائی تو محمد بن علی نے کوفہ میں انھیں نامزد کیا۔

[تاریخ اسلام تألیف ڈاکٹر حسن ابراہیم ج ۲ ص ۱۸ ص]

۱۲۵ھ میں محمد بن علی عباسی نے وفات پائی محمد نے اپنے بعد اپنے بیٹے ابراہیم کے لیے وصیت کی' ابراہیم کے دور میں تحریک عباسی نئے دور میں داخل ہوئی یہ دور تحریک خلافت عباسی کا دوسرا دور کہلاتا ہے یہ دور ۱۲۷ھ سے شروع ہوا اس دور میں شجاعت وجرأت میں معروف ایک شخص نے خراسان میں اس دعوت کا بوجھ اپنے کاندھوں پہ اٹھایا اور اس نے بنی امیہ کی سلطنت کا خاتمہ کیا درحقیقت دولت بنی عباس کے قیام کا سہرا اس شخص کے سر پر ہے اس کا نام ابو مسلم خراسانی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ ہم ان کی سیرت کا کچھ حصہ بیان کریں کہ ابو مسلم کون تھے؟ مؤرخین کا اختلاف ہے کہ ابو مسلم کا

نسب کیا ہے بعض نے کہا ہے اس کا نام ابراہیم بن عثمان کنیت ابا اسحاق ہے اس کی نسبت بزرجمھر سے ملاتے ہیں۔ یہ اصفہان میں پیدا ہوئے پھر کوفہ گئے اور سات سال کوفہ میں گزارے جب ابراہیم امام سے ملے تو امام نے کہا تمہارا نام بدلنے کی ضرورت ہے اس کا نام عبدالرحمٰن بن سلم رکھا کنیت ابا مسلم رکھی اور بنی طئی کی ایک عورت سے ان کی زواج کرائی یہ عورت اپنے باپ کے ساتھ خراسان میں رہتی تھی کہتے ہیں ابا مسلم کا ابراہیم امام سے ملنے کا سبب یہ ہوا کہ سلیمان بن کثیر جو کہ نقباء میں سے تھے جنہوں نے خراسان کو ۱۲۴ھ میں چھوڑا تھا وہ حج کے نام سے مکہ آئے تھے وہاں سے کوفہ گئے اور کوفہ میں عاصم بن یونس عجلی سے ملے یونس عباسیوں کے لئے دعوت دیتے تھے وہ اور عیسیٰ ادریس ابن معقل عجلی گرفتار ہوئے۔ یوسف بن عمرو والی کوفہ کے زندان کرنے والوں میں سے ایک خاندان قصری کے آدمی تھے اب مسلم ابن عجلی کے دو بیٹوں کی خدمت کرتے تھے جب سلیمان بن کثیر نے ابا مسلم کو دیکھا تو اس میں علامت ذہانت پائی لہٰذا انھیں عباسی دعوت کی طرف بلایا ہے۔

بنی عباس نے ۱۳۲ھ سے ۶۵۶ھ تک حکومت قائم کی بنی عباس کی خلافت کے بارے میں لکھتے ہیں یہ حکومت تاریخ میں سب سے بڑی حکومت ہے یہ حکومت دین اور سلطنت کی آمیزش تھی نیک اور صالح لوگ دین کی خاطر ان کی اطاعت کرتے تھے باقی طمع ولالچ اور خوف سے ان کی اطاعت کرتے تھے ایک اور جگہ یہ لکھا ہے کہ بنی عباس کی حکومت بہت سے محاسن رکھتی تھی اس میں علم کا بازار اور آداب اپنے عروج پر تھے، دین کے شعائر کا احترام ہوتا تھا خیرات حق داروں تک پہنچائی جاتی تھی۔ حرمات کی رعایت ہوتی تھی اور مورچے محفوظ تھے۔ عباسی حکومت کے سب سے پہلے خلیفہ عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی تھے اس

دعوت کا آغاز ان کے باپ محمد نے بنی امیہ کے آخری دور میں کیا انہوں نے ۱۲۵ھ میں وفات پائی انہوں نے اپنے بعد اپنے بیٹے ابراہیم کو وصی بنایا ابراہیم نے دعوت کو اپنے آخری مراحل تک پہنچایا۔

جب ابراہیم کو حران میں گرفتار کرنے کے بعد زندان میں قتل کر دیا گیا تو بنی عباس کچھ دیر تک روپوش ہو گئے لیکن پھر یہ لوگ باہر آئے اور عبداللہ ابی العباس کی خلافت کے لئے بیعت کی گرچہ خلافت ان کے بھائی ابو جعفر منصور کو ملنی چاہیے تھی جو کہ عباس سے بڑے تھے لیکن ان کی ماں ام ولد تھیں اور عباس کی ماں عربی تھیں ان کی مسند خلافت سنبھالنے کا دن ۳ ربیع الاول ۱۳۲ھ ہے۔

خراسان مرکز دعوت عباسیہ:۔[فی ضلال تشیع ص ۴۰۷]

محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے کوفہ وخراسان دونوں کو اپنی دعوت کا مرکز بنایا کوفہ چونکہ طویل عرصہ سے مرکز تشیع اہل بیت تھا اور اہل خراسان فکر تشیع کو آسان سمجھتے تھے کیونکہ یہ لوگ ایک عرصہ سے زمانہ ساسان میں بادشاہی خاندانوں کے تقدس کے قائل تھے اسی وجہ سے بنی امیہ کی طرف سے خراسان والے مظالم جھیل رہے تھے جبکہ حجاز، اہل بصرہ، اہل شام، اہل مصر اور رومی بنی امیہ کے ساتھ تھے۔ ان کے دل میں بنی امیہ کی محبت راسخ تھی لہٰذا ان کے پاس صرف خراسان ہی تھا۔ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے اہل کوفہ کی امیر المؤمنین، امام حسن اور امام حسین سے غداری اور بے وفائی دیکھی تھی۔ یہ نکتہ بھی اس کی نظر میں تھا محمد بن علی عباسی نے عالم اسلام کی توجہات کا پورا جائزہ لیا اس نے دیکھا کوفہ شیعہ علی ہے، بصرہ شیعہ عثمانی ہے، جزیرہ خوارج کی جگہ ہے، یہاں خوارج رہتے ہیں، شام معاویہ اور بنی امیہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں جانتا چنانچہ اس نے خراسان ہی کو مرکز بنانے کا فیصلہ کیا۔ یہاں شجاعت منداور جرأت مند افراد تھے اور یہاں کسی کی اثر

اندازی نہیں تھی عراق مرکز خلافت شام سے نزدیک تھا اس کے علاوہ یہاں مرکز احزاب تھا اور لشکر شام تھا دعوت عباسی مخفی طور پر ۱۰۰ھ سے شروع ہوئی۔ عمر بن عبد العزیز کے خلیفہ بننے کے بعد یہ ہاشمیوں کا آزادی کے ساتھ سانس لینے کا دور تھا کیونکہ عمر بن عبد العزیز ظلم کے خلاف تھے انھوں نے ہی سبّ علی کو بند کیا تھا لہٰذا یہ پر امن دور تھا لیکن انھوں نے ۲ سال ۵ مہینہ خلافت کرنے کے بعد وفات پائی کہتے ہیں وہ زہر سے قتل ہوئے ہیں۔

ان کے بعد یزید بن عبد الملک جانشین بنا اور اس کی وجہ سے حالات پہلے کی طرف برگشت ہوئے یہاں سے اضطرابات شروع ہوئے اس نے ۴ سال حکومت کی ان کے بعد ہشام بن عبد الملک جو سرسخت اور قدرتمند تھا اور مشکلات پر قابو پاتا تھا اور بنی امیہ کی طاقتور شخصیات میں سے تھا اس نے تمام طاقت و قدرت سے دعوت عباسی کو روکا ہوا تھا انھوں نے عراق میں خالد قسری کو والی بنایا یہ شخص بنی ہاشم اور شیعوں سے اچھے تعلقات رکھتا تھا یہ چیز یوسف بن عمر ثقفی کو پسند نہیں آئی اس نے ہشام بن عبد الملک کو خط لکھا کہ یہ شخص بنی ہاشم سے تعلقات رکھتا ہے جب خالد عراق کا والی بنا تو انھوں نے بنی ہاشم کو اموال سے نوازا یہ خط جب ہشام کو پہنچا تو انھوں نے فوراً خالد کو عراق کے والی کے عہدے سے ہٹایا اور ان کی جگہ پر یوسف بن عمر ثقفی کو معین کیا۔ انھوں نے سختی سے شیعوں اور بنی ہاشم کو دبایا اسے جس کے بارے میں شبہ ہوا کہ یہ بنی ہاشم اور اہل بیت سے محبت رکھتا ہے اس نے اسے پکڑ کر قید کیا۔

''محمد بن عبد اللہ'' مؤسس سلطنت بنی عباس نے مرتے وقت اپنے بیٹے ابراہیم بن محمد کو جانشین نامزد کیا اور یہاں سے یہ لوگ میدان دعوت میں داخل ہوئے، ابراہیم کے بنی اُمیہ کے ہاتھوں میں اسیر ہونے اور کچھ

دن روپوش رہنے کے بعدان کی جگہ ان کی وصیت کے مطابق ''ابی العباس بن محمد'' کوخلافت کیلئے انتخاب کیا گیا۔ بنی عباس نے ۱۳۲ھ میں ''ابوالعباس سفاح'' کی خلافت سے ابتداء کرتے ہوئے ۶۵۶ھ تک حکومت کی، اس طرح بنی عباس کی حکومت دنیا میں طویل اور وسیع حکومتوں میں شمار ہوتی ہے۔ کہتے ہیں بنی عباس کی حکومت کے دوران علوم وفنون کوفروغ ملا، علماء کومقام ملا، لیکن انہوں نے اسلام کوکبھی عنوان نہیں بنایا بلکہ انکا عنوان ''آل محمد کی حکومت'' یا ''رضا بہ آل محمد'' تھا۔

بنی عباس کے پہلے مرحلہ میں جوکہ ۱۰۰ھ سے ۱۲۷ھ تک چلا اس میں بنی عباس نے ظاہری طور پر آلِ محمدؐ پر راضی ہونے کی دعوت دی جس میں کسی خاص شخص کا نام نہیں لیا جس سے رائے عامہ میں اس فکر نے جنم لیا کہ خلیفہ آلِ علی میں سے منتخب ہوگا یہاں تک کہ ''محمد بن علی'' اور پھرانکے بیٹے ''ابراہیم بن محمد'' کا نام آنے لگا، بنی امیہ کو بنی عباس کی تحریکوں کا اس وقت پتہ چلا جب بنی امیہ کے آخری خلیفہ ''مروان بن محمد'' کے ہاتھ میں وہ خط آیا جو''ابراہیم بن محمد بن عبداللہ'' کی طرف سے ''ابومسلمِ خراسانی'' کولکھا تھا جس میں انہوں نے یہ لکھا تھا کہ خراسان میں ہرعربی بولنے والے کوقتل کریں، چنانچہ مروان بن محمد ''ابراہیم'' کے پیچھے پڑ گئے اورانہیں گرفتار کیا یہاں تک کہ انہوں نے ۱۲۳ھ میں زندان میں وفات پائی یاانہیں زہر سے قتل کیا گیا؟ مرنے سے قبل انہوں نے اپنے بھائی ''ابی العباس'' کیلئے ریاست کی وصیت کی اس وقت کوفہ میں بنی عباس کے لشکر کا قائد''ابوسلمہ خلال'' تھاانہیں اس وقت وزیرآل محمد کہا جاتا تھا۔غرض ۲۷ ذوی الحجہ ۱۳۲ھ میں بنی امیہ کی حکومت کا رو بہ اختتام اور بنی عباس کا کرسی اقتدار پر براجمان ہونے کا دن تھا۔ بنی عباس کی خلافت دین اسلام یعنی کتاب وسنت پرعمل کرنے، قیادت ورہبری کیلئے آل محمد پرراضی ہوجانے اورآل امیہ سے

خلافت چھیننے وغیرہ جیسے نعروں سے شروع ہوئی یہاں تک کہ ان کی عیاشی و نواشی کی بساط بر چیدہ ہوگئی۔اس وقت مملکت اسلامی ’’نہر سویز‘‘ سے ہوتے ہوئے دو ہزار چھ سو فرسخ پر محیط ’’بحر قزوین‘‘ سے ’’بلاد نوبہ‘‘ تک پھیلی ہوئی تھی جس میں حجاز، یمن، عمان، بحرین، احساء، مصر، عراق، کوفہ، بصرہ، شام کے تمام شہر، حمس، دمشق، اردن، فلسطین، مصر، یونان، افریقہ، تیونس سویز اقصیٰ، اسپین، بخارا، بلخ، کابل، سیستان. بلوچستان، پراست، طبرستان ، ایران، سندھ وغیرہ شامل تھے، بنی عباس نے تخت خلافت تک پہنچنے کے لئے جو مراحل و مراتب اور وسائل و ذرائع انتخاب کئے وہ اس طرح ہیں۔

۱۔ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب جو چار بیٹوں سفاح، منصور، ابراھیم اور موسیٰ کے والد تھے انہوں نے زمام خلافت اپنے خاندان کے ہاتھ میں لینے کے لئے تحریک کی بنیا درکھی، انہوں نے سب سے پہلے خون مطہر امام حسین اور خون زید بن علی کو بنیاد بنایا کہ ہم ان کے خون کا انتقام لیے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

۲۔ خلافت، آل محمدؐ کا حق ہے جس کے لئے آل محمدؐ میں سے کسی کا نام لینے سے اور کسی شخص کو خلیفہ کے عنوان سے پکارنے سے گریز کیا لیکن ابوسلمہ خلال کو ’’وزیر آل محمدؐ‘‘ کا لقب دیا اور ابو مسلم خراسانی کو ’’امین و امیر آل محمدؐ‘‘ کا لقب دیا گیا جبکہ یہ القابات علویوں میں سے کسی کو دے سکتے تھے جیسے ابراھیم یا محمد نفس ذکیہ کو یہاں سے معلوم ہوتا ہے اس تحریک کا رخ پہلے ہی واضح و آشکار تھا۔

۳۔ سیاہ کپڑوں کا سوگوار لباسِ جذبۂ انتقام بڑھانے کے طور پر انتخاب کیا گیا تا کہ لوگوں کو یہ دھوکہ دیا جا سکے کہ ہمارا خاندان وہ خاندان ہے جس نے مصائب و آلام دیکھے اور ہم رنج و مصیبت کے دور سے گزرے ہیں۔

ابی العباس خلیفہ سلطنت عباسی۔

بنی عباس کا پہلا خلیفہ ''ابوالعباس سفاح'' عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم ہے۔ابی العباس کو''منصور'' سے چھوٹا ہونے کے باوجود مقدم رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کی ماں عرب نژاد تھیں جبکہ منصور کی ماں اُم ولد تھیں۔ بنی امیہ کے خلفاء کنیز زادوں کو ولی عہدی پر نامزد نہیں کرتے تھے چنانچہ محمد مسلمۃ عبدالملک کنیز زادہ ہونے کی وجہ سے نامزد نہیں ہو سکے۔ ہشام بن عبدالملک نے زید بن علی کو یہی طنز کیا تھا کہ تم کنیز زادے ہو تو زید بن علی نے جواب میں کہا تھا کیا خاتم انبیاء حضرت محمدؐ حضرت اسماعیل کی نسل سے نہیں ہیں کیونکہ حضرت اسماعیل کنیز زادے تھے دور تحریک خلافت بنی عباس دور تشتت ،تفرق امت تکون احزاب و منظمات فاسدہ ومنحرفۃ و باطلہ کا دور تھا بنی عباس کو اقتدار پر لانے کیلئے انہی احزاب کی حمایت حاصل تھی۔

دور عباسین سے پہلے امت میں افتراق و انتشار تھا احزاب کیسے تھے اور بنی عباس نے جب حکومت سنبھالی تو ان کا کن کن احزاب نے ساتھ دیا اور انہیں کن احزاب کا مقابلہ کرنا پڑا؟ ان کے حریف کون تھے؟ یہ سمجھنا بھی ضروری ہے۔یقیناً امت اسلامی کے دور راشدین میں انتشار اور تقسیم کا بیج بویا گیا۔ یہ بات یقینی ہے کہ جب سے پیغمبر اکرمؐ نے امت اسلامی تشکیل دی تو اس وقت سے امت اسلامی کے مقابل میں ایک گروہ منافقین وجود میں آیا تھا جانشین نبی کریم قائد امت چوکنا ہونے کی وجہ سے وہ زیر زمین رہنے کے بعد نکل کر دوسری شکل میں اسلام کے نام سے مدینہ میں آئے مدینہ کے نظام کو درہم و برہم کیا اور سلم و آشتی کو مسترد کیا اور خلیفہ مسلمین کو اپنے گھر میں ذبح کیا۔ یہ منافقین خون عثمان کے انتقام کے نام سے اور کچھ امیر لمومنین جدید کی حمایت کے نام سے جمل وصفین کے میدانوں میں ظاہر ہوئے ایک خوارج

دوسرے اموی تیسرے شیعہ۔

دور بنی امیہ میں اقتدار امویوں کا تھا ان کے حریف ورقیب خوارج و شیعہ تھے شیعہ میں سبائیہ اور کیسانیہ بھی گھسے ہوئے تھے لیکن جب بنی عباس آئے تو بنی امیہ، حزب اموی کا خاتمہ ہوا اموی اور ان سے وابستہ افراد کا قتل عام ہوا اور وہ تتر بتر ہو گئے، کچھ افراد فرار ہو کے اندلس پہنچے۔

ا۔ ابوالعباس بن محمد سفاح:۔[زرکلی ج۴ ص ۱۱٦]

عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کنیت ابو العباس ان کی ماں ربطة بنت عبید اللہ بن عبداللہ مدائنی تھیں، ۱۰۵ھ کو حمیمہ میں پیدا ہوئے ۱۲۵ھ کو ان کے والد محمد بن علی نے ابراہیم کے بعد ولی عہد نامزد کیا تھا۔ محمد بن علی نے خلافت کو پہلے مرحلے میں ابراہیم کیلئے کہا تھا جب ابراہیم نے حراں جیل میں اپنی وفات کو قریب دیکھا تو انہوں نے یہ خلافت اپنے بھائی ابی العباس کیلئے وصیت کی نیز ان کو یہ بھی ہدایت کی تھی کہ وہ کوفہ منتقل ہو جائیں ۔ ابراہیم کے قتل کے بعد وہ ان کے جانشین ہوئے ۱۲۹ ھ میں وہ حمیمہ سے کوفہ منتقل ہوئے ان کے ساتھ ان کا خاندان بھی تھا جن میں سے ان کے چچا صالح اسماعیل عبداللہ عبدالصمد عیسیٰ اور بھائیوں میں عبداللہ بن محمد علی منصور تھے۔

کوفہ میں کچھ دیر روپوش رہنے کے بعد ۲۳ ربیع الاوّل ۱۳۲ھ کو اپنے وجود کا اعلان کیا لوگوں سے بیعت لی۔ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۲ھ جمعہ کے دن ابی العباس نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا ان سے پہلے بنی اُمیہ بیٹھ کر خطبے دیا کرتے تھے، لوگوں نے داد دے کر کہا مرحبا یا بن عم رسول اللہ، ان کی انگوٹھی کا نقش اللہ ثقة تھا۔ عبداللہ ابی العباس نے آل محمد کی فضیلت بیان کی بنی اُمیہ کی مذمت کی' اہل کوفہ کی تعریف کی' ان کے اخلاص اور محبت کو سراہا اور ساتھ ہی اہل خراسان کو بنی عباس کا ساتھ دینے پر ان کی تعریف کی، خطبے کے آخر میں

اس نے کہا میں سفاح ہوں اس کلمے کی وجہ سے اس کا لقب سفاح بن گیا بیعت لینے کے بعد وہ کوفہ چھوڑ کر انبار منتقل ہوئے۔ یہ شہر یہاں اہل فارس کے استعماری دور میں ان کے سابق بادشاہ بن ہرمز نے بنایا تھا یہاں سے بغداد دس فرسخ کے فاصلہ پر تھا۔ یہاں آکر نئی تعمیرات شروع کیں قصور بنائے انبار کی جگہ اس کا نام ہاشمیہ رکھا اس طرح ۱۳۴ھ کو دارالخلافہ شام سے ہاشمیہ میں منتقل ہو گیا۔

لشکر بنی امیہ یہاں سے قریب تھا وہ وقتاً فوقتاً ان پر حملہ کرتے تھے تو سفاح نے اپنی توجہات کو قصاص میں قساوت پر لگایا، جیسے مظالم انہوں نے بنی امیہ کے ساتھ روا رکھے تھے ایسی کوئی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ حتیٰ انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ کہ جنہوں نے حکومت عباسی کے قیام میں بہت کردار ادا کیا تھا اور ان کے بارے میں گمان بھی نہیں ہوتا تھا کہ وہ بنی عباس کے خلاف کوئی اقدام کریں گے یا کوئی حرکت ان سے صادر ہوگی، انھیں بھی قتل کرتے تھے۔ سفاح نے بنی امیہ کا پیچھا اس طرح سے کیا تھا کہ ان کے آثار کو مٹانے کیلئے اس نے ان کی قبور کو بھی نبش (مسمار) کیا، تاکہ تاریخ میں اس کا ذکر بھی نہ رہے۔ یہ بدترین اعمال ہیں جو انہوں نے انجام دیئے۔ تاریخ میں وہ بھی رہے اور بنی عباس کے دیندار خلفاء بھی حسرت سے عمر بن عبدالعزیز کو یاد کرتے تھے کہ کاش ان جیسا کوئی بنی عباس میں بھی ہوتا۔

بنی امیہ سے عبدالرحمٰن بن مروان اور ہشام بن عبدالملک دونوں فرار ہو کر مغرب چلے گئے اور اندلس میں انہوں نے وسیع بنیاد پر حکومت قائم کی وہاں انہوں نے بنی امیہ کی عظمت و بزرگی کی نمائش کی، اندلس گرچہ چھوٹا تھا لیکن رفعت اور احترام و بلندی میں خلافت بنی عباس جیسا تھا۔ خونریزی کا معاملہ بنی امیہ تک محدود نہیں تھا بلکہ اس نے اپنے چاہنے والوں کے ساتھ

بھی ایسا ہی سلوک کیا حتیٰ جن لوگوں سے احتمال خطرات یا ڈر لگتا ان کے ساتھ بھی بدترین سلوک کرتے۔ ڈرتے تھے کہ خلافت کہیں آل علی کی طرف منتقل نہ ہو جائے گرچہ ابوالعباس کے دور میں ان کی توجہ اور انتقام کا زیادہ تر رخ بنی امیہ کی طرف تھا کہ ان کی طرف سے کہیں بھی کوئی مشکوک فرد زندہ نہ ہو جو کہ ان کی خلافت کیلئے خطرہ بنے۔ بڑی شخصیات جو ان کی خلافت میں نفوذ رکھتی تھیں انہیں بھی قتل کیا۔

انتقام کا سلسلہ ختم ہونے اور خطرات ٹلنے کے بعد انبار منتقل ہوئے وہاں پر قصر تعمیر کروایا پھر ابی العباس نے بنی امیہ اور ان کی حمایت کرنے والوں کا خاتمہ کرنے کا فیصلہ کیا اور ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ ان کے قہر و عذاب سے صرف ''عبد الرحمٰن داخلی'' ہی بچے اور فرار ہونے میں کامیاب ہوا جس نے اُندلس میں بنی اُمیہ کی حکومت کی بنیاد ڈالی۔

سفاح جذبۂ انتقام میں قساوت کے لحاظ سے مثل مختار ثقفی تھا یہاں تک کہ سفاح ان کا لقب بن گیا۔ مؤرخین نے لکھا ہے اس نے بنی اُمیہ کے ۸۰ آدمیوں کو کھانے کی دعوت دی اور جب وہ آگئے تو کھانے کے لئے فرش پر بیٹھنے لگے تو نیچے گرایا پھر ان کے جنازوں کے اوپر فرش بچھا کر کھانا کھایا اور کہا کہ ایسی لذت پہلے کبھی نہیں آئی۔ تاریخ ابن اثیر جلد اول صفحہ ۳۴ میں لکھا ہے اس نے مدینہ میں موجود بنی اُمیہ کے افراد کو قتل کرنے کا حکم دیا تو عبداللہ بن حسن بن حسن نے کہا کہ ان کو قتل کر کے کس پر فخر کرو گے یہ جو قتل ہوئے ہیں کافی نہیں ہیں تو انہوں نے ان کو بھی قتل کیا۔

سفاح مغنی و مغنیات اور شعراء کو بہت مال بذل کرتے تھے چنانچہ شاعر ابونحیلہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنا تعارف کروایا اس نے پہلے مسلمہ بن عبدالملک کے بارے میں شعر پڑھا تو سفاح نے کہا اللہ تم کو قتل کرے تو اس نے شعر کے ذریعے توبہ کر کے ان کے حق میں شعر پڑھا جس

پر وہ خوش ہو گئے۔

مروان بن حمار کے قتل کے بعد جب خلافت بنی عباس محکم ہوئی تو ان کے لئے ایک رقیب کے طور پر بنی اُمیہ کے چاہنے والے عساکر کے قائدین تھے یہ لوگ یا تو بنی عباس کی حکومت سے ڈرتے تھے یا بنی اُمیہ کی حکومت کے خواہاں تھے ان میں سے اکثر کو انہوں نے ختم کیا ان پر ایسے مظالم ڈھائے جن کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

بنی عباس کا بنی اُمیہ سے انتقام:۔

سفاح نے اقتدار میں آنے کے بعد بنی امیہ اور ان کے حامیوں کا اس طریقے سے پیچھا کیا کہ گھر، غاروں اور پناہ گاہوں سے نکال کر ان کا صفایا کر دیا ان کی قبروں کو نبش کیا اور ان کے نشانات مٹا دیئے ان انسان سوز مظالم کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے بنی اُمیہ کے افراد یہاں سے فرار ہو گئے۔ یہ انتقامی سیاست ان کے دلوں میں کافی عرصے سے موج مار رہی تھی گو یا دشمنان اسلام یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ یہ اسی عداوت و دشمنی کی ایک کڑی ہے جو بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان دور جاہلیت میں موجود تھی۔ اسلام اس عداوت کے شعلے کو ان کے دلوں سے ہمیشہ کیلئے نہیں بجھا سکا بلکہ موقع ملنے پر دونوں نے شدت سے ایک دوسرے کی جان کا پیچھا کیا جس طرح، جب بنی امیہ کے اقتدار کی کرسی بغیر کسی حریف ورقیب کے رہی تو انہوں نے ہاشمیّین اور ان کے حامیوں کا پیچھا کیا اسی طرح بعد میں جب بنی عباس کو اقتدار ملا تو انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

یہ نتیجہ عندالتحلیل درست ثابت نہیں ہوا، کیوں دو قومیں آپس میں جنگ اور خون ریزی کرتی ہیں؟ اس کی تحلیل پہلے ہونی چاہیے۔ اس کی تحلیل کرنے والوں کی ایک ہی تحلیل ہے جو بھی شخص جس کے اندر حب اقتدار لبریز ہو وہ کسی اصول کو مانتے ہیں نہ دین و شریعت کو مانتے ہیں نہ حلم ورحم و اخلاق کو

مانتے ہیں وہ صرف کرسی ہی کو مانتے ہیں۔ مؤرخین لکھتے ہیں جس شخص یا گروہ نے اقتدار کو ہی اعلیٰ ارمان وارمغان بلکہ بت بنایا ہے وہ کسی قائد کو مانتے ہیں نہ دین ودیانت کو وہ سب کو اقتدار کے لئے عقیقہ کرتے ہیں چنانچہ اہل پاکستان نے اپنے ملک کے اقتدار طلبان سے دیکھا ہے بے نظیر نے باپ کے قاتل سے مفاہمت کر کے اقتدار لیا بلاول کو مکرر خواب میں پاکستان میں اقتدار غیر مسلموں کے ہاتھ آتا نظر آتا ہے شاید یہ سرگرمیاں ان کے استقبال کی تیاریاں نہ ہوں۔ نواز شریف کو ان کی بنسبت دیندار سمجھا جاتا تھا وہ ہندوؤں اور مسیحیوں اور صلیبیوں سے گھل ملنے پر مصر ہیں، باقی علاقائی لوگوں کا حال سب کو پتہ ہے۔ بنی عباس کا اعلیٰ وارفع شخصیات بنی ہاشم کے انتقام کا نعرہ بی بی کا بھٹو کے انتقام کے نعرے جیسا ہے کہ بنی عباس نے بنی امیہ سے اپنی چند ذوات کا انتقام لینے کا نعرہ بلند کیا تھا ان میں سے ایک امام حسین اور زید بن علی اور ابراہیم امام تھا جو ''حرّان'' میں بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کے ہاتھوں قتل ہوا، عبداللہ بن علی جو کہ سفاح کا چچا تھا اس نے بنی امیہ کے تین (۳۰۰) سو افراد کو قتل کیا۔ ابراہیم بن ولید بن عبدالملک یزید ناقص کے بھائی، اور یزید بن عبدالملک کے سروں کو سفاح کیلئے بھیجا گیا اور ان کے جسد کو سولی پر چڑھایا گیا، اسی طرح سلیمان بن یزید بن عبدالملک کو بھی قتل کیا ان کا سر عبداللہ بن علی کو بھیجا، مروان بن محمد جو آخری خلیفہ بنی امیہ کو قتل کرنے کے بعد ان کے سر کو ابی العباس سفاح کے پاس بھیجا تو اس نے سجدہ کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے میرے دشمنوں سے انتقام لیا، اب مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میرے لئے جس وقت بھی موت آئے، میں نے حضرت حسین اور ان کی اولادوں کے انتقام میں بنی امیہ کے ۲۰۰ سے زائد افراد کو قتل کیا ہے اور اپنے چچا زید کے انتقام میں ہشام کے اعضاء وجوارح کو جلا دیا، مروان کو اپنے بھائی کے انتقام میں قتل کیا۔ جب

یزید کا نبش قبر کیا تو وہاں بھی صرف راکھ باقی تھی ، سفاح کے مرنے کے بعد بھی انتقامی سلسلہ جاری رہا، انہوں نے صرف قتل پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ تمثیل بھی کی اور بنی امیہ کے خلفاء پر منابر سے لعنت بھیجی ، زندوں کو قتل کیا اموال غارت کیئے کہ لوگوں کے دلوں میں بنی عباس کیلیئے کراہت ونفرت پیدا ہونا شروع ہوئی۔

[تاریخ اسلام، حسن ابراہیم، ج ۲، ص ۸۵]

جس وقت بنی امیہ کی حکومت کا سورج غروب اور بنی عباس کی حکومت کا سورج طلوع ہوا تو بنی عباس نے بنی اُمیہ کے مقتدر افراد کو مقتولینِ بنی عباس وعلویین کے انتقام میں قتل کر دیا اور حکم دیا گیا کہ بنی اُمیہ کے افراد جہاں بھی نظر آئیں انہیں قتل کر دو "سلیمان بن علی بن عبداللہ بن عباس" نے بصرہ میں بنی امیہ کے لوگوں کو قتل کیا اور ان کے اعضاء وجوارح کو گزرگاہوں اور راستوں پر پھینک دیا یہاں تک کہ کتے انہیں نوچ نوچ کر کھا گئے۔ تاریخ ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۳۲، تاریخ وردی جلد ا صفحہ ۲۸۹ میں لکھا ہے کہ داؤد بن علی نے مدینے میں بنی امیہ کے جتنے بھی افراد ملے انہیں قتل کر دیا اور بعض کو شہر بدر کر دیا بنی اُمیہ کے مطلوبہ افراد میں سے جو قتل ہونے سے بچ گئے وہ اِدھر اُدھر روپوش ہو گئے سوائے "عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز" اس نے داؤد بن علی سے پناہ طلب کی اور داؤد سے کہا جن لوگوں کو تم ظالم سمجھتے ہو میں اور میرا باپ ان جیسے نہیں ہیں آپ جانتے ہیں کہ میرے باپ نے آپ کے ساتھ کتنا نیک برتاؤ کیا اس پر اس نے اسے پناہ دے دی اور سفاح سے یہ کہا کہ اس کے باپ نے ہمارے ساتھ نیکی کی ہے سفاح نے اسے معافی دے دی اور کہا کہ مجھے اس کا چہرہ نظر نہیں آنا چاہیے۔

حکومتِ بنی عباس نے اپنے والیوں اور گورنروں کو لکھا کہ بنی اُمیہ کے افراد جہاں ملیں انہیں قتل کر دو یہاں تک کہ عبداللہ بن علی نے حکم دیا کہ خلفاء

بنی امیہ کی قبور کونبش کرو چنانچہ ان کی قبریں کھود دی گئیں، ان کی قبروں میں ہڈیوں کے سوا کچھ نہ ملا، معاویہ کی قبر میں گلی سڑی ایک آدھ ہڈی ملی جیسے کوئی دھاگہ ہو اسی طرح عبدالملک کے جسم کی بھی صرف ایک ہڈی ملی لیکن ہشام بن عبدالملک کی نعش تازہ تھی اور اس کا جسم خاکی ابھی بوسیدہ نہیں ہوا تھا انہوں نے اس پر تازیانے برسائے پھر اسے سولی چڑھایا اور اس کے بعد اسکی نعش کو جلا کر خاکستر کیا اور اس راکھ کو نفرت اور انتقام کی صورت میں ہوا میں اڑا دیا۔ عمر بن معاویہ بن عمر بن سلیمان بن عتبہ وہ سلیمان بن علی کے پاس گیا اور کہا میں جہاں بھی جاتا ہوں وہاں پہچان لیا جاتا ہوں گویا میرے لئے زمین تنگ ہوگئی ہے لیکن سلمان بن علی اُسے نہیں پہچانتا تھا اس نے سلیمان سے کہا دنیا نے مجھے تمہارے در پر لا کھڑا کیا ہے اور تمہاری فضل کی طرف رہنمائی کی ہے اب اگر تو مجھے قتل کر دے تو میں راحت پا جاؤں گا اور اگر مجھے صحیح وسالم واپس لوٹا دیا تو مجھے امن نصیب ہو جائیگا، اس نے استفسار کیا کہ تم کون ہو اس نے اپنا تعارف کروایا تو کہا مرحبا! بتاؤ تمہاری کیا حاجت ہے کہا جن خواتین کو تمہاری حکومت سزا دینا چاہتی ہے، ان سے نیکی کرو تمہاری ان سے قرابتداری بھی ہے وہ سخت ترین سزاؤں کے خوف میں مبتلا ہیں اور ڈر رہی ہیں تو سلیمان بن علی نے سفاح سے یہ روداد بیان کی چنانچہ انہیں بنی امیہ کیلئے امان نامہ مل گیا بنی عباس کی طرف سے یہ پہلا امان نامہ تھا بنی امیہ کے بچے کچے افراد کو اس وقت تک امان نہ ملی جب تک اندلس میں ''عبدالرحمان داخلی'' کی حکومت قائم نہ ہوئی۔ [کتاب مقاتل الطالبین، تالیف محمد حسین صفحہ ۷]

۲۔ سفاح نے ابی جعفر منصور کے ذریعے ''ابی سلمہ خلال'' سے نجات حاصل کی۔

۳۔ سفاح نے اپنی خلافت کے دوران بنی امیہ کا ساتھ دینے

والوں کو چن چن کر مارنا شروع کیا اس نے پہلے ''ابو سلمہ خلال'' کو قتل کیا پھر ''ابن ہبیرہ'' جو مروان بن محمد کے لشکر کا قائد تھا اس کے بعد ''ابو مسلم خراسانی'' کو قتل کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ سفاح مر گیا۔

بطور جائزہ ابو مسلم کو خراسان کا والی بنایا گیا سفاح سخت انتقامی جذبہ کا حامل انسان تھا بنی امیہ کی نسل کے پیچھے پڑا بنی امیہ والے جہاں ملے قتل کروائے گئے ان کی مال و جائیداد کو اپنے لشکر کے لئے مباح قرار دیا جس طرح اپنے لشکر کیلئے یزید نے مدینہ کو مباح گردانا تھا، مباح کیا۔

تاریخ خلفاء سیوطی ص ۲۰۶ پر لکھتے ہیں خلافت جب بنی عباس کو پہنچی تو روئے زمین میں سب سے زیادہ قاری قرآن عابد وزاہد ان سے بہتر کوئی نہیں تھا۔ محمد بن علی کہتے ہیں ہمارے تین دور ہیں یزید بن معاویہ کی موت جو ہمارا ابتدائی سال ہے افریقہ میں شگاف پڑے تو ہمیں دعوت دی، مشرق سے ہمارے داعی نکلے ہیں سفاح نے ۱۳۶ھ میں منصور کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ سولی نے سفاح سے نقل کیا ہے جب کسی کی قدرت انتہاء کو پہنچ جاتی ہے تو خواہشات وشہوانیات کم ہو جاتی ہیں حقوق ضائع ہو جاتے ہیں، حلم میں مفسدہ اور عفو میں عجز و ناتوانی کا مظاہرہ ہوتا ہے اگر دین اجازت دے تو تحمل اچھا ہے، وہ کتنے حلیم اور عفو و درگزر کے مالک تھے ان کے نام سفاح سے معلوم ہوتا ہے۔ بہتر ہے جہاں دین اجازت دے حلم کریں اگر سلطان کی کمزوری نہ سمجھیں تو تحمل اچھا ہے۔ سولی کہتا ہے سفاح سب سے زیادہ سخی تھا وہ کوئی وعدہ نہیں کرتا تھا جس کی وفا میں تاخیر ہو۔ سفاح کی انگوٹھی پر یہ لکھا ہوا تھا ''**الله سقط عبد الله و به منه**'' ان سے کوئی شعر مروی نہیں ہے عبداللہ بن حسن نقل کرتے ہیں ایک دن ہم سفاح کی مجلس میں تھے مجلس بنی ہاشم سے بھری ہوئی تھی عبداللہ محض کے ہاتھ میں قرآن تھا اس نے سفاح سے کہا یا امیر المومنین جو حق اس قرآن میں اللہ نے ہمارے لئے بیان کیا ہے

وہ ہمیں دے دو تو سفاح نے کہا تمہارا جد علی ہم سے بہتر تھے اور ہم سے زیادہ عادل تھے وہ اس منصب پر فائز ہوئے، آپ کے دو جد حسن و حسین آپ سے بہتر تھے ہمارے اوپر واجب اتنا ہے جتنا انہوں نے دیا ہے اگر ہم نے ایسا ہی کیا تو ہم نے انصاف کیا اگر ہم نے اس سے زیادہ آپ کو دیا تو یہ درست نہیں ہوگا ان کو کوئی جواب نہیں ملا لوگوں نے سفاح کے جواب سے تعجب کیا۔ مؤرخین حکومت عباسی کے بارے میں لکھتے ہیں خاندان بنی امیہ اور ان کے چاہنے والوں کے قتل عام اور خون ریزی میں جلد بازی کرنے والا سفاح تھا اور اس کے عمال مشرق و مغرب میں اس کی پیروی کرتے تھے۔ سفاح پہلا شخص ہے جس نے منصب وزارت کو اختراع کر کے ابو سلمہ خلال کو وزیر آل محمد کا لقب دیا جبکہ بعض کہتے ہیں وہ بہت جود و سخاء کا مالک تھا وہ پہلا شخص ہے جس نے دو میلیون درہم کسی کو عطیہ میں دیئے ہیں، لیکن یہ نقل دیگر نقول سے متصادم و متعارض ہے قصص عرب ابراہیم شمس الدین میں آیا ہے یحییٰ بن برمکی بہت جود و سخاوت کا مظاہرہ کرتے تھے تو ہارون نے ان کو منع کیا کہ میانہ روی کریں بیس لاکھ کی حد ہارون کے بارے میں نہیں سنی ہے۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنی ہے، وہ فصاحت اور علم و ادب کے مالک تھے، اپنے خلاف تمام تحریکوں کو دبایا۔ اس وقت ان کی حکومت میں یہ شخصیات سب سے زیادہ طاقتور و قدرتمند تھیں۔

١۔ ابو مسلم خراسانی　　　　٢۔ ابو سلمہ خلال
٣۔ ابو جعفر منصور　　　　٤۔ عبداللہ بن علی

یہ ایک دوسرے سے مخلص نہیں تھے منصور، ابو مسلم کو شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ ان کا نفوذ خراسان میں زیادہ تھا اور ان کی باتیں لشکر میں مانی جاتی تھیں وہ سفاح کی بات زیادہ مانتے تھے عبداللہ بن علی، ابی العباس کے بعد خلافت کے امیدوار تھے ١٣٦ھ میں ابی العباس نے اپنے بھائی منصور

کیلئے بیعت لی عبداللہ بن علی کو ولی عہد بنایا اور ان کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد بنایا اور اس عہد نامہ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر پورے خاندان کی مہر ثبت کروا کر عیسیٰ بن موسیٰ کو دیا۔

ابوسلمہ خلال:۔

اصل نام حفص بن سلیمان ہے یہ حارث بن کعب کا حلیف تھا حارث بن کعب کوفہ کی معروف شخصیات میں سے تھے۔حفص بن سلیمان علم وفصاحت ،سخاوت وکرم میں معروف تھا۔ ابراہیم امام کے ساتھ ان کا رابطہ بکیر بن ہامان کی وجہ سے تھا جوکہ ابراہیم کا کاتب تھا اور ابوسلمہ کا داماد تھا بکیر نے مرتے وقت اپنی جگہ پر ابوسلمہ کومنتخب کرنے کی وصیت کی تاکہ وہ لوگوں کو بنی عباس کی دعوت دے۔ چنانچہ ابوسلمہ نے اس سلسلے میں بہت کوشش کی۔
صاحب کتاب فخری صفحہ ۱۳۶ میں حفص کوخلال کہنے کی تین تفسیریں بیان ہوئی ہیں:

۱۔ان کا گھر کوفہ کے محلّہ خلالین میں تھا۔
۲۔انکے پاس کچھ دکانیں تھیں جن میں وہ سرکہ بیچتے تھے۔
۳۔خلل سیف یعنی تلوار کا نیام ہے۔

''ابوسلمہ'' نے ابی العباس کی بیعت کی' تو ابی العباس نے اسے اپنا وزیر بنایا اور وزیر آلِ محمد کا لقب دیا،ابی العباس ابوسلمہ کی طرف مائل نہیں تھا لیکن وہ اسے وزارت دینے پر مجبور تھا کیوں کہ اہلِ خراسان کے نزدیک وہ محترم تھا اور خراسان ہی بنی عباس کا مرکز تھا۔شیعہ علویین کے نزدیک اُس کا بہت مقام تھا لہٰذا ابی العباس نے اہلِ خراسان کو خوش کرنے کیلئے ابوسلمہ کو ''وزیر آل محمد'' کہا ابوسلمہ کی ذمہ داری ایک کاتب کی تھی لیکن بنی عباس اس کو وزیر کہتے تھے ،مؤرخین کا کہنا ہے ابوسلمہ کی خواہش تھی خلافت عباسی خاندان سے علوی خاندان میں منتقل کرے اسی وجہ سے ابی العباس کے حکم

پر اسے قتل کیا گیا۔

ابوسلمہ ابراہیم کو امام کہتا تھا جب اُسے خبر ملی کہ خلیفہ اُموی مروان بن محمد انھیں قتل کرنا چاہتا ہے، یعقوبی کہتے ہیں جب ابوسلمہ کو ابراہیم امام کے قتل ہونے کی خبر ملی تو بنی عباس کی طرف دعوت دینے سے منحرف ہوا اور اس نے علویین کی طرف رجوع کیا صاحب کتاب تاریخ فخری لکھتے ہیں ابوسلمہ ایک بڑے اقدام کیلئے تیار رہا اور جب بنی عباس کی حکومت مستحکم ہوئی تو اس نے ان سے جدا ہو کر اولادِ علی کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔

دینوری کہتے ہیں ابوسلمہ شیعوں کی بڑی شخصیات میں سے تھا لیکن ابوسلمہ کے عباسیوں کو چھوڑ کر علویین کی طرف جانے کے بارے میں تجزیہ و تحلیل کی ضرورت ہے ابوسلمہ پہلے مرحلے میں اپنے داماد کی وجہ سے ابراہیم کے امام ہونے کا داعی تھا اور بنی عباس کے تمام اسرار سے واقف تھا لیکن جب بنی عباس نے ابومسلم خراسانی کو خراسان کا قائد بنایا تو ابومسلم کو بہت مقام ملا اس وجہ سے اُس نے عربوں کو دبانا شروع کیا چنانچہ ابومسلم نے عبداللہ سفاح کو ابوسلمہ کو قتل کرنے کا مشورہ دیا اور خط لکھا آپ کیلئے ان کا خون بہانا حلال ہے لیکن ابی العباس نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ میں اپنے شیعہ کو کیسے قتل کروں ممکن ہے کہ ''الرضا بہ آلِ محمد'' سے شیعہ منحرف ہو جاتے لیکن ابوسلمہ کو دھوکا نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کا داماد ابراہیم مخلص داعیوں میں سے تھا اور بنی عباس کے اسرار و رموز سے آگاہ تھا۔[کتاب جہاد الشیعہ صفحہ ۹۹]

بنی عباس کے پہلے خلیفہ ابی العباس نے اپنی اور اپنے خاندان کی طرف سے حکومت ملنے پر شکرانے میں اپنے معاون و مددگار باوفا وزیر ابو سلمہ خلال کا عقیقہ کیا یہ سلسلہ ہمیشہ یکے بعد دیگرے نے اپنی استطاعت کے مطابق جاری رکھا۔ابی العباس نے خلافت استقرار ہونے کے بعد کوفہ میں عیسیٰ بن موسیٰ کو حجاز میں داؤد بن علی بصرہ میں سفیان بن معاویہ کو موصل میں

عبداللہ بن علی کو فارس میں عیسیٰ بن علی کو خراسان میں ابو مسلم خراسانی مصر میں ابوعون بن یزید، ابا منصور کو عراق کا والی بنایا، اپنے چچا داؤد کو مکہ' مدینہ اور یمامہ کا والی بنایا اپنے برادر زادہ عیسیٰ بن موسیٰ کو کوفہ کا بنایا، شام میں عبداللہ کو رکھا۔ ذی الحجہ ۱۳۶ھ میں سفاح نے انبار میں وفات پائی اس وقت اس کی عمر ۶۳ سال تھی۔

۲۔ابو جعفر منصور دوانقی:۔

عبداللہ بن محمد بن علی، کنیت ابوجعفر، لقب منصور ان کی ماں سلامہ بربریہ ام ولد تھیں ۹۵ ہجری کو حمیمہ میں پیدا ہوا وہ اپنے بھائی ابی العباس سفاح سے دس سال بڑے تھے وہ بہت فصیح و بلیغ نطاق تھا، ریاست واقتدار کے لئے لائق و سزاوار تھا نہایت حریص و بخیل تھا اس لئے وہ دوانقی سے متعارف ہوا کیونکہ عمال سے دانے دانے کا حساب لیتا تھا۔ ابو مظفر ابروری کہتے ہیں دنیا پر دو بربریہ عورتوں کے بیٹوں نے حکومت کی ہے ایک منصور دوسرا عبدالرحمٰن بن معاویہ۔

تاریخ دولت اسلامیہ ص ۲۰۵ پر آیا ہے جب ابی العباس سفاح خلیفہ بنے تو منصور اس کے پشت پناہ اور قوت بازو تھے خلافت کو چلانے میں انتہائی تدبیر و مہارت کے ساتھ اس کی معاونت کی ۔ابو العباس نے جس سال وفات پائی اسی سال اسے ولی عہد بنایا جس وقت منصور حجاز میں تھا انبار میں ان کے بھائی عیسیٰ بن موسیٰ کے بیٹے نے ان کے لئے بیعت لی اور انھیں سفاح کی وفات کی خبر دی۔ ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۶ھ میں ان کے لئے بیعت لی۔

منصور نے ۱۳ ذ الحجہ ۱۳۶ ہجری کو خلافت سنبھالی۔ اس کی انگوٹی کا نقش ''اتق اللہ تزد فتعلم'' تھا۔

صفات منصور:۔[تاریخ دولۃ اسلامیہ ص۲۱۶]

سب سے بڑی علمی وقدرت مند شخصیت تھی طاقت، بیداری، جرأت و شہامت اور تمام صفات قیادت کا حامل انسان تھا اور اس کے ساتھ ایک منظّم شخصیت تھی۔ دن میں پہلے موقع پر ہدایات جاری کرتا تھا، کسی کو عزل کرتا اور کسی کو نصب، سرحدوں کی خبر لیتا اور رعیت کا پتہ چلاتا، خراج کی خبر لیتا، مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد وارد خطوط پڑھتا اور رات کا ایک حصہ گزرنے کے بعد سوتا تھا پھر آدھی رات کے بعد اٹھ کر وضو کر کے نماز پڑھتا تھا، گھر میں انتہائی حسن خلق کا رویہ اپناتا کسی بھی بچہ کو کھیلنے کی اجازت نہیں تھی، جب لباس پہن کر کرسی پر جاتا تو اس کا رنگ بدل جاتا آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں جب گھر واپس آتا تو پہلی حالت اس پر طاری ہوتی۔

فضل بن ربیع کہتے تھے منصور کو کسی بھی وقت کھیل کود میں نہیں دیکھا گیا۔ وہ بیہودہ کاموں سے دور رہتا حماد تر کی اس کا خادم کہتا ہے میں ہمیشہ اس کے پاس کھڑا رہتا تھا جب بھی گھر میں سے کوئی آواز نکلتی تو کہتا کیا ہوا ہے دیکھو کنیز اور غلام بیٹھ کر کھیلتے تو نہیں اگر کنیز اور غلام آپس میں ہنستے تو جب منصور آتا تو سب منتشر ہو جاتے۔

منصور نے عرفہ کے دن منبر پر جا کر خطبہ دیا ایھا الناس میں زمین میں بادشاہ ہوں میں سیاست کرتا ہوں اللہ کی توفیق وتائید سے اس کے بیت المال کا مالک ہوں اس کے حکم پر میں اس کو تقسیم کرتا ہوں اور بخشتا ہوں میں بیت المال کا تالا ہوں، جب وہ چاہتا ہے تمہارے لئے کھولتا ہوں اور جب چاہتا ہے میں بند کروں تو بند کرتا ہوں اللہ سے سوال کرو آج کے دن کے لئے تمہیں عنایت کرے اور مجھے توفیق دے دے۔

منصور کو خلافت ملنے سے پہلے عبداللہ طویل کہتے تھے حیرہ، عراق، اصفہان اور فارس تمام میں اس کی حکومت تھی۔ وہ گندمی رنگت، قد وقامت

میں طویل، پیشانی کھلی ہوئی تھی اور خضاب لگا تا تھا اس کی دونوں آنکھیں گویا بولنے والی تھیں اس کے اندر زہد و عبادت کی نشانیوں کے ساتھ آثار ملوکیت بھی تھے یہ مکر و فریب حیلہ و سیاست جبروت کا حامل تھا۔

منصور دوانقی مال کا دانوں میں حساب کرنے کی وجہ سے ''دوانقی'' کے نام سے مشہور ہوا تھا، اس کے دور میں اندلس میں عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ھشام بن عبدالملک کی حکومت تھی۔ اس کے مقابل میں روم میں مسیحیوں کی حکومت تھی۔ منصور کو زوال شدہ بنو امیہ سے کوئی ڈر نہیں تھا منصور پہلا خلیفہ ہے جس نے علم نجوم پر عمل کیا اور پہلا خلیفہ ہے جس کے لئے سریانی اور عجمی کتابیں ترجمہ ہوئیں، اس کے لئے ''کلیلۃ ودمنۃ'' ترجمہ ہوئے منصور دوانقی علم حدیث وانساب کا عالم تھا۔ منصور دوانقی نے اپنے باپ اور جدّ سے یہ حدیث نقل کی کہ تمام حسب ونسب قیامت کے دن ختم ہو جائیں گے سوائے میرے حسب ونسب کے محسوس ہوتا ہے ان کی اپنی ساخت ہوگی کیونکہ تابع وحی والے تضاد گوئی نہیں کرتے۔ اسی طرح ایک اور حدیث ابن عباس سے نقل کی ہے انہوں نے حضرت علی سے سنا جب ''قمر'' محاق میں ہو یا در ''عقرب'' میں ہو تو سفر نہ کرو۔ اسے اپنے ایک چچا عبداللہ بن علی سے ڈر تھا جو بنو عباس کے خاندان میں زیادہ عقل و شعور رکھتا تھا اور لشکروں کو خراسان شام، جزیرہ وغیرہ بھیجنا اسی کا کام تھا۔ منصور کہتا ہے ایک دن میں نے خود کو حرم میں دیکھا میں حرم میں بیٹھا ہوں پیغمبرؐ کعبہ میں تھے دروازہ کعبہ کھولا ایک منادی نے ندا کی عبداللہ کہاں ہے تو میرے بھائی ابوالعباس اٹھے وہ پہلے پلہ پر بیٹھے تو ان کو داخل بیت کیا پھر تھوڑی دیر کے بعد ایک جوان نکلا اس کے ہاتھ میں کالا جھنڈا تھا جو چار ذراع کا تھا ندا کی عبداللہ کہاں ہے تو میں سیڑھی پر چڑھا تو رسولؐ اللہ وہاں بیٹھے تھے اس طرح وہ اپنی خلافت کو رسولؐ اللہ سے استناد کرتے تھے۔

منصور جب دربار میں بیٹھتا تو اس کے پاس ایک واعظ ہوتا تھا اس کی پولیس لوگوں کو پکڑ کر لاتی اور ان کو اتنا مارا جاتا تھا کہ ان کے کپڑے خون سے سرخ ہو جاتے پھر واعظ سے کہتا کہ وعظ کرو اور خود سر نیچے کر کے روتا تھا اس کا رونا دو حال سے خالی نہیں تھا ایک تو وہ دین و قرآن سے مذاق کر رہا تھا یا پھر لوگ اتنے بے حس ہو گئے تھے کہ ان کو دن رات کا کوئی پتہ نہیں ہوتا تھا، دیگر علوم کی تدوین شروع کی۔ علوم عربی، لغت، تاریخ سب جمع ہو گئے۔

عقدہ فرید جلد ا صفحہ ۱۴۱ منصور کے بارے میں کہتے ہیں وہ ہیبت و شجاعت میں عزم و ارادہ جبر و تشدد میں جمع مال ترک لہو ولعب میں علماء کے شریک تھے اس نے ابو حنیفہ کو قضاوت قبول نہ کرنے پر مارا پھر ان کو زندان بھیجا کچھ دن زندان میں رہنے کے بعد انھوں نے وفات پائی بعض کہتے ہیں انہوں نے منصور کے خلاف خروج کرنے کا فتویٰ دیا تھا لہٰذا ان کو زہر دیا تھا۔

۱۴۳ھ کو منصور کے حکم پر علمائے اسلام نے تدوین حدیث فقہ شروع کی ہے اس سلسلہ میں ابن جریر نے مکہ میں مالک نے مدینہ میں اوضاعی نے شام میں ابن ابی اروبہ نے حماد بن ابی سلیمان نے بصرہ میں محمد نے یمن میں سفیان ثوری نے کوفہ میں ابن اسحاق نے غزوات میں ابو حنیفہ نے فقہ میں اس کے بعد عبداللہ ابن مبارک ابو یوسف ابن وہب ہیثم وغیرہ ہیں۔ ۱۴۵ھ کو محمد اور ابراہیم دو فرزندان عبداللہ بن حسن نے خروج کیا ان کے ساتھ اہل بیت سے تعلق رکھنے والے بھی تھے منصور نے ان سب کو قتل کیا۔ جو علماء محمد اور ابراہیم کے ساتھ تھے یا انھیں ان کا ساتھ دینے کا حکم دیا تھا منصور کی اذیت و آزار کا نشانہ بننے والوں میں ابو حنیفہ، عبدالحمید بن جعفر، ابن عجلان، مالک بن انس، محمد بن علی ہیں۔

منصور کے خلاف محمد کا ساتھ دینے کا فتویٰ دینے والوں میں مالک بن انس ہیں جب محمد نفس ذکیہ کے حامیوں نے اہل مدینہ سے محمد کا ساتھ دینے کا

کہا تو لوگوں نے کہا ہماری گردن پر منصور کی بیعت ہے تو مالک نے کہا تم نے مجبوراً اس کی بیعت کی جبری بیعت کرنے والوں پر کوئی کفارہ نہیں ہے ۱۴۷ کو منصور نے اپنے چچا موسیٰ بن عیسی کو ولی عہدی سے ہٹایا جن کو عباس سفاح نے منصور کے بعد ولی بنایا تھا یہی عیسیٰ تھا جو منصور کے حق میں اپنے بھائیوں سے لڑا تھا جس کو اس نے یہ جزا دی کہ ولی عہدی سے ہٹایا اور اپنے بیٹے مہدی کو ولی عہد بنایا۔ ۱۴۸ھ کو سارے ممالک منصور کے خاضع ہوئے لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت آئی اس کے دائرہ حکومت میں سب آئے سوائے اندلس کے۔ سنہ ۱۵۰ھ کو خراسان سے ایک لشکر نکلا منصور کی اطاعت سے خارج ہوئے وہاں کے امیر استاذ سیث تھے اور اکثر خراسان کے جگہوں پر قبضہ ہوا شر پھیلا جو منصور کیلئے گراں گزرا۔ تین لاکھ خراسانی جنگجو نکلے۔ کہتے ہیں اس میں ستر ہزار آدمی مرے استاذ سیث ایک پہاڑ میں پناہ دہندہ ہوئے پھر دوسرے سال وہ دوبارہ کوشش سے امیر ہوا اس کے ساتھ چودہ ہزار جنگجو تھے منصور نے ان سب کو قتل کیا۔

منصور نے اپنے بیٹے مہدی سے کہا یا ابا عبداللہ خلافت نہیں چلتی مگر تقویٰ سے، سلطنت نہیں چلتی بغیر اطاعت کے اور بغیر رعیت میں عدالت کے، اور اس کی جو سب سے جو زیادہ قدرت عقاب و عفو رکھتا ہو۔ سب سے کم عقل وہ ہیں جو اپنے سے نیچے والوں پر ظلم کرتے ہیں۔ کسی کام میں تھکنا نہیں اس میں سوچو، عقل انسان ایک آئینہ ہے اس میں قبیح و حسین دونوں نظر آتے ہیں۔ نعمت کا شکر کرو قدرت سے عفو کرو۔

منصور طالب انصاف:۔

ایک مرد عاقل نے منصور سے اپنی املاک کے غاصب والی کی شکایت کی اور کہا میں ایک حاجت لے کر آیا ہوں حاجت کو بلا تمہید پیش کروں یا تمہید کے ساتھ، منصور نے کہا تمہید کے ساتھ پیش کریں اس نے کہا چھوٹا بچہ

اگر کوئی آسیب دیکھے تو ماں سے پناہ مانگتا ہے کیونکہ وہ ماں سے زیادہ کسی طاقتور کو نہیں جانتا جب تھوڑا بڑا ہو جاتا ہے اس وقت اگر آسیب دیکھتا ہے تو باپ سے پناہ مانگتا ہے کیونکہ وہ باپ سے کسی بڑے کو نہیں جانتا ہے اگر اس سے بڑا ہو کر بڑا آسیب دیکھا تو والی سے شکایت کرتا ہے کیونکہ وہ اس سے زیادہ کسی کو طاقت ور نہیں دیکھتا ہے ان سے آسیب دیکھیں تو سلطان سے کرتے ہیں کیونکہ ان سے زیادہ سلطان طاقتور ہے اگر سلطان نے انصاف نہیں کیا تو اللہ سے کرتے ہیں میری املاک پر آپ کے والی نے قبضہ کیا ہے تو منصور نے فوراً حکم صادر کیا ان کی املاک واپس کریں۔

۱۴۰ھ میں اس نے بغداد کی تعمیر کی ،سنہ ۱۴۱ھ میں راوندی جو تناسخ کا قائل تھا اسے قتل کیا۔منصور نے ان علماء کو ضرب' جیل اور قتل کا نشانہ بنایا جنہوں نے نفس ذکیہ کی حمایت کی تھی ان میں ابوحنیفہ ،عبدالحمید بن جعفر، ابن عجلان اور مالک بن انس وغیرہ شامل ہیں۔ ۱۴۷ھ میں منصور نے اپنے چچا عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہدی سے ہٹایا جو اسکے بعد خلیفہ بننے والا تھا اور ان کی جگہ پر اپنے بیٹے مہدی کو ولی عہد بنایا۔ ۱۴۸ھ میں اس کی حکومت مستحکم ہوئی لوگوں کے دلوں میں ہیبت بیٹھنا شروع ہوئی۔اندلس کے علاوہ تمام اقطار اسلامی پر اس کی حکومت چھا گئی ۱۵۸ھ میں منصور نے سفیان بن عباد بن کثیر کو قید کیا اس کا حاجب ربیع بن یوسف تھا وہ خود کہتا تھا کہ خلیفہ چار تھے ابوبکر، عمر، عثمان ،علی اور بادشاہ چار ہیں معاویہ، عبدالملک، ہشام اور خود میں۔

رقباء کا خاتمہ منصور دوانقی کی مہنگی قربانیاں:۔

تاریخ خلفاء میں ہے کہ کرسی اقتدار کو پائیدار بنانے کی خاطر اپنے رقیبوں اور حریفوں حتیٰ عزیزوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں ثابت ہونے تک ان کے خلاف کوئی اقدامات نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ خود زندگی سے محروم

ہو جاتے ہیں سازش کار اپنے عزائم و منویات میں کامیاب ہو جاتا ہے ان کے مقابل میں بعض وہم و گمان پر اپنے حریف کو پہلے دن سے ہٹا دیتے ہیں عام طور پر ایسے لوگوں کی حکومت کامیاب رہتی ہے منصور دوانیقی ان سے پہلے معاویہ ابن ابی سفیان اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے غرض اس بارے میں تاریخ میں منصور سے زیادہ شقی النفس کوئی نہیں ملے گا اس کی قربانیوں کی فہرست میں یہ افراد شامل ہیں:

۱۔ چچا عبداللہ بن علی۔

۲۔ بانی حزب عباسی ابو مسلم خراسانی۔

۳۔ محمد نفس ذکیہ اور ان کا بھائی۔

۴۔ علویوں کی کثیر تعداد۔

۱۔ چچا عبداللہ بن علی۔

منصور کے چچا کو جب پتہ چلا کہ سفاح وفات پا گیا ہے تو اس نے اپنے ساتھیوں کو ساتھ لیا اور لشکر سے اپنے لئے بیعت لی جب یہ خبر منصور کو ملی تو اس نے ابو مسلم کی قیادت میں لشکر عبداللہ بن علی کے خلاف روانہ کیا اس نے اس کے ذریعے عبداللہ کو شکست دی، تو مسلم نے عبداللہ کو پناہ دی اور اس کے ساتھ نیکی کی اور وہ مسلم کا تابع ہو گیا پھر عبداللہ نے سلیمان سے بصرے میں پناہ لی جب اس بات کا منصور کو پتہ چلا تو اس نے سلیمان کے پاس اپنے آدمی کو بھیجا کہ وہ اپنے بھائی سمیت ان کے پاس آ جائے سلیمان عبداللہ کو لے کر منصور کے پاس آیا لیکن منصور نے اس عہد کی وفا نہ کی اور ان کو قید کر دیا وہ منصور کے زندان میں رہا یہاں تک کہ ۱۴۷ ہجری میں وفات پا گیا یعنی عبداللہ جو کہ منصور خلیفہ دوئم کا چچا تھا وہ اپنے بھیجتے کے ہاتھوں قتل ہوا۔

ابو جعفر منصور نے جب خلافت سنبھالی تو پہلے ہی دن سے اسکی خلافت کے خلاف اسکے چچا عبداللہ بن علی نے لوگوں کو جمع کرنا شروع کیا اور انہیں

اپنی طرف دعوت دی۔ جب منصور کو پتہ چلا کہ اسکا چچا اسکی اطاعت سے نکل گیا ہے اور اس سے بغاوت کرر ہا ہے تو اس نے ابو مسلم خراسانی کو انہیں کچلنے کے لئے بھیج دیا، ابو مسلم خراسانی نے کہا کہ ڈرنے کی بات نہیں ہے ہم ان کو کچل دیں گے خراسان والے میری نافرمانی نہیں کریں گے تو ابو جعفر منصور نے عرب کے نامور جنگجوؤں کو ان کے ساتھ ملایا ان میں حمید ابن عتبہ وغیرہ شامل تھے۔

۲۔ابو مسلم خراسانی:۔ [فرہنگ فرق اسلامی ص ۱۹]

اس کا نام عبدالرحمٰن بن مسلم ہے بعض نے عبدالرحمٰن بن یسار کہا ہے ابن خلکان نے کہا ہے یہ ۱۰۰ھ میں پیدا ہوا ۱۲۰ھ تک یہ مروہ میں تھے، ابو مسلم کا قد چھوٹا تھا لیکن وہ خوبصورت تھا البتہ اس کی ایک آنکھ میں نقص تھا بال لمبے تھے آواز بہت دبی ہوئی تھی عربی اور فارسی انتہائی فصاحت سے بولتا تھا۔ کسی نے کبھی اسے ہنستے ہوئے اور مذاق کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔

ابو مسلم خراسانی فرق حلولیہ کا بانی۔

اسحاقیہ، راوندیہ، سناذیہ، ابلقیہ، مبیضہ، بابکیہ، برکوکیہ اور رزامیہ فرقوں کی بنیاد رکھنے والا بھی ابو مسلم ہے۔ یہ پہلے فرقہ کیسانیہ مغیریہ غالی سے وابستہ تھا اور عقیدہ تناسخ کا معتقد تھا یہ فرقہ ابو مسلم خراسانی کو ابھی بھی زندہ سمجھتا ہے اور اس کی رجعت کا معتقد ہے ان کا کہنا ہے ابو مسلم شہر رے کے پہاڑوں میں چھپے ہوئے ہیں اور جلد ہی ظہور کرنے والے ہیں مسعودی نے لکھا ہے حریانیہ وہ فرقہ ہے جو پہلے محمد حنفیہ کی امامت کا قائل تھا اور بعد میں راوندیہ سے ملے پھر ابو مسلم خراسانی کے تابع ہو گئے۔

ابو مسلم خراسانی متوفی ۱۶۸ھ۔

فرقہ رزامیہ سے تعلق رکھنے والا ہے جن کا عقیدہ ہے کہ روح الہٰ نے پہلے آدم میں اور اس کے بعد انبیاء اور ائمہ میں پھر علی میں پھر حضرات حسنین میں پھر محمد حنفیہ کے بعد ان کے بیٹے ابی ہاشم اور اس کے بعد بیان بن سمعان میں حلول کیا ہے، لیکن رزامیہ کا کہنا ہے کہ امامت ابی ہاشم سے محمد بن علی عباسی میں منتقل ہوئی ہے پھر اس کے بعد ان کے بھائی عبداللہ بن علی سفاح میں پھر ان کے بعد ابو مسلم میں منتقل ہوئی ہے اور پھر ابو مسلم قتل ہو گیا، اس کے ماننے والے کہتے ہیں کہ ابو مسلم ملائکہ سے افضل ہے وہ مرا نہیں ہے۔
(تاریخ اسلامی ذھبی ج ۸ ص ۳۹۳)

ابو مسلم اصفہان میں پیدا ہوا کوفہ میں نشو ونما ہوئی، باپ نے عیسیٰ سراج کے سپرد کیا وہ اسے کوفہ لے گیا اس وقت اس کی عمر ۷ سال تھی جب اس نے خراسان جانے کا ارادہ کیا تو اس نے اس سے کہا اپنا نام بدل لو اس وقت اس کا نام ابراہیم بن عثمان تھا اس نے اپنا نام ابو مسلم عبدالرحمٰن بن مسلم رکھا اس وقت اس کی عمر ۱۹ سال تھی بعض کہتے ہیں ہم سب پڑھ رہے تھے جہاں بھی آئے ابو مسلم ہم سے آگے نکلے اس نے ایک دن مجھے اپنے گھر دعوت کی پھر مجھ سے شطرنج میں مذاق کیا وہ یہ دو بیت پڑھتے تھے:

ذرونی ذرونی ما قررت فأننی متی ما اهج حربا تضیق بکم ارضی
وابعث فی سود الحدید الیکم کتائب سودا طالما انتظرت نهضی

بنی عباس کی دعوت کو جنم دینے، نمو اور پرورش پانے کا سہرا ابو مسلم خراسانی کے سر پر ہے اس نے عباسی دعوت کو شکل وصورت بخشی ہے، بنی عباس نے بہت سے لوگوں کو قیادت کی پیشکش کی لیکن سب نے معذرت

خواہی کی ان میں سلیمان بن کثیر اور ابراہیم بن سلمہ شامل تھے انہوں نے انہیں مشورہ دیا کہ ابو مسلم خراسانی کو انتخاب کریں انہی کو انقلاب کا قائد بنائیں لیکن بہت سوں نے جیسے ابی جعفر منصور اور دیگر عباسیوں نے قبول نہیں کیا ابو مسلم خراسانی کی اصل فارسی ہے یہ ۱۰۸ھ میں اصفہان میں پیدا ہوئے جب ان کی عمر ۱۵ سال تھی ان کا رابطہ عباسیوں سے ہوا، ان کا عباسیوں سے رابطہ عربیوں کے خاتمے کے لیے قیام تھا اس میں شیعت سے کسی قسم کا میل و گرائش و جھکاؤ نہیں تھا اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے عبداللہ بن معاویہ کو قتل کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ صرف بنی عباس کے لیے مخلص تھا۔

جب بنی عباس کی دعوت عسکری قوت ابو مسلم خراسانی کے ذریعہ مستحکم ہوئی تو یہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ بنی امیہ کی طرف روانہ ہوا نہر زاب کے قریب بصرہ میں، مروان کے لشکر میں اختلاف ہوا تو ابو مسلم نے ان کو قتل کیا یہاں سے ۱۳۲ھ میں کوفہ میں سیاہ پرچم بنی عباس بلند ہوا یہ بنی امیہ کی خلافت کا اختتام اور قیام حکومت عباسی کا اعلان تھا۔

ابو مسلم خراسانی کی شخصیت:۔

ابو مسلم خراسانی جیسا کہ ڈاکٹر جواد مشکور اپنی کتاب فرہنگ فرق اسلامی کے صفحہ ۷۸ پر لکھتے ہیں ان کا نام عبدالرحمن بن مسلم تھا انتہائی دلیر، عقل مند اور بہت سی صلاحیتوں کا حامل انسان تھا، سنہ ۱۰۸ھ میں صوبہ اصفہان کے ایک قریبی گاؤں میں پیدا ہوا، ۱۵ سال کی عمر میں بنی عباس کی تحریک خلافت میں شامل ہوا چنانچہ کتاب جہاد الشیعہ میں صاحب کتاب ”تاریخ بغداد“ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں خلافت بنی عباس کے تین مراکز میں سے ایک اہم مرکز جس پر عباسیوں کو بہت بھروسہ تھا اُسکا انتظام ابو مسلم خراسانی کے ہاتھ میں تھا۔

کتاب ظلال تشیع صفحہ ۴۱۹ منصور کے بڑے بھائی ابراہیم بن محمد نے ابومسلم کو خراسان میں شیعیان آل عباس پر رئیس منتخب کیا اور ابومسلم خراسانی کے انتخاب کی اطلاع کوفہ میں ابوسلمہ خلال نے دی جو آل عباس کے وزیر اور داعی تھے۔

بنی عباس کو برسر اقتدار لانے میں بنیادی کردار ادا کرنے والی شخصیت ابومسلم خراسانی ہے چنانچہ ایک اجتماع میں بنی امیہ کے خلاف تحریک چلانے کے لئے ایک قائد کے انتخاب میں ابومسلم خراسانی کا نام آیا تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس انقلاب میں اس کا کتنا کردار تھا۔ بنی عباس کا سب سے پہلا نامزد خلیفہ ابراہیم بن محمد ابومسلم خراسانی سے کہتا ہے کہ تم ہمارے اہل بیت سے تعلق رکھتے ہو اس سلسلے میں قبیلہ ربعی اور عنبر کو مت دیکھو کیونکہ یہ لوگ ہمارے گھر کے دشمن ہیں۔ ان میں سے جو بھی مشکوک نظر آئے اسے قتل کرو اگر ہو سکے تو سرزمین خراسان میں جہاں بھی کوئی عربی ملے اسے قتل کر دو۔ ابو جعفر منصور دوانقی ابومسلم خراسانی کے بارے میں بدگمانی رکھتے تھے کیونکہ ابو مسلم خراسانی سفاح کے سامنے خاضع ہوتا تھا وہ اسکی ہر بات مانتا تھا اور اس کی تعظیم و تسلیم کرتا تھا۔

جب منصور دوانقی اپنے چاچا عبداللہ سے فارغ ہوا تو وہ ابومسلم کی طرف متوجہ ہوا، ابومسلم اپنے اندر عزت و بزرگی کا مظاہرہ کرتا تھا ایک تو اس نے بنی عباس تک خلافت پہنچائی اور دوسرا منصور دوانقی کے چچا کو شکست دے کر منصور کو اپنے بڑے رقیب سے نجات دلائی لیکن منصور خود ابومسلم کی بھی نگرانی کرتا اور اس سے پریشان رہتے تھے ان سے بھی اس نے غداری کرنے کا ارادہ کر لیا قبل اس کے کہ اہل خراسان اس کے گرویدہ ہو جائیں منصور اس کو بھی راستے سے ہٹانے اور جان چھڑانے کے لئے سوچتے تھے اس کو حیلہ بہانے سے بلانا چاہتے تھے چنانچہ دوستی و محبت و احترام کا مظاہرہ

کیا یہاں تک کہ اس کو اپنے پاس بلایا جب ابو مسلم اس کے پاس پہنچا تو لوگوں کو حکم دیا خاص کر بنو ہاشم کو کہ اسے مرحبا کہیں۔ جب ابو مسلم منصور کے پاس پہنچا تو اسے سلام کیا لیکن منصور کو اس میں کوئی ڈر و خطرہ نظر نہ آیا اس نے حکم دیا آرام کرو اور اپنی تھکاوٹ دور کرو اس کے بعد منصور نے اپنی فوج کے رئیس کو حکم دیا کہ چار آدمی آمادہ کرو جو تلواریں لے کر قصر میں مخفی بیٹھیں جونہی ابو مسلم نکلے اور خلیفہ تالی بجائے تو اسے فوراً قتل کر دیں لہٰذا جب ابو مسلم آیا تو اسے بڑا پیار و محبت و احترام دیا جب وہ نکلنے لگا تو منصور نے تالی بجائی کمین میں بیٹھے ہوئے آدمیوں نے مسلم کو قتل کر دیا پھر اس نے ابو مسلم کے لشکر کو اموال و جائزات بھیجے اور ابو مسلم کے چاہنے والوں کو خوش کر کے ان سے اقتدار چھین لیا جس ابو مسلم نے عباسی حکومت کی خاطر ہزاروں انسانوں کو مار ڈالا اللہ تعالیٰ نے خود انہی بنی عباس کے ہاتھوں اُسے قتل کروا دیا، اس کی مثال اللہ کی کتاب میں یوں آئی ہے کہ اللہ بعض ظالمین کو بعض پر مسلط کرتا ہے جو ان کے اپنے ہاتھوں کا کسب ہے۔

منصور اپنے اصلی دشمن بنی اُمیہ کو صفحۂ روزگار سے ناپید کرنے کے بعد اپنے لشکر کے ان قائدین شجاع و جرات مند کی طرف متوجہ ہوا، جن سے کسی بھی وقت انہیں خطرے کا اندیشہ تھا ان میں اپنے چچا اور ابو مسلم خراسانی کو قتل کرنے کے بعد ابو مسلم کی زیر قیادت فوجی قائدین جو کہ ملحدین اور منحرفین سے تعلق رکھتے تھے ان کے خلاف قیام کیا ان میں مندرجہ ذیل گروہ آتے ہیں۔

[تاریخ اسلامی تألیف ڈاکٹر علی محمد صلابی ص ۳۹۱]

ا۔ ۱۴۱ھ میں فرقہ راوندی جو تناسخ کے قائل تھے انھوں نے منصور دوانقی کی الوہیت کا اعلان کیا اور ان کے محل کے گرد طواف کیا اور کہا یہ ہمارے رب کا محل ہے منصور نے ان کے رؤسا کو گرفتار کیا اور قید کیا تو

دوسرے گروہ نے آ کر زندان توڑ کر انہیں آزاد کرایا اور دوبارہ محل کی طرف آئے۔

۲۔فرقہ مقنعیہ جس کا بانی کا نام عطاء ہے، یہ بھی تناسخ کا قائل تھا اس کا کہنا تھا اللہ آدم کی صورت میں نمودار ہوا ہے اس لئے ملائکہ نے ان کو سجدہ کیا ہے پھر نوح اور اس کے بعد یکے بعد دیگر انبیاء میں حلول کیا اور ابھی ابو مسلم خراسانی کی شکل میں نمودار ہوا ہے یہ شخص بہت بدشکل اور بدصورت ہونے کے ساتھ اندھا بھی تھا۔ یہ اپنے چہرے پر سونے کا ایک پردہ ڈال کر رکھتا تھا۔ اسے لشکر منصور نے ۱۶۳ھ میں محاصرہ میں لیا۔

۳۔حرکت سبناذ مجوسی تھی ، یہ ابو مسلم کے خون کا انتقام لینے کیلئے خراسان سے ۱۵۰ھ میں نکلا۔

۱۔جزیرہ العرب سے باہر: اندلس میں قائم حکومت بنی امیہ عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک سے خطرہ تھا۔ کتاب دولۃ العباسیہ تالیف شیخ محمد خضری صفحہ ۵۱ پر لکھتے ہیں منصور کو اپنی خلافت کے لئے پہلے مرحلے میں عبداللہ بن علی سے خطرہ لاحق تھا کیونکہ وہ خاندان بنی عباس میں قابل و لائق مدبر و مفکر انسان تھے پورے لشکر کے قائد تھے۔ اس کو ان سے خطرہ تھا۔

۲۔ابو مسلم خراسانی:۔ جس نے حکومت بنی عباس کی بنیاد ڈالی تھی وہ بڑا شجاع اور قدرت مند انسان تھا قائد شجاع و جری کے ہی مطاع تھے۔ منصور ان سے ڈرتا تھا کہ کہیں یہ طاقت و قدرت کے نشے میں آ کر خود فارس خراسان میں استقلال کا اعلان کر کے حکومت قائم نہ کرے یا وہ کسی ایسے شخص کو انتخاب نہ کرے جو اس کا کہنا مانے اور اس کا تابع رہے۔ منصور کا یہ احتمال اپنی جگہ ظن راجح تھا ابو مسلم کو اگر چھوڑتے تو بہت کچھ ہو سکتا تھا۔

۳۔اپنا خاندان: منصور دوانقی اپنے اقتدار کے حریصوں اور رقیبوں پر

کڑی نظر رکھتے تھے کہ کون کون ان کے مزاحم ہو سکتے ہیں ان میں سے ایک بنی ہاشم تھے بنی ہاشم کے حلیہ دار جوانوں اور بوڑھوں کی مانگ بڑھ گئی تھی جس طرح آج ہمارے ملک پر سرمایہ دار خاص کر خوجہ اور خواجگان تلاش میں رہتے ہیں کہ عیاشی کا رجحان رکھنے والے مولوی کہاں ہیں ہم ان کو دین کی تلقین کریں کہ کیا کہنا ہے اور کیا نہیں کہنا۔ وہ یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ ان کو دکھا کر کتنا کما سکتے ہیں خاص کر خاموش و مطیع رہنے والوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

۱۔ اہلبیت والوں کی مانگ بڑھنے کی وجہ سے منصوص میں بہت ترمیم کرنا پڑی۔

۲۔ منصوص من اللہ میں ترمیم کر کے منصوص الرسول کہا۔

۳۔ اس میں ترمیم کر کے امام کا نائب کہا۔

۴۔ منصوص میں ایک ترمیم کر کے نص خاص کی جگہ عام کہا۔

۵۔ پھر اس میں ترمیم کر کے رسولؐ اللہ کی جگہ علوی کہا۔ وہ اولاد علی سے خائف تھا کیونکہ اس وقت شیعہ اور ان کا عقیدہ امامت اس طرح کا تھا۔

۱۔ امامت نسل فاطمیہ سے ہو وہ منصوص ہونی چاہیے یعنی اپنے سے پہلے امام کی طرف سے منصوص ہونا چاہیے۔ اس حوالے سے ایک گروہ امام جعفر صادق کی امامت کا قائل تھا۔ لیکن امام صادق کسی قسم کے دعویٰ یا مزاحمت کے حق میں نہیں تھے۔ وہ ایک خاموش و ساکت زندگی گزار رہے تھے وہ کسی کا ساتھ نہیں دے رہے تھے اور نہ کسی کی مزاحمت کر رہے تھے، منصور کو امام سے کسی قسم کا خوف لاحق نہیں تھا۔

۲۔ امامت نسل فاطمیہ سے ہونا چاہیے علم و شجاعت کا حامل ہونا چاہیے لائق و قابل ہونا چاہئے لیکن کسی خاص شخصیت سے مخصوص نہیں ہے۔ ملت خود نسل فاطمیہ سے تعلق رکھنے والے کسی بھی حامل شرائط کو انتخاب کر سکتی

ہے۔اس گروہ کے قائد زید ابن علی تھے۔زید ابن علی کے بعد اس فکر میں اولا د امام حسن پیش پیش تھے۔اولاد امام حسن میں عبداللہ محض کے دو فرزند محمد اور ابراھیم نے دعویٰ امامت کیا ہے۔

۳۔تیسرا گروہ ایسا تھا جو کہتا تھا کہ امام بنی ہاشم سے ہو لیکن نسل فاطمیہ سے ہونا ضروری نہیں ہے اولاد محمد بن حنفیہ اور اولاد بنی عباس تھے۔بنی عباس نے تحریک الرضا با آل محمد کے نام سے چلائی جب ان کی تحریک زور پکڑ گئی تو سب نے ان کا ساتھ دیا جب ان کو اقتدار ملا تو بنی فاطمیہ کو خلافت کا لالچ پیدا ہوا لیکن وہ بنی عباس کے خلاف مزاحمتی قیام کرنے سے سر دست ڈرتے تھے۔

لہٰذا وہ دونوں بھائی محمد و ابراھیم فرزندان عبداللہ محض روپوش ہو گئے اجتماعات میں شرکت نہیں کرتے تھے چنانچہ ایام حج میں وہ شرکت نہیں کرتے تھے۔یہاں سے منصور کو شک ہونے لگا کہ وہ کسی تیاری میں ہیں یعنی مزاحمت ومخالفت کیلئے چنانچہ منصور دوانقی حج کے بعد مدینہ میں آیا اور تمام بنی ہاشم ان سے ملنے کے لئے آئے سوائے محمد اور ابراھیم کے تو اس نے ان دونوں کے بارے میں پوچھا تو اس وقت مدینہ کے امیر زیاد بن عبداللہ حارثی نے منصور سے کہا آپ ان دونوں سے کیوں پریشان ہیں ہم ان دونوں کو آپ کی خدمت میں پیش کریں گے تو منصور نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے یہ ذمہ داری اسے سونپ دی۔پھر منصور نے بنی ہاشم سے ہر ایک کو بلایا اور ہر ایک سے خلوت میں بات کی اور محمد و ابراھیم کے بارے میں پوچھا تو بعض نے کہا آپ جانتے ہیں کہ وہ اس منصب کے خواشمند تھے اب وہ آپ کے سامنے آنے سے ڈرتے ہیں لیکن آپ کے خلاف نہیں ہیں نافرمانی نہیں کریں گے لیکن حسن ابن زید بن حسن ابن علی نے کہا مجھے خطرہ رہتا ہے وہ ایک دن آپ پر حملہ ضرور کریں گے تو منصور زیادہ چوکنا ہوا اور سوچا اس کے

لئے کیا کرنا چاہئے ۔ پہلی فرصت میں اس نے ان کے بارے میں عبداللہ محض سے پوچھا کہ محمد کی نیت کیا ہے تو باپ نے کہا مجھے ان کی نیت کا کچھ بھی نہیں پتا۔ تو منصور نے اس کو زندان میں ڈالا اور اس کی جائیداد پر قبضہ کرلیا پھر منصور کو شک ہوا کہ والی مدینہ اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے تو اس کو ہٹا کر اس کی جگہ محمد ابن خالد بن عبداللہ قسری کو والی بنایا اور اس کو کھلی اجازت دی کہ محمد کی تلاش میں جتنا پیسہ خرچ کرنا چاہیں کریں اس نے مدینہ اور بیرون مدینہ میں بہت جاسوس پھیلائے لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچا پھر منصور نے اس کو عزل کیا تو کسی نے مشورہ دیا کہ آل زبیر سے کسی کو مقرر کریں جو کہ آل علی سے دشمنی رکھتے تھے لیکن یہ تجویز پسند نہیں آئی تو منصور نے کہا یہ درست نہیں کہ میں اپنے دشمن اور دشمن کے دشمن کو ان پر سوار کروں تو انھوں نے کہا کہ میں ایک فقیر و نادار حقیر عرب کو مدینہ کا والی بناؤں گا وہ تھے رباح بن عثمان بن حیاۃ المرئی وہ رمضان ۱۴۴ھ میں مدینہ پہنچے وہ جب مدینہ پہنچے تو ابتدائی اقدام میں اس نے محمد بن خالد قسری کو ذلیل کیا اس کو اذیت دی، مارا اور اس کو زندان میں ڈالا پھر منصور نے تمام خاندان بنی حسن کو جو کہ تیرہ افراد پر مشتمل تھے گرفتار کر کے زندان میں ڈالا ۔ جب محمد کو پتہ چلا تو اس نے اپنی ماں سے کہا میری وجہ سے میرا خاندان جیل گیا ہے میں خود کو منصور کے حوالے کروں گا تو ان کی ماں راضی نہیں ہوئی ۔

اولاد علی کا قتل عام :۔

کتاب نزع و تناصم صفحہ ۷۶ پر آیا ہے کہ منصور نے اپنے بیٹے مہدی کی بیوی کو ایک کمرہ دکھایا اور اس سے قسم لی کہ اسے وہ تب کھولے گی جب وہ مر جائے گا پھر اس نے یہ کمرہ اپنے شوہر کو دکھایا، مہدی نے باپ کے مرنے کے بعد کمرہ کھولا تو اس میں اولاد علویین کی نعشیں تھیں ان کے سروں پر چٹھی لگی ہوئی تھی جس پر ان کا نسب لکھا ہوا تھا ان میں چھوٹے بچے بھی شامل تھے

منصور نے اولاد علی و فاطمہ سے ایک ہزار افراد کو قتل کیا جبکہ قتل ہونے والے شیعوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ان کو قتل کرنے کے بعد دفنائے بغیر چھپا کر رکھا اور مہدی کے حوالے کرنے کی کوئی توجیہ سوائے اس کے نہیں ہوسکتی ہے کہ مہدی کو یہ بتانا مقصود ہو کہ اب تمہارے اصلی دشمن اولاد علی ہیں' اگر سلطنت چاہتے ہو تو انہی کو ختم کرو، مہدی نے باپ کی وصیت کو دقّت سے سمجھا اور جتنا ممکن تھا اس پر عمل کیا۔

منصور بنی عباس میں سب سے زیادہ تندمزاج، غصہ والا، بارعب انسان تھا منصور بنی عباس کیلئے بنی امیہ کے عبدالملک بن مروان جیسا تھا، منصور بہت خونخوار اور غدار تھا لوگوں کو پہلے امان دیتا پھر قتل کر دیتا اسی نے ''ابن ہبیرہ'' اور اپنے چچا ابو عبداللہ کو امان دی پھر قتل کیا، ابو مسلم خراسانی کو مطمئن کیا پھر قتل کر دیا وہ کسی قسم کے عہد و پیمان کا قائل نہیں تھا یعنی عہد کرتا اور پھر توڑ دیتا تھا وہ زیادہ کھانا کھاتا تھا اور اطباء کی نصیحت پر توجہ نہیں دیتا تھا اور آخر کار اس کا زیادہ کھانا اس کی موت کا سبب بنا۔

منصور کی جنایتیں:۔ [قصص العرب تالیف جاد مولیٰ ج ۳ شمارہ ۲۵]

جب منصور حج کے لئے نکلا تو اس نے عیسیٰ بن موسیٰ سے کہا تم جانتے ہو خلافت تمہاری ہے اور تم تک آنے والی ہے میں چاہتا ہوں میرے اور آپ کے چچا عبداللہ بن علی کو قتل کرو اس میں بزدلی نہ دکھاؤ۔منصور حج کو گیا راستہ سے اس نے دوبارہ اس کو خط لکھا اس کو اٹھایا، اکسایا تو عیسیٰ بن موسیٰ نے ان کو خط لکھا میں نے آپ کے امر کو نافذ کیا ہے ابو جعفر منصور نے یقین کیا کہ اس نے اس کو قتل کیا ہے لیکن عیسیٰ بن موسیٰ نے اپنے کاتب کو بلایا اس سے کہا منصور نے چچا میرے حوالہ کیا ہے اور مجھے اسے قتل کرنے کا حکم دیا ہے میں کیا کروں تو یونس نے کہا وہ چاہتے ہیں آپ ان کو قتل کریں حکم نامہ صیغہ راز میں رکھا ہے بعد میں وہ اعلانیہ حکم کریں گے۔اسے میرے پاس

بھیجو ورنہ پھر آپکو قتل کریں گے میری رائے ہے انھیں گھر میں چھپا کر رکھو کسی کو پتہ نہ ہو اگر منصور آپ سے اعلانیہ طلب کرے تو سب کے سامنے رکھیں۔

منصور حج سے واپس آیا اس نے اپنے چچاوں کو بلایا انھیں اکسایا اور ان سے کہا تمہارا بھائی عبداللہ کہاں ہیں تو چچاوں نے جا کر عیسی سے کہا ہمارا بھائی ہمیں دیں تو اس نے کہا ٹھیک ہے عیسیٰ بن موسی کو لاو عیسیٰ سے کہا یا عیسیٰ میں نے اپنا چچا تمہارے حوالہ کیا تھا اور تمہارے گھر میں عزت واحترام کے ساتھ رکھنے کا کہا تھا اسے حاضر کرو۔ اس نے کہا امیر المومنین آپ نے مجھے اسے قتل کا حکم نہیں دیا تھا تو منصور نے کہا نہیں میں نے تمہیں قید کرنے کا حکم دیا تھا۔ منصور نے اپنے چچا سے کہا اس نے اقرار کیا ہے کہ اس نے تمہارے بھائی کو قتل کیا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے یہ بات اس نے گھڑی ہے۔ چچا نے کہا چھوڑو ہم اس کو قتل کریں گے تو منصور نے کہا تمہاری مرضی ہے پھر وہ عیسیٰ کو اٹھا کر گھر سے باہر لائے لوگ جمع ہوئے۔ ایک نے تلوار نکالی اور عیسیٰ کو مارنے کیلئے گیا تو عیسیٰ نے کہا جلدی مت کرو تمہارا چچا زندہ ہے مجھے امیر المومنین کے پاس لے جاو وہ اسے منصور کے پاس لے گئے اس نے کہا یا امیر المومنین آپ نے چاہا تھا ان کے بدلہ مجھے قتل کریں یہ آپ کا چچا ہے زندہ ہے آپ اگر حکم کرتے ہیں ان کو دے دیں تو ہم دے دیں گے۔ اس نے کہا نہیں میرے پاس لاؤ۔ اس نے اسے اپنے گھر میں رکھا اور ایک دن اسکے اوپر چھت گرا کر اسے مار دیا اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے کے پاس گیا اور کہا تم جانتے ہو تین اسم ہیں ان کا اول نام عین ہے اس نے کہا پتہ نہیں اس نے کہا علی نے عثمان کو قتل کیا وہ جھوٹ ہے، عبدالملک بن مروان نے عبداللہ بن زبیر کو قتل کیا وہ جھوٹ ہے اور یہ کہ امیر المومنین نے چھت چچا پر گرایا ہے یہ جھوٹ ہے۔ پھر ہنسنے لگا کہ اگر گھر کی چھت میرے چچا پر گرے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔

منصور اور اموال بنی امیہ:۔ [قصص العرب ابراہیم شمس الدین ج ا ص ۱۰۵]

منصور کو خبر دی گئی ایک شخص کے پاس بنی امیہ کا بہت سا مال و دولت جمع ہے، ربیع کہتے ہیں منصور نے مجھے حکم دیا اس شخص کو حاضر کریں ہم نے اس کو حاضر کیا منصور نے اس سے کہا ہمیں خبر ملی ہے آپ کے پاس بنو امیہ کی بہت سے امانتیں ہیں وہ نکال کر ہمارے حوالے کر واس میں سے کچھ چھپا کر مت رکھنا تو اس شخص نے کہا یا امیر المومنین آپ بنی امیہ کے وارث ہیں تو کہا نہیں تو آپ ان کی جائیداد کے بارے میں ان کے وصی ہیں کہا نہیں، کہا پھر جو مال میرے پاس ہے اس کے بارے میں کیوں پوچھتے ہیں، منصور تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا پھر کہا بنی امیہ نے لوگوں پر ظلم کیا ہے میں مسلمانوں کے مال کا وکیل ہوں میں چاہتا ہوں جو کچھ لوگوں پر ظلم کیا ہے اس کو ان سے لے کر بیت المسلمین میں جمع کروں۔

اس نے کہا یا امیر المومنین اس کے لئے ایک عادل بینہ چاہیے جو کچھ مال میرے پاس ہے بنی امیہ کا ہے اور بنی امیہ نے لوگوں پر ظلم وخیانت سے جمع کیا ہے یا بنی امیہ کے اپنے بھی کسب و در آمد تھے منصور خاموش ہو گیا اور سر اٹھایا کہا یا ربیع یہ مرد سچ کہتا ہے اس کے اوپر کچھ نہیں ہمارے پاس اس کو عفو کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں پھر منصور نے کہا آپ کو میرے سے کوئی حاجت ہے تو اس نے کہا ہاں ہے تو کہا اس شخص کو جس نے میرے خلاف آپ سے کہا ہے اس کو حاضر کریں اللہ کی قسم میرے ہاتھ میں بنی امیہ کا نہ مال ہے نہ امانت ہے جب آپ نے مجھے حاضر کیا اور مجھ سے سوال کیا میں نے اس طرح سے آپ کو جواب دیا ہے یہ میرے لئے بہترین قریب ترین راہ نجات ہے تو منصور نے اس شخص کو جس نے ان کے خلاف چغلی کی تھی اس

کو حاضر کیا۔ جب اس کو حاضر کیا تو اس شخص نے کہا یہ تو میرا غلام ہے جو کہ میرے مال سے تین ہزار دینار چرا کر فرار ہو گیا یہ اب ڈرتا ہے کہ میں اس سے مال طلب کروں گا۔ اس لحاظ سے اس نے آپ سے شکایت کی تو منصور نے غلام پر تشدد کیا اس سے اقرار لیا کہ وہ اس کا غلام ہے۔ منصور نے اس شخص سے کہا میں آپ سے سوال کرتا ہوں اسے معاف کریں اس نے کہا میں نے اسے آزاد کیا اور اس کا تین ہزار درہم بھی معاف کیا اور تین ہزار مزید اسے دیتا ہوں تو منصور نے کہا اور کوئی حاجت ہے تو کہا یا امیر المومنین یہ سب قلیل ہے اس بات کے مقابل میں جو آپ نے مجھ سے کہی ہے۔

مدعی نبوت کی راست گوئی:۔

ایک آدمی نے منصور کے زمانے میں دعویٰ نبوت کیا تو منصور نے اس سے کہا تم برے لوگوں کے نبی ہو تو اس نے کہا آپ پر قربان ہوں ہر نبی اپنی شکل کے لوگوں کی طرف مبعوث ہوتا ہے۔

منصور دوانقی کی فراست وفطانت:۔

[قصص العرب ابراہیم ہاشمی ج ۲ ص ۵۶۵]

فراست وفطانت منصور کے بارے میں لکھتے ہیں منصور دوانیقی ایک ذہین وفطین و بیدار بادشاہ تھا اس سلسلہ میں صاحب کتاب ایک حکایت عقبہ عزدی سے نقل کرتے ہیں عقبہ عزدی کہتے ہیں کہ میں لشکر منصور میں تھا اس لشکر کے ساتھ ان کے حضور میں حاضر ہوا جب سارا لشکر نکل گیا تو وہ مجھے دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے اور اپنے قریب بلا کر کہا تم کون ہو تو میں نے جواب دیا بنی عزد سے ہوں لشکر امیر المومنین میں ہوں آج کل عمر بن حفص کے ساتھ ہوں منصور نے اسے کہا مجھے تمہارے اندر ہیبت ونجابت وفراست نظر آتی ہے میں تمہیں ایک کام کیلئے استعمال کرنا چاہتا ہوں اگر تم میرا یہ کام کرو

گے تو میں تم کو بلند کروں گا تو اس نے کہا مجھے امید ہے امیر المومنین کا ظن میرے بارے میں سچ ثابت ہو جائے منصور نے کہا ابھی زیادہ پریشان نہ ہو فلاں دن حاضر ہونا میں نکل گیا اور جس دن مجھے بلایا تھا میں حاضر ہوا۔

اس نے اپنے دربار کو میرے لئے خالی کیا اور مجھ سے کہا ہمارے چچا زاد بھائی ہم سے ہماری سلطنت میں بغاوت پر اتر آئے ہیں ہمیں مارنے پر تلے ہوئے ہیں خراسان میں ان کے چاہنے والے ہیں وہ ان کو خطوط لکھتے ہیں اور اپنے صدقات و زکوٰۃ انھیں بھیجتے ہیں تم بھی ہم سے ایک جاسوس اپنے ساتھ لے لو اور کچھ مال و دولت بھی کچھ خطوط بھی اور ہمارے چچا زاد بھائی عبداللہ بن حسن بن علی سے ملو اس کے پاس خشوع و خضوع کا مظاہرہ کرو اور یہ کتب جو ان کے چاہنے والوں کی طرف سے ہیں اور یہ تحفہ ان کی طرف سے ان کو پیش کرو پہلے مرحلہ میں وہ تمہیں رد کریں گے کہیں گے میں نہیں جانتا ہوں تو اس پر تم صبر کرو اور پھر دوبارہ جانا۔عقبہ کہتے ہیں میں نے خطوط تحفہ ھدایہ لیا اور حجاز کی طرف روانہ ہوا یہاں تک کہ عبداللہ بن حسن کے پاس پہنچا میں نے ان کو خطوط دیئے انھوں نے انہیں رد کیا اور مجھے بہت ڈانٹا کہا میں نہیں جانتا ہوں۔عقبہ کہتا ہے میں وہاں سے نکلا اور کچھ دنوں بعد دوبارہ وہاں گیا اور کہا فلاں گاؤں والوں نے یہ خطوط دیئے ہیں اور یہ تحائف بھی بھیجے ہیں۔عقبہ کہتے ہیں اس نے اس دن بس یہ ہی کہا اور دوسرے دن ان سے جواب مانگا تو اس نے کہا جہاں تک خطوط کی بات ہے تو میں کسی کو خط نہیں لکھتا تم خود خط ہو انھیں سلام دینا انھیں خبر دینا میرا بیٹا محمد اور ابراہیم اس امر کے لئے جلد ہی خروج کرنے والے ہیں۔

عقبہ کہتے ہیں میں اس کی طرف سے نکل گیا اور منصور کے پاس آیا اور انھیں خبر دی منصور نے مجھ سے کہا میں حج کو جاتا ہوں میں جب فلاں جگہ پر جاؤں گا تو تم وہاں آکر مجھ سے ملنا اور وہاں بنو حسن اور اس میں عبداللہ بن

حسن بھی ہوگا میں ان کی تعظیم کروں گا ان کو اٹھاؤں گا کھانا پیش کروں گا جب کھانا کھانے سے فارغ ہو جائیں میں ان کی طرف دیکھوں گا تو اس وقت تم میرے سامنے حاضر ہو جانا۔ ان کے سامنے کھڑے ہو جانا وہ تم سے منہ موڑیں گے تم بھی ان کے پیچھے کھڑے ہو جانا اور ان کی پشت کو اپنے پاؤں سے دبانا پھر تم چلے جانا۔ پھر تم اس کو کھانا کھاتے ہوئے نہ دیکھنا۔

منصور حج کے لئے نکلا اور جب بنو حسن ان کے استقبال کے لئے نکلے اور عبداللہ کو ایک طرف رکھا اور ان سے بات کی کھانا منگوایا کھانا کھایا جب فارغ ہوئے کھانا اٹھانے والے تھے اس وقت عبداللہ سے کہا ابا محمد آپ جانتے ہیں آپ نے مجھے عہد و پیمان دیا ہے آپ میرے خلاف برائی نہیں کریں گے میری سلطنت کے لئے سازش نہیں کریں گے اس پر عبداللہ نے کہا ہم اسی پر قائم ہیں۔ عقبہ کہتا ہے منصور نے میری آنکھ میں آنکھ ڈال کر دیکھنا شروع کیا میں اٹھا اور عبداللہ کے سامنے کھڑا ہوا اس نے مجھ سے منہ موڑا اور میں نے اپنے پاؤں سے ان کی پشت کو دبایا اس نے سر اٹھایا مجھے دیکھا اور منصور سے کہا یا امیر المومنین مجھے معاف کریں۔ اللہ آپ کو معاف کرے گا منصور نے کہا میں آپ کو معاف نہیں کروں گا بلکہ قتل کروں گا۔

علی ہاشمی منصور کا باورچی کہتا ہے منصور نے مجھے ایک دن بلایا تو اس وقت ان کے سامنے ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ منصور سختی سے اس سے پوچھ رہا تھا محمد بن عبداللہ بن حسن کہاں ہے، وہ کون ہے، وہ کہتی تھی میں نہیں جانتی، مجھے نہیں پتہ کہ وہ کہاں ہے۔ اس نے اسے اس قدر مارا کہ وہ بے ہوش ہوگئی۔ پھر اس نے اس پر پانی چھڑکا جب ہوش میں آئی تو اس سے پوچھا تو اس نے کہا مجھے نہیں پتہ، جب اس نے انکار پر اسرار کیا تو منصور نے کہا فلاں گروہ حجامہ کو جانتی ہو جب اس کا ذکر کیا تو اس کا رنگ بدل گیا تو اس نے کہا میں جانتی ہوں یہ بنی سلیم سے ہے اس نے کہا سچ بتایا۔

اس عورت نے کہا یہ میری کنیز ہے میں نے اپنے مال سے اس کو خریدا ہے وہ مجھے ماہانہ اتنی رقم دیتی ہے، منصور نے کہا میں نے اس کو حکم دیا کہ آپ کے گھروں میں جائے اور آپ کی حجامت کرے اور آپ کے احوال واخبار دیکھے۔ پھر منصور نے اس سے کہا فلاں بغال (کریانہ سٹور والے) کو جانتی ہو تو اس نے کہا وہ بنی فلاں میں سے ہے تو کہا سچ بولا، وہ میرا غلام ہے میں نے اس کو مال دیا ہے اس کو حکم دیا ہے جس چیز کی ضرورت ہو اسے خریدے منصور نے پوچھا فلاں آدمی کہاں ہے تو اس نے کہا محمد بن عبداللہ فلاں فلاں جگہ پر ہے وہ رات کو آتے ہیں۔

منصور اور محمد بن ہشام:۔[قصص العرب جاد مولیٰ ج ا شمارہ ۱۶۶]

منصور جب حج کو گیا تو اسے خبر دی گئی کہ ایک جوہر گراں بہا ہشام بن عبدالملک بن مروان کے پاس تھا جو اب ان کے بیٹے محمد بن ہشام کے پاس ہے۔ منصور ربیع کی طرف متوجہ ہوا اور کہا جب میں صبح مسجد میں نماز پڑھوں تو لوگ جب وہاں جمع ہو جائیں تو آپ نے سارے دروازے بند کرنے ہیں ہر دروازہ پر ایک معتبر آدمی کھڑا کرنا ہے ایک دروازہ کھلا رکھیں جس پر آپ رہیں اور جب محمد بن ہشام ملے تو اس کو پکڑ کر لائیں۔

اگلے دن ربیع نے وہی کام کیا محمد بن ہشام مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اسے محسوس ہوا وہ ان کی تلاش میں ہے اب یہ پکڑے جائیں گے اور قتل ہو نگے حیران و پریشان تھے اس وقت محمد بن زید بن علی بن حسین نے اسے حیران پایا حالانکہ محمد بن ہشام انھیں نہیں جانتے تھے اس نے کہا آپ کو کیا ہوا ہے تو اس نے کہا کچھ نہیں ہوا اور کہا مجھ سے نہ ڈرو آپ کے لئے امن ہے ان شاءاللہ آپ کی جان بچ جائے گی محمد بن ہشام نے کہا آپ کون ہو تو جواب دیا میں محمد بن زید بن علی بن حسین ہوں وہ مزید ڈر گیا اس نے کہا ڈرنے کی

بات نہیں تم میرے باپ کے قاتل ہو نہ میرے جد کے، تمہارے اوپر میرا خون نہیں میں کوشش کرتا ہوں تمہیں اس سے نجات دلاؤں لیکن تم مجھے اجازت دے دو جو کچھ میں تمہارے ساتھ برائی کروں تم اس سے خفا نہیں ہو گے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی عبا اس کے سر پر پھینکی اور اسے گھسیٹ کر ربیع کے پاس لے گئے اور کہا یا ابا الفضل یہ خبیث کوفہ کے اونٹ کرایہ پر دیتا ہے مجھے اونٹ کرایہ پر دیا ہے میں نے کرایہ دیا ہے اب یہ ہم سے فرار ہو گیا ہے اور اس نے اونٹ بعض خراسانیوں کو دیئے ہیں جب کہ میرے پاس گواہ ہیں، آپ سے درخواست کرتا ہوں اسے قاضی تک پہنچا دیں اور اس کے اونٹ خراسان جانے سے روک دیں ربیع نے دو گواہ دیئے اور قاضی تک پہنچایا۔ محمد اسے پکڑ کر لے گیا اور باہر نکلتے ہی اسے چھوڑ دیا اور کہا جہاں جانا چاہتے ہو جاؤ محمد بن ہشام نے ان کے ہاتھ کو چوما اور جواہر کو ان کے سپرد کیا آپ نے کہا میں یہ نہیں لوں گا ہم کسی نیکی کا عوض کسی سے نہیں لیتے ہیں۔

فال بد منصور:۔[قصص العرب ج ۳ ص ۳۲۶]

ربیع بن یونس نے وزیر منصور سے نقل کیا ہے ایک دن منصور بغداد میں واقع اپنے محل میں سویا ہوا تھا کہ اچانک خوفزدگی کے عالم میں اٹھا اور پھر دوبارہ سو گیا پھر خوفزدہ ہو کر اٹھا اس طرح تین بار خوفزدہ ہو کر نیند سے اٹھا۔ اس نے ربیع کو آواز دی ربیع نے پوچھا کیا ہوا ہے تو کہا میں نے ایک عجیب سا خواب دیکھا، ایک آنے والے نے میرے پاس آ کر مجھے آہستہ سے کوئی بات بتائی میں نہیں سمجھا وہ کیا کہہ رہا ہے میں پھر اٹھا پھر نیند میں گیا پھر آ گیا آخر میں اس نے کہا اس قصر میں رہنے والا جا رہا ہے، اس قوم کا رئیس و سربراہ ایک خوشی کا دور گزرنے کے بعد قبر میں جا رہا ہے اور اس کے اوپر پتھر رکھے جا رہے ہیں شاید میری موت نزدیک ہو میرے لئے میرے رب کے علاوہ کوئی نہیں کہا میرے غسل کرنے کا بندوبست کرو۔ اس کے بعد اس نے

اٹھ کر غسل کیا دو رکعت نماز پڑھی کہا میں حج کو جا رہا ہوں میرے جانے کا بندوبست کراؤ، یہاں تک کہ کوفہ پھر وہاں سے نجف قیام کیا اور پھر وہاں سے نکلا۔ پھر کہا اے ربیع مجھے ایک آگ کا شعلہ لا کر دو اور مجھے کہا تم یہاں سے نکل جاؤ تم میرے نکلنے تک میری سواری کے ساتھ رہو جب وہ نکلے اور سواری پر سوار ہوئے تو کچھ تلاش کرنے کے لئے واپس آئے فضل بن ربیع نے کہا میں منصور کے ساتھ تھا جس سفر میں اس نے وفات پائی ایک منزل پر اس نے مجھے اپنے خیمہ میں بلایا وہ خود کو دیوار سے تکیہ کئے ہوئے تھا مجھ سے کہا میں نے تم سے نہیں کہا تھا عام لوگوں کو یہاں داخل ہونے کی اجازت نہ دینا لوگوں نے کہا یہ ایسی چیز لکھی ہے جس میں خیر نہیں پوچھا کیا لکھا ہے تو اس نے کہا تم نہیں دیکھ رہے دیوار پر مجھ سے خطاب کر کے لکھا ہے تمہارا وقت قریب آیا ہے موت کیلئے تیار ہو جا، اللہ کا حکم نازل ہونے والا ہے اے ابا جعفر کوئی کاہن، کوئی منجم قضاء الٰہی کو رد کر سکتا ہے یا تم جاہل ہو۔ تو فضل بن ربیع نے کہا ہمیں کچھ نظر نہیں آ رہا مجھے دیوار صاف نظر آ رہی ہے تو کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ میری موت نزدیک ہے جلدی چلو مجھے حرم الٰہی کے نزدیک پہنچاؤ تاکہ میں وہاں مر جاؤں میں نے اپنے گناہوں اور غلطیوں کو لے کر فرار کیا یہاں تک کہ وہ مکہ میں بئر میمون تک پہنچا اور وہاں اس نے وفات پائی۔

قصص العرب ابراہیم شمس الدین ج ۲ ص ۶۷ اقتل ابو مسلم کے بعد ایک دن یزید بن ابی سید منصور کے پاس تھا منصور نے یزید سے پوچھا یا یزید، قتل ابو یوسف کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے یزید نے کہا میرے خیال میں اس کو قتل کر کے اس کے خون سے اللہ سے قرب حاصل کریں اللہ کی قسم جب تک اس کو قتل نہیں کریں گے آپ کے لئے سلطنت گوارا نہیں ہوگی جب تک وہ زندہ ہونگے منصور نے ان سے کہا اللہ تمہاری زبان قطع کرے تم نے

میرے ناصر و مددگار کو قتل کرنے کا مشورد یا جو ہمارے دشمنوں پر سب سے زیادہ ناگوار بھاری ہے اگر میرے نزدیک تمہارے اسلاف کا احترام نہیں ہو تا تو میں تمہیں سزا دیتا میں اس کو تمہاری ایک غلطی تصور کرتا ہوں یزید نے کہا زمین میرے لئے تنگ ہوگئی گویا زمین میرے نیچے سے گھسیٹ لی جا رہی ہے پیچھے گرا رہی ہے دنیا میرے لئے تاریک ہو رہی تھی جب ابو یوسف کو قتل کیا منصور نے یزید سے کہا میرا وہی نظریہ تھا جو تم نے دیا تھا میں نے اس لئے تم سے وہ بات کی تا کہ تمہارے منہ سے کوئی بات نکلنے سے میرا منصوبہ فیل نہ ہو جائے۔

قضاوت منصور:۔

قصص العرب ابراہیم شمس الدین ج ۲ ص ۱۴۱ ۵ میں آیا ہے ایک تاجر جوہری یمن کے شہر عدن سے منصور کے پاس آیا اس کے پاس جواہرات کی تھیلی تھی منصور نے دیکھا اور ان کو واپس کیا جوہری واپس جاتے وقت ایک دریا کے پاس پہنچا گرمی بہت تھی وہ لباس اور جواہر کی تھیلی چھوڑ کے نہر میں تیرنے لگے اتنی دیر میں ایک پرندہ آ کر تھیلہ لے کر اڑ گیا یہاں تک کہ پہاڑ کے پیچھے چلا گیا اس پر قیامت گزری پریشان شکستہ حال منصور کے پاس پہنچا منصور نے پوچھا تمہیں کیا ہوا تاجر نے منصور کو ماجرا سنایا منصور نے پہاڑ کی طرف کے والی کو بلایا ان سے کہا تمہارے علاقہ میں جو تازہ سرمایہ دار بنا ہے اس کو پکڑ کر لائیں وہ تحقیق کرنے کے بعد تازہ اچھی حالت میں آنے والے شخص کو پکڑ کر لایا منصور نے اس کے سامنے یہ مسئلہ رکھا اس کا کیا حال ہے اس نے کہا میں نماز پڑھ رہا تھا اس وقت ایک پرندہ تھیلہ میرے پاس چھوڑ کر اڑ گیا میں اس وقت نیاز مند تھا کہ میں نے اس سے دس بارہ دینار اٹھائے باقی تھیلہ میرے پاس ہے جیب سے نکال کر منصور کو دیا منصور نے وہ اپنی طرف سے تاجر کو دیا اور ساتھ ہی اپنی طرف سے پانچ سو اس شخص کو

دیئے۔

قصص عرب ج ۲ ص ۱۷۵ پر آیا ہے منصور اپنے قصر کی کھڑکی سے نظارہ کر رہا تھا ایک شخص پریشان حال سرگردان خیابان میں پھر رہا ہے منصور نے اس کو بلایا اس سے حال واحوال پوچھا اس نے بتایا میں ایک تاجر ہوں کسی جگہ تجارت کے لئے گیا تھا فائدا ہوا واپس آ کر رقم کی تھیلی بیوی کو دی چند دن گزرنے کے بعد بیوی نے کہا تھیلی چوری ہوئی پتہ نہیں چلا، گھر میں کسی کے آنے کی نشانی نہیں ملی، کوئی سوراخ یا چھت پر چڑا ہوا اثر نہیں ملا، منصور نے پوچھا بیوی کو لائے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے کتنے سال ہو گئے ہیں کنواری تھی یا بیوہ، تمہارے علاوہ کسی اور سے اولاد ہے پوچھا عمر رسیدہ یا جوان، کہا جوان ہے منصور نے ایک شیشی نیز خوشبو والی بوتل ان کو دی کہ یہ بیوی کو دوان سے کہا یہ خوشبو تمہاری پریشانی کو دور کرے گی تاجر خوشبو لے کر گھر گیا بیوی کو دی کہا امیر المومنین نے دی ہے منصور نے شہر کے چار پولیس والوں کو بلایا کہ چاروں دروازے پر بیٹھو جس سے یہ خوشبو آئے اس کو پکڑ کر لائیں تاجر نے بیوی کو دی تھی کہ یہ امیر المومنین کا ہدیہ ہے اور بیٹوں نے اس مرد کو دی جسے پہلے تھیلی دی تھی۔

منصور عالم دین ومحبّ علم:۔

منصور خود عالم تھے۔ منصور نے انس بن مالک سے کہا تھا "تعلم انہ لم یبق فی هذا المیدن غیری و غیرک" اور آپ یہ بھی جانتے ہیں میں امور مملکت میں مصروف ہوں میں آپ سے درخواست کرتا ہوں ایک ایسی کتاب تصنیف کریں جس کی خصوصیات یہ ہوں چنانچہ انس بن مالک نے کتاب موطاء لکھی ہے منصور نے چاہا اس کتاب کو حکومتی سطح پر پوری مملکت پر نافذ کریں لیکن انس بن مالک نے منع کیا۔ کتاب تاریخ نا المضر کے ص ۱۰۳ پر منصور کے دور حکومت کو علم وتمدن کی حکومت لکھا ہے لکھتے ہیں ان کی

درسگاہ نوابغ مسلمین ان کے نام پر ہے ابن حیان، ابن ہیثم، سیرو بن رازی، شعراوی، خوارزمی، ابن لیس، ابن رشد کی لکھی کتب بعد میں جامعات کے نصاب میں شامل کی گئیں اہم بات یہ ہے کہ بنی عباس کے دور میں تدوین حدیث، تدوین تاریخ، ترجمہ کتب یونان وروم وہندوفارس ہوا۔

امثال کتاب کلیہ ودمنہ، علم نجوم، اس طرح علوم عربیہ تدوین ہوئی ہے لیکن ایک سوال باقی رہتا ہے[''کہ منصور دوانیقی اوران کے بعدان کے اسلاف نے ان علوم کوعربی میں ترجمہ کر کے کرنشر کیا جوعلم کی خدمت ہے، یہ اہل دنیاوالوں کی یا دین اسلام کی خدمت کی ہے؟'']منصور دوانیقی ان کے زعم کے مطابق منصب محمد خاتم انبیاء کی جگہ بیٹھے تھے ان کی اولین ذمہ داری کیا تھی؟ کیاان علوم کوترجمہ کرتے وقت اس نے ان کی نگرانی کی تھی؟ نیزان علوم کونشر کرنے سے ہم یہ اخذ کرسکیں گے یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے ان علوم کوجذبہ دین کے تحت نشر کیا تھا یا جذبہ دنیوی کے تحت کیا تھا یا اقتدا کے نشے میں جوسامنے آیا جس نے جومشورہ دیا تھا اس پرعمل کیا جن ذوات کو علامہ قرضاوی نے اسلامی علوم کےنوابغ کہا کیا وہ علوم اسلامی کی نوابغ تھیں یا وہ اپنے عقائد منحرف پرعمل پیرا گمراہ انسان تھے یہ بحث ہم آگے ملحقات حکومت عباسی میں بیان کریں گے۔

۳۔مہدی عباسی:۔

محمد بن عبداللہ منصور رلقب ''مہدی'' انکی والدہ ''عروہ بنت منصورابن عبداللہ حمیری'' محمد مہدی عباس ۱۲۶ھ میں پیدا ہوااس کے باپ نے ۱۴۱ھ میں اسے ولی عہد بنایا اور ۱۵۳ھ میں حج کا امیر بنایا۔جیسا کہ تاریخ خلفاء میں لکھا ہے مہدی شکل وصورت میں بہت حسین وجمیل تھے لوگ ان سے محبت کرتے تھے منصور نے انہیں ولی عہدی کیلئے نامزد کیا اس وقت اس کی عمر پندرہ (۱۵) سال تھی جیسا کہ تاریخ قیوم جلد۵ص ۲۲۷ پرتحریر ہے کہ وہ

نماز وروزے کے پابند تھے لہو ولعب اور غنا والے مغنی اور مغنیات سے بھی شغف رکھتے تھے خاص کر لعب حمام سے چنانچہ غیاب بن ابراہیم سے ان کو خوش کرنے کے لئے ابو ہریرہ سے مروی احادیث لا یسق الا فی خف ارئل میں کلمہ حمام اضافہ کیا تھا جس پر مہدی نے ان کو جزیہ بھی دیا۔

مہدی خلفاء بنی امیہ میں ولید بن عبدالملک جیسا تھا ولید بن عبدالملک کے باپ عبدالملک کے تشدد، قتل وحبس سے لوگ تنگ آچکے تھے لہٰذا ولید نے خلیفہ بنتے ہی قیدیوں کو آزاد کیا مہدی نے بھی ایسا کیا ان کی تمام تر توجہ زندیق وملحدین سے لڑنے پر رہی ،مہدی کے باپ منصور دوانقی کی وفات کے بعد فضل بن ربیع نے مہدی کی غیبت میں غیر موجودگی میں انکے لئے لوگوں سے بیعت لی۔ مہدی نے ابوعبیداللہ معاویہ ابن یسار کو اپنا وزیر بنایا جوسب سے زیادہ عقلمند اور تجربہ کار تھا ''ربیع حاجب'' منصور کے دور میں وزیر تھا اور ابوعبیداللہ معاویہ، ربیع کا احترام کرتا تھا لیکن جب ربیع حاجب، مہدی کے دور میں ابوعبیداللہ کے پاس آیا تو اس نے ان کا احترام نہ کیا جس پر ربیع ناراض ہوا اور وہیں پر اس نے فیصلہ کیا کہ کسی نہ کسی طریقے سے اسے وزارت سے معزول کروائے گا لیکن عبیداللہ پاکدامن تھا اور لوگوں کے پاس محبوب تھا لہٰذا ربیع انکے خلاف کچھ نہ کرسکا۔ ابوعبیداللہ کا ایک بیٹا جو ایک سادہ قسم کا انسان تھا ربیع نے مہدی کے پاس اسکی شکایت کی کہ یہ عقیدے میں منحرف ہے چنانچہ مہدی نے اسے بلا کر اس سے قرآن پڑھوایا لیکن اس کے سامنے وہ نہ پڑھ سکا جس کی وجہ سے اسے زندیق قرار دے کر عبیداللہ کے سامنے قتل کردیا گیا اور ابوعبیداللہ کو معزول کیا گیا۔

مہدی کی انگوٹی کا نقش ''حسبی اللہ'' تھا، مہدی عباسی ۱۶۹ھ تک یعنی دس سال ایک مہینہ تک اپنے منصب پر متمکن رہا اسکے دور میں ملکی حالات خوشگوار رہے منصور نے اپنے دور حکومت میں اپنی حکومت کو دوام دینے کیلئے

جن حلیفوں اور رقیبوں پر اسے ذرا سا بھی شک تھا سب کا صفایا کر دیا تھا لہٰذا مہدی کو اپنے دور حکومت میں ایسا کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا تمام علویوں کی طاقت وقدرت کا خاتمہ ہو چکا تھا اب ان کے منصب کیلئے آنکھ کھولنے والا کوئی نہیں تھا جس سے مہدی کو خطرہ لاحق ہوتا، بچے کچے افراد بغداد میں تھے جن پر وہاں کا والی کڑی نظر رکھتا تھا، مدینہ میں موجود رقیبوں کی نگرانی امیر مدینہ کے سپرد تھی وہ ان کی نقل وحرکت پر نظر رکھتا تھا اس نے ایسے افراد کی حاضری کو ہفتے میں ایک دن لازمی قرار دیا تھا اور جس کے بارے میں قتل وقصاص کی تہمت نہیں تھی ایسے افراد کو زندان سے رہا کر دیا گیا لہٰذا مہدی نے اپنی توجہ کو زیادہ تر قصر وقصور، نہریں بنانے تعمیرات وغیرہ پر مرکوز کیا تھا اس کے دور میں حسین فخ نے ایک سو سے زائد بنی ہاشم کو مکہ کے مقام فخ میں جمع کیا اور سب کو قتل کر کے مہدی کے پاس لایا گیا، مہدی خود شراب نہیں پیتا تھا لیکن اس کے شب نشین سب شراب پیتے تھے، غنا سنتے تھے۔

وہ قرآن زیادہ پڑھتا تھا اس نے چند بار امام موسیٰ کاظم کو بغداد میں زندان کیا ایک دن اس نے امام کو حالت نماز میں یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا: ﴿افحسبتم انما خلقنٰکم عبثا وانکم الینا لاترجعون﴾ ”کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کے نہیں آؤ گے“ (مومنوں/۱۱۵) تو فضل بن ربیع سے کہا ان کو آزاد کریں۔

نرم مزاجی اس کی طبیعت میں نہیں تھی بلکہ اس کے باپ کے قتل عام نے لوگوں میں خوف وہراس پھیلا دیا تھا حکومت بنی عباس کے بارے میں بدگمانی پھیل چکی تھی اسکو ٹھنڈا کرنے کیلئے خلیفہ کو نرم مزاجی اختیار کرنا پڑی، یہاں سے اندازہ کرنے میں آسانی ہوگی کہ بنی امیہ اور بنی عباس کا فر وملحد

تھے اور نہ ہی پاک باز وزاہد انسان تھے بلکہ ان کی تمام تر توجہ اپنی حکومت کی بقاء اور دوام پر مرکوز تھی عادی حالات میں خلافت کے دوران حاصل سہولیات سے عیش وطرب ،نشہ ،غصہ، انتقام ان پر حاوی رہا،غرض آجکل کے مسلمان حکمرانوں کا اگران سے موازنہ کریں تو یہ کہنا آسان ہوگا کہ وہ لوگ آج کے حکمرانوں سے زیادہ اسلام سے قریب تھے۔

منصور نے مہدی کے بعد اپنے چچا عیسیٰ ابن موسیٰ بن علی کو ولی عہد بنایا تھا لیکن مہدی نے اسے معزول کیا اور اسکی جگہ اپنے بیٹے ہادی کو ولی عہد بنایا اس کے بعد ہارون کو ولی عہد بنایا لیکن ہادی نے ہارون کو ہٹا کر اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنانے کا فیصلہ کیا اسکے لیے بہت بڑا لشکر آمادہ کیا اور اس نے اپنے لشکر اور دوستوں کے ذریعے ہارون پر دباؤ ڈالا جبکہ ہارون رشید اسے تسلیم کرنے پر آمادہ تھا لیکن یحییٰ ابن خالد برمکی نے اس سے کہا تمہیں اس بات پر راضی نہیں ہونا چاہیے چنانچہ ہادی نے اس سلسلے میں یحییٰ سے بات کی تو یحییٰ نے کہا اے امیرالمؤمنین اگر آپ عہد وپیمان کو توڑنے کا رواج دینگے تو لوگوں میں ایمان ختم ہوجائے گا آپ ان کو اپنے بھائی کی بیعت پر چھوڑیں اور بھائی کے بعد اپنے بیٹے جعفر کیلئے بیعت لیں جو انکی بیعت کیلئے زیادہ مؤثر ہوگی جس پر ہادی راضی ہوگیا اور اس نے اپنے بھائی کو ٹھکانے لگانے کا سوچ لیا لیکن اسکی سوچ پر عمل ہونے سے قبل ہادی مرگیا بعض کا کہنا ہے کہ اسکی ماں خیزراں نے اسے زہر دے کر قتل کیا۔

مہدی عباسی نے ۲۲ محرم ۱۶۹ھ کو وفات پائی۔

منصور مہدی کے ذمہ بڑے بڑے کام سپرد کرتا اور اسے خلافت کیلئے تیار کرتا تھا ۱۵ ذی الحجہ ۱۵۸ھ کو اس کیلئے بیعت لی اس کی خلافت ۲۲ محرم الحرام ۱۶۹ھ تک تقریباً ۱۱ سال کچھ مہینہ قائم رہی۔

اس کے دور میں فتنہ مقنع خراسانی وجود میں آیا جو ایران کے شہر مروہ

سے نکلا تھا یہ لوگ تناسخ ارواح کے قائل تھے انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا مہدی نے ان پر سختی کی اوران سے جنگ لڑی اوران کا خاتمہ کیا۔

سیاست داخلیہ مہدی عباسی:۔

مہدی عباسی کی حکومت شبیہ ولید ابن عبدالملک تھی۔ دونوں کے والد انتہائی تجربہ کار، قدرت مند سیاست مدار بادشاہ تھے دونوں نے مملکت کو غنائم جنگی اوراخراج وغیرہ سے مالا مال کر کے خزانہ بھر دیا تھا۔ انہوں نے مخالفین اور دشمنوں کا دھمکیوں، زندان اور قتل سے خاتمہ کیا جس سے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور ان میں حکومت کے خلاف دوبارہ سر اٹھانے کی ہمت نہ رہی۔ دونوں کے دور میں مملکت امن وامان اور مال ودولت کثیرہ کی حامل تھی۔ یہ لوگوں کیلئے پسندیدہ خلیفہ بنے۔ یہ چیز جہاں ان کے لیے مفید تھی وہاں یہ ملت کے لئے بھی ثمر آور تھی

ان کے دور خلافت میں ان کے اقدامات:۔

۱۔انہوں نے زندان میں محبوس تمام سیاسی زندانیوں کو آزاد کیا سوائے ان کے جنہوں نے خلاف شریعت جرم وجنایت کا ارتکاب کیا تھا۔

۲۔مکہ آنے کے راستوں پر جگہ جگہ کنویں بنوائے۔

۳۔مکہ، مدینہ اوریمن میں نظام بربط (ڈاک کا نظام) قائم کیا۔

۴۔مسجد نبوی کے اطراف میں قائم گھروں کو خرید کر مسجد میں توسیع کی۔

۵۔انہوں نے لوگوں پر ہونے والے مظالم وشکایت کی روداد سننے کی سنت قائم کی۔

۶۔ان کے دور میں مقنع خراسانی تناسخ ارواح کا قائل تھا وہ لوگوں کو بہت گمراہ کرتا تھا وہ زندیق تھا۔ اس کے ساتھ جنگ لڑی اور اسے ہلاک کیا۔

مہدی کے دور کے حالات:[دولۃ عباسی محمد خضری ص ۷۹]

مہدی کے دور میں لوگ منصور کی شدت پسندی کے بعد پرسکون کے سانس لے رہے تھے منصور نے ایک مملکت کی بنیاد رکھی تھی اس کے دشمن تھے تو وہ شکوک وشبہات وگمان پر محاسبہ کرتا تھا جس کی وجہ سے بہت سے بے قصور گرفت میں آجاتے کبھی دشمن کی جگہ مطیع فرمانبردار زد میں آتے لیکن جب خلافت مہدی کو ملی تو اس کے لئے ہر چیز آراستہ و پیراستہ تھی علویین کی طاقت ٹوٹ چکی تھی۔ ان کے بزرگ یا تو مر گئے یا زندان میں تھے یا نظارت ونظر بندی میں تھے گویا مہدی کی مثال بنی امیہ میں ولید بن عبدالملک کی سی تھی جس نے مخالفین کو رام کرنے کے بعد بنایا اقتدار ولید کے لئے چھوڑا تھا یہاں بھی منصور نے ایسا ہی کیا لہٰذا مہدی نے اپنے اقتدار کی افتتاحی تقریب میں زندانوں میں موجود زندانیوں کو رہا کرنے کا اعلان کیا سوائے ان افراد کے جو کسی قتل میں ملوث تھے یا زمین میں فساد برپا کرتے تھے اور جو بہت بڑے مجرم تھے اور جن کا جرم صرف سیاسی تھا ان کو آزاد کیا۔

آزاد ہونے والوں میں یعقوب بن داؤد بھی شامل ہے۔ ان کی اصلاحات میں سے ایک مکہ کے راستہ میں تعمیرات قصور تھیں جنہیں سفاح نے شروع کیا تھا۔ ان کی اصلاحات میں خچروں اور اونٹوں کے ذریعے نظام بریط جو مدینہ رسول، مکہ اور یمن کے درمیان قائم کیا گیا تھا ان کی اصلاحات میں سے مسجد الحرام کی توسیع بھی تھی اس نے بہت سے گھروں کو جو مسجد الحرام سے ملے، مسجد الحرام میں شامل کیا ولید بن عبدالملک کے نام کو مسجد نبوی کی دیوار سے ہٹایا اور اس کی جگہ اپنا نام لکھوایا مہدی کی اصلاحات میں سے ہے کہ ایک دن وہ لوگوں کے شکوہ وشکایت کو سنتے تھے۔

ان کے کارناموں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ زندقہ اور ملحدوں کا پیچھا کرتے تھے جہاں جہاں سے ان کی شکایت ملتی تھی ان کو مار دیتے تھے۔ یہ

ایک سبب بنا بعض لوگ جن کو مارنا چاہتے تھے ان کی دلی خواہشات تھی کہ وہ مر جائیں تو وہ ان پر یہی زندقہ کی تہمت لگاتے تھے۔ چنانچہ مقنع خراسانی جو مروہ میں تھا وہ تناسخ ارواح کا قائم تھا اس نے بہت سوں کو گمراہ کیا تھا۔ مہدی نے وہاں اس سے لڑنے کے لئے آدمی بھیجے اس کو محاصرہ کیا آخر میں وہ ازخود زہر پی کر مر گیا۔

مہدی کے دور میں منصب وزارت:۔

منصور کی نسبت' مہدی زیادہ وزیروں پر اعتماد کرتا تھا۔ اس کا سب سے بڑا وزیر صاحب کفایت بہت بلند مقام رکھتا تھا وہ بہت عاقل و نامور عالم تھا اس کا نام ابوعبید اللہ معاویہ بن یسار مولیٰ اشعری تھا۔ وہ اس کے تمام امور پر غالب تھے۔ منصور اسے اتنی اجازت نہیں دیتے تھے ہمیشہ ان سے مشورہ کرنے کے لئے کہتے تھے لیکن مہدی نے تمام اختیارات ان کے سپرد کئے تھے۔ اس کے بعد ان کا حاجب ربیع وزیر بنا۔ مہدی نے عبید اللہ کے بعد عبداللہ بن یعقوب بن داؤد کو وزیر بنایا۔ مہدی نے عیسیٰ بن موسیٰ بن علی اپنے چچا کو جو ولی عہد تھے ان کو عزل کیا اور ان کی جگہ اپنے بیٹے ہادی اور ہارون کو بنایا۔

روض المناظر ص ۱۳۹ مہدی نے اموال کثیر حرمین میں تقسیم کیا مسجد نبوی کی توسیع کی، زیاد بن ابیہ کے نسب کو بنی امیہ سے خارج کر کے عبد رومی کی طرف پلٹایا ۱۶۶ھ کو بشار بن برد شاعر کو اس کی زندیقہ گوئی پر قتل کیا۔

قصص العرب تالیف جاد مولیٰ ج ۳ شمارہ ۱۱۲:

مہدی ایک دن شکار پر نکلا اور ایک غیر آباد بیابان جگہ پر پہنچا چلتے چلتے وہ ایک اعرابی کے خیمہ پر پہنچا اس نے اعرابی سے کہا کیا یہاں کوئی جگہ ہے کہ جہاں میں کوئی جو کی روٹی لے لوں اور کھاؤں۔ تو اس نے ایک جو کی روٹی دے دی جسے وہ فوراً کھا گیا پھر اس کو لسی پلائی پھر ایک برتن میں شربت

لایا اس نے وہ بھی پی لیا اور پینے کے بعد کہا تم جانتے ہو میں کون ہوں تو اس اعرابی نے کہا نہیں تو مہدی نے کہا میں امیر المومنین کے خاص خدمتگاروں میں سے ہوں تو اعرابی نے کہا اللہ آپ کے مقام کو حفظ کرے۔ پھر اعرابی ایک اور برتن میں شربت لایا مہدی کو دیا اس نے پینے کے بعد کہا کیا آپ جانتے ہو میں کون ہوں تو اس نے کہا آپ نے ابھی تو بتایا تھا کہ میں امیر المومنین کے خاص خدمتگاروں میں سے ہوں مہدی نے کہا نہیں میں ان کے لشکر کا قائد ہوں۔ تو اعرابی نے کہا اللہ آپ کی مملکت کو پھیلائے۔ پھر اعرابی ایک اور برتن میں شربت لایا مہدی نے اس کو پینے کے بعد کہا جانتے ہو میں کون ہوں تو کہا آپ نے کہا ہے میں قائد لشکر ہوں تو کہا نہیں میں خود امیر المومنین ہوں تو اعرابی نے اس سے وہ برتن چھین لیا اور کہا آپ ہم سے دور ہو جاؤ بس کہیں آپ یہ نہیں کہہ دیں کہ میں رسول اللہ ہوں۔ اس پر مہدی کو ہنسی آئی اور گر پڑا بے چارہ عربی ڈر گیا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے تو مہدی نے کہا مت ڈرو مجھے کچھ نہیں ہوا ہے اس کے بعد اس نے اعرابی کو عطیات سے نوازا۔

مہدی اور جائزہ حماد و فضل: [قصص العرب ج ۳ شمارہ ۱۱۱]

ایک دن مہدی اپنے قصر سلام میں بیٹھا ہوئے تھا بعض شعراء و ادباء عرب اور اہل لغت سب آئے۔ ان میں مفضل ضبی بھی داخل ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ نکلے پھر ان کے بعد حماد اور مفضل دونوں نکلے حماد کے چہرے سے پتہ چلتا تھا حماد کے چہرہ پر انکسار آیا ہے مفضل خوشی میں نکلا مہدی کے خادم نکلے کہا آپ سب سے کہتے ہیں امیر المومنین نے حماد شاعر کو بیس ہزار درہم دیئے کیونکہ ان کے شعر بہت تازہ تھے لیکن ان کی نقل جو ہے غلط ہے مفضل کو پچاس ہزار دیئے ان میں صداقت ہے ضبط روایت ہے اگر کسی کو تازہ شعر سننا ہے تو حماد سے سنے اگر صحیح سننا ہے تو مفضل سے سنے۔

مہدی سب سے پہلا شخص ہے جس نے زنادیق وملحدین کا تصفیہ کرنے حکم دیا ہے اور بہت سے زنادیق وملاحدہ کو مارا، ۱۶۰ھ میں اس نے حج کیا وہاں خادمان حرم نے شکایت کی کسوۃ کعبہ کی کثرت کی وجہ سے اس کی دیوار گرنے کا خدشہ ہے تو انھوں نے کعبہ کے پردوں کو ہٹانے اور ایک پردہ پر اکتفاء کرنے کا حکم دیا دیوار کو اندر اور باہر سے مشق وعنبر اور گلاب کے پانی سے دھویا۔ پھر تین قسوۃ قباطی خیز دیباج سے کسوۃ ڈالا حرمین شریفین میظ اموال کثیرہ تقسیم کیا اس وقت کعبہ وسط مسجد میں نہیں تھا بلکہ ایک طرف تھا تو اس نے اطراف میں موجود شامی یمانی گھروں کو خریدا اور ان کو مسجد میں شامل کیا جس کی وجہ سے حرم وسط میں قرار پایا اس نے جادہ مکہ کو بنانے کا حکم دیا اور منابر کو چھوٹا کرنے کا حکم دیا۔

مہدی عمارۃ بن حمزہ کو ذلیل کرنا چاہتا تھا وہ عزیز ہو گیا قصص العرب شمس الدین ج ۴ ص ۳۹۳ عمارۃ بن حمزہ تکبر وغرور میں معروف تھا جب مہدی کے دربار میں پہنچا ایک آدمی کھڑا ہوا کہا امیر المومنین مظلوم ہوں تو مہدی نے عمار سے کہا اپنے مدعی کے برابر میں کھڑے ہو جائے عمار نے کہا یا امیر المومنین اگر یہ باغ اس مالک کا ہے تو ہم نے چھینا نہیں ہے اگر میرا ہے میں نے اس کو بخش دیا میں اپنے اس مقام سے اٹھوں گا نہیں جسے مجھے امیر المومنین نے عنایت کیا ہے۔

قصص العرب ج ۲ ص ۱۷۷ مہدی ایک اجتماع میں تھا وہاں ایک شخص ہاتھ میں ملفوف لے کر حاضر ہوا مہدی سے کہا یا امیر المومنین یہ فعل رسولؐ اللہ ہے آپ کے لئے تحفہ لایا ہے ہاتھ میں لیا باطن سے نکال کر بوسہ کیا آنکھوں پر رکھا اس آدمی کو دس ہزارہ دینار مصر دیئے اور چلا گیا۔ پھر مہدی نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا دیکھو رسولؐ اللہ نے اس کو دیکھا نہیں ہو گا چہ جائیکہ پہلے اگر میں اس کو جھٹلاتا تو لوگوں سے کہتے میں نے فعل

رسول اللہ کہہ کر امیر المومنین کو ہدیہ دیا تو امیر المومنین نے رد کیا تو لوگ ان کی حمایت کرتے ان کو تصدیق کرنے والے زیادہ ہوتے، حق سے دفاع کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ عامۃ الناس ظالم کی حمایت کرتے ہیں اور قوم حق بجانب کیوں نہ ہو ہم نے ان کی زبان کو خرید ا ہدیہ کو قبول کیا جو کچھ ہم نے کہا وہ صحیح اور کامیاب سیاست تھی۔

مہدی ایران میں شکار کے لئے گیا وہاں ایک خرابہ میں گر گیا اور وہیں وفات پائی بعض نے کہا ہے ان کی کنیز جاریہ نے ان کو زہر دیا ہے۔ مہدی نے ۲۷ محرم ۱۶۹ھ کو وفات پائی ان کی کوئی نعش نہیں ملی۔ ان کی نماز جنازہ رشید نے پڑھی اس وقت ان کی عمر ۴۲ سال تھی اس کا تابوت نہیں بنایا کیونکہ وہاں کوئی تابوت نہیں ملا ایک دروازہ پر رکھا اور ایک درخت کے نیچے دفنایا وہ دس سال کچھ مہینہ خلافت پر رہے۔

بدقسمتی سے ہمارے ہاں تاریخ پڑھتے ہی نہیں نہ علماء پڑھتے ہیں نہ دانشوران اگر پڑھتے ہیں تو عبرت اسباق نہیں لیتے ہیں تاریخ لکھنے والوں نے اس میں اہل عبرت کو اسباق سمجھ کر لکھا ہے یہ مسئلہ تنہا خلیفہ عباسی مہدی کو پیش نہیں آیا ہے آج تک حکمرانوں کو بھی پیش آتا ہے تنہا حکمرانوں کو نہیں علماء و مجتہدین کو بھی پیش آتا ہے، ہم مسلمانوں کی بدبختی و ابتری اور سقوط و زوال کے جو اسباب ہیں انہیں تلاش کرنا چاہیئے یہ یہود و نصاریٰ و مجوس کے پروردہ دانشمندان و علماء تھے جنہوں نے اسلام کے نام سے محمدؐ کے نام سے بت پرستی کو فروغ دیا ہے لہٰذا ہزاروں جانیں قربان کرنے کے باوجود آزادی نہیں ملتی ہے کیونکہ دین محمدؐ سے انحراف کر کے قائدین ہندوؤں سے دوستی کرتے ہیں قرآن کے خلاف ان سے اتباع کرتے ہیں، نقل رسولؐ اللہ پیدا کرتے ہیں پھر اس کو عوام کے جذبات کے احترام کا نام دیتے ہیں جس دن حکام و علماء مسلمین نے اللہ سے ڈرنے کی بجائے عوام سے ڈرنا شروع کیا ہے اس دن

سے وہ ذلیل ہو گئے اب یہ ان کی مجبوری بن گئی ہے یہاں اس سلسلہ میں دو مراجع کا نام لیتے ہیں آیت اللہ شہاب الدین مرعشی نے پیچیدگی مجلس کو واجب تک کرنے کیلئے رجال کشی میں ڈالنے کی وصیت کی تھی تا کہ ان کے علم اجتہاد کی کمی کا جبران کریں۔ آیت اللہ تقی بہجت نے ہر آئے دن امام زمان سے ملاقات اور ظہور ہونے کی خبریں سنائیں۔ آغا ساجد نے ذوالجناح پکڑ لی مرتضیٰ زیدی نے بہجت کی خبریں سنائیں۔

۴۔ **موسیٰ ہادی بن محمد مہدی:** [تاریخ دولت اسلامیہ ص۲۲۳]

موسیٰ بن محمد مہدی بن منصور لقب ہادی ،اس کی ماں خیزران تھیں، خیزران مہدی کی کنیز تھیں جنھیں آزاد کر کے مہدی نے اپنے عقد میں لیا، ان سے موسیٰ اور ہارون پیدا ہوئے۔ موسیٰ کا لقب اطبق" تھا ان کے ہونٹ پر زخم تھا اس پر جہاں اس کا منہ کھلا ہوتا تھا تو اس پر غلام کہتا تھا اطبق یہاں سے اس کا تخلص "اطبق" ہو گیا ۱۶ سال کی عمر میں اسے ولی عہد بنایا اور لشکر کی قیادت سونپی۔ وہ ۱۴۷ھ میں ایران کے شہر "رئے" میں پیدا ہوا، انگوٹھی کا نقش "موسی یومن باللہ" تھا موسیٰ شراب، مسکرات، لہو ولعب کا عادی تھا گدھے پر سوار ہوتا تھا ظالم و جابر انسان تھا مہدی کی موت کے وقت جرجان میں تھا مہدی کی وصیت کے مطابق خلیفہ بنا یہ پہلا خلیفہ ہے جس نے تلوار و نیزے سے مسلح لشکر سے سلامی لی۔ موسیٰ کے دور میں ان کے باپ کی وصیت پر بہت سے زندیقوں کو قتل کیا گیا۔ ۱۶ سال کی عمر میں اسے ولی عہد بنایا گیا جس وقت وہ خلجان میں تھا تو مہدی نے وفات پائی تو ہارون نے لشکر سے ان کیلئے بیعت لی یہ واقعہ ۱۶۹ھ میں پیش آیا۔

مدینہ میں ہادی کی طرف سے والی عمر بن عبدالعزیز خطابی نے علویین کے ساتھ جو جسارت اور توہین آمیز سلوک پہلے سے روا رکھا ہوا تھا اس میں زیادہ سختی کرنے لگا یہاں تک کہ حسن بن محمد پر شراب پینے کی تہمت لگائی

اور مدینہ میں اس کی تشہیر کرنے لگا اسی طرح تمام علویوں کو ہر ہفتے دارالامارہ میں حاضر کرنے کیلئے ایک دوسرے سے ضمانت لی وہ علویوں کو ذلیل و رسوا کرنا چاہتا تھا اس سلسلے میں حسین بن علی بن الحسن بن الحسن بن علی کی زعامت و ریاست میں والی مدینہ کو مدینہ سے نکال دیا چنانچہ وہاں سے وہ مکہ نکل گئے پھر مکہ پہنچنے سے سو میل پہلے ''فخ'' نامی جگہ پر لشکرِ بنی عباس سے جنگ ہوئی اور قتل عام ہوا، اس میں حسین سمیت ایک سو سے زائد افراد کو قتل کر کے ان کے سروں کو ہادی کے پاس بھیجا گیا یہ تھی موسیٰ ہادی کی کرسی اقتدار بچانے کے لئے دی جانے والی قربانیوں کی داستان۔

صفات ہادی:۔

ہادی اپنی خواتین کے بارے میں انتہائی غیرت مند تھا اس کی ماں خیزران مہدی کے دور میں حکومتی امور میں مداخلت رکھتی تھی خیزران نے وہی رویہ ہادی کے دور میں بھی جاری رکھا تو ہادی نے انھیں پیغام بھیجا بُری عورتوں کی طرح باہر مت نکلو اور اپنے کمرے میں بیٹھی رہو۔ عورتوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ امور مملکت میں دخالت کریں آپ اپنی نماز اور تسبیح میں مصروف رہیں۔ آپ کو گھر میں کوئی کام نہیں تو قرآن پڑھیں ہادی کی باتوں سے خیزران ٹھنڈی پڑ گئیں۔

ہادی بہت شجاعت مند اور قدرتمند تھا، رعیت سے ہمیشہ رابطے میں رہتا تھا فضل بن ربیع سے کہا لوگوں کو ہم سے دور نہیں رکھنا اگر رکھو گے تو ہم سے برکت ختم ہو جائے گی اپنے دروازوں کو لوگوں کی شکایت سننے کیلئے ہمیشہ کھلا رکھنا۔ بہت سخی انسان تھا لیکن خلافت کے امور نہیں چلا سکا۔

ہادی کے باپ مہدی نے ہادی کے بعد رشید کو ولی عہد بنایا تھا تو ہادی نے کوشش کی انھیں ولی عہدی سے نکال کر اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنائے اس کیلئے ہارون رشید تیار نہیں ہوئے بعض کا کہنا ہے یحیٰی بن خالد برمکی نے

ہادی کو روکا اور ان سے کہا کہ اگر آپ نے لوگوں کو بیعت کرنے اور پھر اسے توڑنے پر لگا یا تو ان کا ایمان کمزور ہو جائے گا اور وہ کہیں کہ آپ عہد و پیمان پورا نہیں کرتے ان کو اپنے حال پر چھوڑیں اور اپنے بھائی کے بعد اپنے بیٹے جعفر کیلئے بیعت لے لیں تو جعفر کی بیعت محکم ہو جائے گی ہادی اس پر راضی ہوا لیکن اندر سے ناراض تھا۔

اس نے ۱۴ ربیع الاوّل ۱۷۰ھ کو وفات پائی، اس وقت اس کی عمر ۲۴ سال تھی اس کی مدت خلافت ایک سال ۴۵ دن رہی اس کی موت کے سبب کے بارے میں بعض نے لکھا ہے اس کے جسم پر کوئی خاص زخم نکلا تھا، جس سے اس کی موت واقع ہوئی جبکہ بعض کا کہنا ہے اس کی ماں ''خیزران'' نے اس کو زہر دے کر قتل کیا ہے کیونکہ یہ اپنی غیرت اور حمیت کی بنیاد پر ماں کے ساتھ سختی کرتا تھا اسے اس کے شوہر مہدی کی طرف سے جو سہولیات حاصل تھیں اس پر سختی کرتا تھا۔

ہادی کے دور کے واقعات:۔

مہدی نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد زندیقوں کو نہیں چھوڑنا اور اپنی تمام تر توجہ اس گروہ کے خلاف رکھنا یہ لوگ ظاہری طور پر اچھے معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کا اندر بہت برا اور گندا ہے اس گروہ کے لیے گوشت کھانا، پانی کو مس کرنا حرام قرار دیا گیا ہے پھر انہوں نے دو معبودوں کی پرستش کی دعوت دی ایک معبود نور اور ایک معبود ظلمت کی۔ انہوں نے محرم سے نکاح کا اعلان کیا، راستہ میں گم نام بچوں کو یرغمال بنانا شروع کیا۔ ہادی نے ان پر سختی کی اور انھیں سخت اور دردناک سزائیں دیں ان میں سب سے پہلے قتل ہونے والا یزدان بن بان کاتب تھا جس نے کہا تھا جو حج کا طواف کرتے ہیں ان کی مثال اس بیل کی سی ہے جو ہل چلاتا ہے:

۱۔ ہادی کے دور میں ایک زنادقہ کا خروج اور ان سے جنگ ہے۔

۲۔ حسین بن علی کا قیام، ان کے دور میں حسین بن علی بن حسین جو علویین میں سے تھے انہوں نے خروج کیا اور مدینہ والوں نے کتاب اللہ اور سنت نبی کے تحت ان کی بیعت کی۔ بنی عباس نے ان کی مزاحمت کی لیکن وہ لوگ اس میں کامیاب نہیں ہوئے یہاں تک کہ حسین کا لشکر بیت المال تک پہنچ گیا اس کے مال پر انہوں نے قبضہ کیا اس کا جب ہادی کو پتہ چلا تو اس نے محمد بن سلیمان کو ان سے جنگ کیلئے بھیجا یہ لشکر لے کر حسین کے پاس حواری فخ پہنچے وہاں ان سے جنگ ہوئی حسین اور ان کے ساتھ جو لشکر قتل ہوا یہاں سے دو آدمی فرار ہوئے جن میں سے ایک ادریس بن عبداللہ بن حسین جس نے مغرب میں حکومت قائم کی ان کو ادار یہ کہتے ہیں اور اسکا دوسرا بھائی یحییٰ بن عبداللہ جو بلد دیلم گیا وہاں اس نے ہارون رشید کے مقابل میں حکومت قائم کی۔

۵۔ ہارون رشید:۔

ہارون رشید کنیت ابوجعفر یا ابوموسیٰ ۱۴۸ھ فارس کے شہر ''رئے'' میں پیدا ہوا، اس کا باپ مہدی اس وقت وہاں والی تھا ہارون اور ہادی دونوں کی ماں ''خیزران'' تھی۔

کتاب نساء فی تاریخ تالیف احمد خلیل جمعۃ ص ۲۲۹ پر آیا ہے خیزران بن عطار عربی نژاد سے تعلق رکھتی تھی اسیر ہو کر بغداد پہنچی اس کو خلیفہ محمد مہدی عباسی نے ایک لاکھ درہم میں خریدا، یہ عورت انتہائی فصاحت و بلاغت و نجابت کی حامل اور علم و ادب میں انتہائی نبوغت رکھتی تھی یہاں تک کہ اس نے خلیفہ مہدی کے دل میں اپنے لئے مقام بنایا۔ ۱۵۹ھ کو مہدی نے اس کو آزاد کیا پھر ان کو اپنے عقد میں لیا مہدی عباسی نے جب ان سے کہا میں آپ کو آزاد کر کے اپنے عقد میں لوں گا تو خیزران نے کہا پھر آپ ہمارے ساتھ انصاف نہیں کرسکیں گے تو مہدی کو تعجب ہوا امام اوزاعی سے اس کی وجہ

پوچھی۔ خیزران اپنی عقل و فراست کی وجہ سے امور مملکت میں مہدی کی شریک کار بنی تھی خیزران کے دو بیٹے تھے محمد ہادی اور محمد ہارون دونوں خلیفہ بنے، وہ مہدی کے بعد بھی امور مملکت میں مرجع خلائق بنی تو ان کے بیٹے ہادی کی غیرت نے برداشت نہیں کیا اپنی ماں کی امور مملکت میں مداخلت پر پابندی لگائی۔ محمد مہدی نے اپنی حیات میں اپنے بعد محمد ہادی اور محمد ہارون دونوں کو ولی عہد بنایا تھا ہادی کے خلیفہ بننے کے بعد اس کے وزیر نے ان کو مشورہ دیا کہ ہارون کو ولی عہدی سے ہٹا کر اپنے بیٹے کو ولی عہد بنائیں چنانچہ ہادی نے ہارون سے کہا تم اس منصب سے دست بردار ہو جاؤ تو خیزران اور یحییٰ بن برمکی دونوں نے ان کو منع کیا جس پر ہارون کو ہادی نے زندان بھیجا اتفاق سے ہادی اچانک وفات پا گیا، کہتے ہیں ماں نے زہر دیا ہے ہارون کے خوش بخت ہونے کے اسباب میں یہ کہا جاتا ہے ان کی ماں خیزران ہے زوجہ زبیدہ ہے دونوں نے اپنے دور میں بڑا مقام بنایا ہے۔

ہارون طویل قامت وخوبصورت وسفید تھا، ہارون مہدی کی وصیت پر اپنے بھائی ہادی کے بعد ۱۷۰ھ مسند خلافت پر بیٹھا۔

شیخ محمد خضری اپنی کتاب دولت عباسیہ ص ۱۲۰ پر لکھتے ہیں ہارون رشید دیندار اور تکالیف شرعیہ کا محافظ تھا وہ روزانہ ۱۰۰ رکعت نماز پڑھتا تھا ہر دن اپنے مال سے ایک ہزار درہم صدقہ دیتا تھا ہر سال حج کو جاتا جس سال جہاد کو جاتا تو اپنی طرف سے تین سو آدمی اپنے خرچہ پر حج پر بھیجتا تھا وعظ ونصیحت سنتا اور واعظ کی نصیحت پر روتا تھا۔

ہارون فصیح و بلیغ اور صاحب علم وادب تھا، علم اور اہل علم دونوں سے پیار کرتا تھا' ابن مبارک کی موت کی خبر سن کر خود کو اس کا عزادار پیش کیا اور اُمراء اور وزراء کو اپنے لئے تعزیت پیش کرنے کا حکم دیا، نظریہ خلق قرآن کے خلاف تھا یعنی قرآن مخلوق ہونے کا نظریہ رکھنے والوں کو واجب

القتل سمجھتا تھا۔ ہارون رشید دیگر خلفاء کی بنسبت دیندار تھا معلوم نہیں بزرگ علماء حاجیان امثال قرضاوی ایسے اشتباہ کیوں کرتے ہیں؟ کیا یہ ان کے فرقہ کی پالیسی ہے یا ان مستحبات کی کوئی دلیل قرآنی ہے؟ کیا صرف، دو یا چار رکعت کے کئی گونہ اجر وثواب واجبات کو چھوڑ کر بے اجر وثواب عبادت میں مصروف ہوجائیں؟ کیا یہ بھی کوئی صفت ہے کہ فلاں عالم دین نماز روزہ کا پابند تھا؟ صوم وصلوٰۃ وواجبات کے علاوہ مستحبات کی بھی پابندی کرتا تھا ہر دن صدقہ دیتا تھا' اگر جنگ پر نہ جاتا تو حج پر جاتا تھا' رحم دل تھا وعظ ونصیحت سنتے وقت زیادہ روتا تھا۔ ہارون کی خلافت انتہائی پُر ہیبت وسلطنت تھی اپنے مخالف کو سخت سزا دیتا تھا اپنے وزراء اور لشکر کے قائدین سے زیادہ خوف رکھتا تھا لہٰذا جاسوسی زیادہ کرتا تھا۔ ارباب اقتدار کیلئے اچھا ہے جس دن رعیت ان سے ڈرے، جن ایام میں ملک میں قانون نافذ ہو، ان کی اطاعت ہوتی ہے جس دن ارباب اقتدار اپنے خدمت گزاروں سے ڈرنے لگتے ہیں اسی دن سے صاحبان اقتدار کی موت قریب ہوجاتی ہے ان کو چین نہیں ملتا ان کی عقل کھوجاتی ہے اور وہ معمولی سی معمولی بات پر سزائیں دیتے ہیں۔

یہیں سے ارباب اقتدار میں ارتکاب جرائم شروع ہوتے ہیں دوستوں پر اعتماد کھو جاتا ہے' پھر یہ بغیر دلیل ہر شخص کے بارے میں وہم و گمان کرتے ہیں۔ یہیں سے ہارون نے امام موسیٰ بن جعفر کو طویل مدت زندان میں قید رکھا صرف اس گمان پر کہ کہیں وہ اس کے خلاف قیام نہ کریں۔ بعض ان کی خصلت پر یوں تبصرہ کرتے ہیں یہ تبصرہ ناقص ہے کہ اگر کوئی دوست بن کر اندر سے اس کی حکومت کے زوال کے لئے سرگرم ہو جائے اور حق وانصاف کی بھی وہ پروانہ نہ کرے تو کیا یہ اچھی بات ہوگی؟ بیدار وآگاہ ناظر ورقیب ہونا اچھی بات ہے۔ وہ قتل میں جلدی نہیں احتیاط

برتتا تھا۔

وہ اپنے دادا منصور کی سیرت پر چلتا تھا مگر مال میں حریص نہیں تھا جاحظ کہتا ہے ہارون کو اپنی حکومت کے لیے کچھ ایسی چیزیں ملی ہیں جو کسی اور خلیفہ کو نہیں ملیں۔

(۱)''برامکہ'' جیسا وزیر (۲)ابو یوسف جیسے قاضی

(۳)مروان بن حفصۃ جیسا شاعر (۴)عباس جیسے ندیم

(۵)''زبیدہ'' جیسی بیوی (۶) گانا گانے والا ابراہیم موصلی تھا (۷)اسکا دربان فضل بن ربیع تھا۔

اس کی زندگی حسن و جمال اور خوشی میں دولہا و دلہن کی طرح گزری۔ جاحظ کو اپنے دور کا بڑا مقتدر عالم بہت علوم وفنون میں مبتکر سمجھا جاتا ہے لیکن ان کا ہارون کی حکومت میں برامکہ کی وزارت اور مغنی گانا گانے والے کو سعادت سمجھنا حیرت کی بات ہے۔

شہنشاہ عالم:۔

تاریخ بشریت میں اب تک کوئی ایسی وسیع و عریض، دبدبہ و ہیبت، تمدن و ترقی والی سلطنت کسی بھی قوم اہل دین و دیانت، یہودیت و نصرانیت و مجوسیت کفر والحادیت نے پہلے نہیں دیکھی تھی جیسی سلطنتِ ہارون رشید تھی۔ جس نے بادل سے خطاب کر کے کہا تھا تو جہاں برسے گا وہاں سے ہمیں خراج آئیگا۔ ہارون کی شخصیت جامع اضداد وذو شخصیات تھی۔ خود ہارون کی عظمت وجلالت کو دیکھیں تو اسراف وتبذیر وفضول خرچی کے ساتھ ساتھ اس کے مرکز سلطنت بغداد میں خیر وشر سب فراوان تھے۔ جہاں علوم و فنون کے مدارس ومراکز تھے وہاں شہری جہالت ونادانی میں غرق تھے، دین و ایمان کے مراکز کے ساتھ فسق وفجور اور رقص وناچ اپنی بلندی پر تھے۔

عبادت و پرہیز گاری کے ساتھ لہو ولعب عام تھا، جواری وشرابی ہر جگہ

نمایاں تھے۔ جہاں مفسدین ومخربین کے ساتھ علماء وصالحین بھی تھے، اہل ذکر کے ساتھ گانا گانے والے اور شعراء کا بازار اپنی انتہاء کو پہنچا تھا۔ جہاں عفت وپاکیزگی کی حامل عورتوں کے ساتھ ساتھ برے کردار کی عورتوں کے بازار بھی تھے۔ جہاں قارونیان تھے وہاں مفت خوروں کی کمی نہیں تھی، ساتھ ساتھ تنگ دست بھی فراواں تھے۔ تمدن وترقی کے حوالہ سے دن رات مشغول ومصروف کاریگر تھے گویا مسلمانوں کے پاس اس وقت شہر آباد تھے جس وقت روم وفارس ایک تاریک گاؤں اور امریکہ وبرطانیہ وفرانس وحشی نشین لوگوں جیسی زندگی گزار رہے تھے۔

اتنی عظمت اتنی حشمت اتنی وسعت اتنی تمدن وحضارت والی مملکت کی کرسی پر بیٹھنے والے ہارون رشید کیوں' کس لئے' کس سعی مسلسل جہد جدو کوشش وریاضت اور انہماک واہتمام سے پہنچے تھے یا تقدیر ونصیب سے ان کا مقدر بنا تھا۔ کہتے ہیں ہارون علماء کا احترام کرتے تھے کس قسم کے علماء کا کس نوعیت کا احترام کرتے تھے احمص سے کہا آپ عالم ہیں ہم عقلاء ہیں اس لیے ہماری اجازت کے بغیر ہم سے بات نہ کریں کیا اس کو علماء کا احترام کہیں گے وہ اپنی سلطنت کو وراثت از محمد مصطفیٰ سمجھنے والے تھے کیا انہوں نے سیرت طیبہ محمد مصطفیٰ کی درسگاہ کھولی تھی یا وہ جوئے اور رقص وناچ گانے کے عاشق تھے بہرحال اتنی وسیع وعریض مملکت اب تک شاید کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔

جس وقت ان کی حکومت قائم ہوئی شام' بصرہ' کوفہ جزیرہ موصل' خراسان' حجاز' مصر' افریقہ' اندلس تک محیط تھی اور برصغیر میں مکران ملتان تک انکی حکومت تھی۔

خلافت ہارون کی طرف اس وقت آئی جب وہ انتہائی جوانی میں عیش و نوش کی زندگی گزارنے کے دور میں تھا خلافت اس کے لئے ایک اچانک

تحفہ تھی جو اسکی ماں اور اس کے بردار رضاعی کے باپ یحییٰ بن خالد برمکی کی حکمت عملی یا سازشی اور خیانتی کارنامہ کے تحت ان کے بھائی ہادی کو زہر دے کر ملی۔ انھیں خلافت کی خوش خبری یحییٰ بن خالد برمکی نے زندان میں جا کر دی جب وہ سویا ہوا تھا اس نے اچانک ان سے کہا اسلام علیک یا امیر المومنین۔ ہارون رشید اور جعفر دونوں برادر رضاعی تھے ہارون نے یحییٰ کی بیوی سے دودھ پیا تھا اس وجہ سے وہ یحییٰ کو یا ابا کہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ آپ نے ہی مجھے اس مسند پر بٹھایا ہے آپ کی رائے اور حسن تدبیر سے مجھے یہ مقام ملا ہے لہذا میں آپ کو اپنی مملکت چلانے کا اختیار سونپتا ہوں میں اس تمام ذمہ داری کو اپنی گردن سے اٹھا کر آپ کی گردن پر ڈالتا ہوں جو چاہے کریں جس کو رکھنا ہے رکھیں جس کو ہٹانا ہے آپ ہٹاؤ میں اس میں نظر ثانی نہیں کروں گا۔ یہ ہے ہارون رشید جس نے امانت اللہ و رسول کو اپنے محسن کیلئے بخشا، اس سے بڑی خیانت اور کیا ہوگی۔

ہارون رشید کی وسیع و عریض مملکت اسلامی کا نظم ونسق حل وعقد بذل و منع سب ایک فرد مجھول الدین، بددیانت وفاسدہ وآتش پرست کے حوالے کرنے سے پتہ چلتا ہے اس کو اس خلافت سے کس قسم کا لگاؤ تھا وہ اس سے کس قسم کا رشتہ رکھتے تھے۔

ہارون ذو شخصیات:۔[حیات موسیٰ بن جعفر تالیف محمد باقر قرشی ج۲ص ۲۵]

ان کے باپ نے اپنی حیات میں انہیں خلافت کیلئے نامزد کیا تھا اپنی حیات میں وہ بڑے کاموں کو اس کے سپرد کرتا تھا ہادی کے بعد، ان کو ولی عہد بنایا تھا جس دن اس کے بھائی ہادی نے وفات پائی اس کی عمر ۲۵ سال تھی اسکی حکومت میں ان کی ماں بہت دخل رکھتی تھیں خیزران نے ہی ہادی کو

زہر دے کر مارا تھا کیونکہ ہادی نے ان کی حکومتی امور میں مداخلت پر اس کی سرزنش کی تھی۔

ہارون جس دن خلافت پر بیٹھا اس دن اس کا بیٹا مامون پیدا ہوا، ہارون نے اپنی حیات میں اپنے بیٹے محمد کیلئے سنہ ۱۷۵ھ میں بیعت لی اس وقت امین کی عمر ۵ سال تھی یہ اس کی بیوی کی خواہش تھی، پھر دوسرے بیٹے عبداللہ کے لئے ۱۸۲ھ میں بیعت لی اور اسے ''مامون'' کا لقب دیا اور خراسان کا والی بنایا پھر ۱۸۶ھ میں قاسم کی ولی عہدی کے لئے بیعت لی اور اسے ''مؤمن'' کا لقب دیا اور جزیرے کیلئے والی بنایا جس وقت وہ چھوٹا تھا اسی وقت عقلاء نے کہا ہارون نے اپنی اولاد کے درمیان دشمنی کی بنیاد ڈال دی۔

ابن خلکان نے کہا ہے ہارون دن میں سو رکعت نماز پڑھتے تھے ان کو عبادت وخوف الٰہی اور دینداری میں خلفائے راشدین کی صف میں گنا جاتا ہے لیکن جب ہارون کی سیاست مالی اور توجہ بہ امور دین و دیانت پر نظر پڑتی ہے تو ان کو متقی و دیندار کہنا' ایک ناانصافی نظر آتی ہے ان کے خزانہ میں جمع ہونے والا تمام اموال لوگوں سے غارت گری' جبر وتشدد' حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر جمع کردہ تھے اور ان میں سے جو اس نے خرچ کیا وہ لہو ولعب اسراف وتبذیر اور رقص وناچ گانے پر صرف ہوتا تھا۔ اس کے دور حکومت میں اس کی درآمد سے نہ عامۃ الناس کی زندگی میں کوئی تبدیلی آئی نہ انہیں کوئی سہولت ملی اور نہ ان کے مال و دولت سے معارف وعلوم کی اشاعت میں کوئی درسگاہ بنی ۔اس نے اپنے دور خلافت میں اسلام کے حوالے سے یادگار کوئی چیز چھوڑی ہو نظر نہیں آتی۔

ہارون رشید و اموی: [قصص العرب ابراہیم شمس الدین ج ۲ ص ۲۱۰]

ہارون رشید کو خبر ملی کہ شام میں ایک بڑا شخص بنی امیہ سے وابستہ ہے

جو بہت مال و دولت کا مالک ہے اور اس سے آپ کی مملکت کو خطرہ لاحق ہے۔ ہارون رشید ان دنوں کوفہ میں تھا، منارہ نامی ایک حکومتی عہدیدار کہتا ہے ہارون نے مجھے بلایا اور کہا ابھی ایک سو غلام لے کر دمشق روانہ ہو جاؤں اور فلاں اموی کو پکڑ کر لاؤں اور والی شام کے لئے ایک خط بھی دیا اور کہا یہ انھیں نہیں دینا مگر اس صورت میں جب یہ شامی تمہارے ساتھ آنے میں مزاحمت کرے۔ اگر وہ آنے کیلئے آمادہ ہوا تو اسے پابند زنجیر کر و اسکی بود و باش، حرکات وسکنات تاثرات یاد رکھنا اور اس بارے میں مجھے تفصیل سے بتانا تمہیں چھ دن کی مہلت دیتا ہوں۔

ساتویں دن یہ دمشق پہنچے اور یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ یہ گھر محلات سے بھی عالی شان تھا انہوں نے انکا انتہائی احترام کیا۔ اس وقت وہ اموی نکلا۔ اس کے ساتھ اسکے پوتے پوتیاں کثیر تعداد میں تھے۔ انھوں نے اس کی بھرپور تواضع کی۔ اسکے بعد وہ اموی نمازِ ظہر کیلئے اٹھا۔ منارا کہتا ہے اسکے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوا اور آنے کا مقصد پوچھا، تو میں نے اسے بتایا۔ اس پر اس نے تمام گھر والوں کو بلایا اور انھیں بتایا یہ مجھے گرفتار کرنے آئے ہیں تم نے کوئی مزاحمت نہیں کرنی ہے اسکے بعد اس نے خود گرفتاری کے لئے اپنا ہاتھ پیش کیا میں نے ان کے ہاتھوں کو باندھا۔ راستے میں اس نے اپنے باغات دکھائے اسے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ ہم نے ان سے تنگ آ کر کہا یہ دولت تمہارے کیا کام آئے گی، تو اس نے کہا ''انا لله و انا الیه راجعون '' کہا میری عقل نے غلطی کی میری فکر وسوچ خطاء کر گئی میں سمجھتا تھا تم امیر المومنین کے پاس اتنا مقام رکھتے ہو، بہت عقل رکھتے ہونگے اب پتہ چلا تم ایک جاہل ہو تم خلفاء سے بات کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہو۔ مجھے اپنے رب پر امید ہے میری ذات اس کے قبضے میں ہے اور میرا اور امیر المومنین دونوں کا اختیار اس رب کے ہاتھ میں ہے اگر میری موت امیر

المومنین کے ہاتھ میں دی ہے تو کوئی چارہ نہیں جس کو میں دفع کروں اسطرح اگر اللہ ایسا نہ چاہے تو اگر امیر المومنین اور روئے زمین میں بسنے والے سب جمع ہو جائیں اور مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا پھر اس نے تلاوت قرآن شروع کی اسی حالت میں ہم کوفہ پہنچے تو اس وقت خلیفہ کی طرف سے ہمارا استقبال کرنے والے خبر لینے والے آگے بڑھے۔

ہم قصر ہارون رشید میں داخل ہوئے ہارون کہنے لگا بتاؤ کب وہاں پہنچے وہاں والوں کو کیسے پایا ان پر کیا اثرات دیکھے آج تک کے حالات کی تفصیل بتاؤ۔ میں نے اسے حالات تفصیل سے بیان کئے۔ تو ہاورن رشید نے کہا یقیناً اس شخص پر کسی نے تہمت باندھی ہے ہم نے اسے خوفزدہ کیا ہے۔ اسے آزاد کرو اور احترام کے ساتھ میرے پاس لاؤ ہارون نے حال احوال پوچھے اس نے کہا شام میں امیر المومنین کا والی نمونہ عدل امیر المومنین ہے ہمیں ان سے شکایت ہے نہ انہیں ہم سے شکایت ہارون نے ان سے کسی قسم کی حاجت پوچھی تو اس نے جواب دیا امیر المومنین اگر احسان فرمائیں تو مجھے بری کریں۔ ہارون نے اسے آزاد کرنے کا حکم دیا اور کہا مجھے اپنے حالات سے آگاہ رکھنا۔

سلطنت ہارون کی قیمت۔

عبد اللہ ابن مبارک اور ہارون دونوں ایک دسترخوان پر بیٹھے تھے ہارون نے پانی طلب کیا پینے سے پہلے عبد اللہ ابن مبارک نے ہارون سے پوچھا امیر المومنین! اگر یہ پانی نایاب ہو جائے نہ ملے تو آپ کتنی قیمت میں خریدیں گے ہارون نے کہا آدھی حکومت تو کہا آپ کیلئے گوارا ہو پئیں، پانی پینے کے بعد پھر سوال کیا اگر یہ پانی باہر نہ نکلے تو کتنی قیمت دے کر نکلوائیں گے ہارون نے کہا دوسری نصف دیں گے' تو ابن مبارک نے کہا جس

حکومت کی آدھی قیمت ایک گھونٹ پانی ہواوراس پانی کو نکالنے کی قیمت دوسری نصف ہواوراس حکومت کی کیا حیثیت ہوگی اس پر ہارون روپڑا۔

غناء گر خلیفہ:۔ [قصص العرب تالیف ابراہیم شمس الدین ج۳ص۱۵]

گرچہ غناء گرائی دربار خلفاء میں معاویہ سے شروع ہوئی لیکن اسے اپنی انتہاء کو پہنچانے اوراسلام و مسلمین کے مسائل سے صرف نظر کر کے مغنی و مغنیات سے شب بسری میں ہارون کا گزشتہ اور بعد میں آنے والوں میں پہلا نمبر بنتا ہے۔ کتنے مغنی و مغنیات دربار میں رکھتے تھے اوران کو بیت المال مسلمین سے کتنی رقوم میں خریدتا تھااور کتناان کے لئے خرچ کرتا تھااس بارے میں کتاب النفقات وادارتہافی دولۃ عباسیہ سے رجوع کریں۔ تاریخ خلفاء میں سب سے زیادہ مغنی ومغنیات سے لگاؤ پر صفحات ہارون سب سے زیادہ ہیں کسی اور کے بارے میں نہیں دیکھے ہیں یہی چیز آج کے حکمرانوں کا بھی وتیرہ بنی ہے جنہوں نے لبرل ازم اور لادینیت میں نمبر بنائے ہیں، آئیں دیکھتے ہیں غناء کا آغاز کہاں سے اور کس نے کیا۔ کہتے ہیں قوم عاد سے شروع ہوئی تھی لیکن اسلام آنے کے بعد اس کو فعل عبث لہو ولعب منصرف کنندہ از یاد اللہ و قیامت قرار دے کر ایک فعل قبیح سمجھا جاتا تھا غناء اسلام میں کب اور کس نے دوبارہ شروع کیا ہے اس کی کیا تاریخ ہے اسے کس نے آغاز کیا ہے۔

کہتے ہیں سب سے پہلے غناء شروع کرنے والے مضر بن نضار بن معد بن عدنان ہے ہشام کلبی لکھتا ہے غناء کی تین شکلیں نصب' سناد' ہزج ہیں۔ نصب عام طور پر سواراور کنیزیں اور زرخرید عورتیں کرتی ہے، سناد میں آواز کو کھینچ کھینچ کر پڑھتے ہیں اور ہزج بہت خفیف نرم ہلکی ہوتی ہے یہی چیز دلوں کو انگیختہ کرتی اور عاقل کو دیوانہ بناتی ہے۔ اصل غناء بلاد عرب میں اس نے پھیلایا ہے ان میں مدینہ' طائف' خیبر، وادی قرا، دومۃ الجندل، یمامہ اور

اسواق العرب شامل ہیں۔عربوں میں سب سے پہلے غناء گانے والے عاد کی دو جاریہ کنیز تھیں جنہیں جرادا تان کہتے تھے لیکن اسلام میں سب سے پہلے غناء گانے والا طویس ہے۔

طویس نے سب سے پہلے مسلمانوں میں گانا رواج دیا، اس نے حضرت عثمان کی خلافت کے دور میں شروع کیا تھا کہتے ہیں عمر بن عبدالعزیز جب مدینہ میں والی تھے تو لوگ ان کے ساتھ حج کے لئے نکلے تو حج میں جانے والوں میں ایک بکر بن اسماعیلی انصاری تھا‘ سعید بن عبدالرحمٰن بن حصان بن ثابت تھا واپسی پر یہ لوگ طویس مغنی سے ملے،طویس نے ان کو اپنے ہاں دعوت دی بکر بن اسماعیل نے کہا ہماری سواری اپنے گھر لے جاؤ تو سعید بن عبدالرحمٰن نے کہا کیا اس خبیث کے پاس نزول کریں گے تو بکر بن اسماعیل نے کہا ایک گھنٹہ ہے آرام کر کے جائیں گے۔پھر انہوں نے ان کی خاطر تواضع کرنے کے بعد گانا گانا شروع کیا یہ خبر سننے کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے ان کی مذمت کی اور نھیں ڈانٹا۔

ہارون اپنی نو عمری میں غناء میں مستغرق شہزادہ تھا اس نے مغنی، رقاص، ناچنے اور گانا گانے والوں کے بیچ میں ہی نشو ونما پائی۔اس کا محل مغنی ومغنیات سے بھرا رہتا تھا ہر قسم کے آلات موسیقی وہاں موجود ہوتے تھے ہارون رشید نے مغنیات کے طبقات بنائے ان میں سب سے زیادہ نمبر پر ابراہیم موصلی‘ ابن جامع ‘ زلزل ضارب طبقہ اولیٰ میں تھے۔طبقہ دوم میں اسحاق‘ سلیم بن سلام عمرو غزال تھے طبقہ سوم میں دف وتنبور پر ناچنے والے تھے۔کہتے ہیں ان میں سے گانوں کی ایک سو آوازوں کا انتخاب کیا تھا۔ان ایک سو میں سے اس نے دس کو انتخاب کیا اور پھر ان دس میں سے تین کو۔

ابراہیم موصلی نے ہادی سے عہد کیا تھا کہ وہ ان کے بعد کسی کے لئے گانا نہیں گائیں گے جب ہادی مرا تو ابراہیم نے غناء چھوڑ دیا اور اپنے وعدہ

پر وفا کی لیکن ہارون رشید نے اسے حکم دیا کہ وہ ان کیلئے گانا گائیں اس نے انکار کیا تو اسے زندان بھیجا گیا اور کہا جب تک آ کر مجلس میں گانا نہیں سنائیں گے آزادی نہیں ملے گی ایک شاعر نے اہل بیت آل علی کی شان میں قصیدہ پڑھا تھا اس کو بھی زندان میں ڈالا تو اس نے برہان سے کہا ایک کو شعر کہنے پر زندان ایک کو نہ کہنے پر زندان بھیجا۔ ابراہیم بن معد ظہری وعاظ سلاطین میں سے تھے ہارون رشید ان کی تعظیم و تکریم کرتے تھے ان سے گانا گانے کے بارے میں استفتاء کیا۔ انہوں نے کہا قصر میں خلیفہ کی خواہش کے تحت گانا گانا جائز ہے' یہاں سے اندازہ لگا سکتے ہیں مفتیانِ دربار عباسی اتنے آزاد اور خود مختار نہیں تھے۔ اس کے بعد ابراہیم نے کہا مجھے تمہاری خبر ملی ہے میں خواہش رکھتا تھا کہ تم سے کوئی حدیث سنوں لیکن اب تم سے کوئی حدیث نہیں سنوں گا۔

گانا ہارون رشید کے دور میں حد سے زیادہ بڑھ گیا تھا یہاں تک کہ گانا انسان کی ضروریات میں شمار ہونے لگا مغنی ومغنیات عام بازار سڑکوں اور عام گھروں میں اغنیاء وفقراء سب کے گھروں میں گانا گایا جاتا تھا۔ لوگوں کا ایک مشغلہ اور رواج بن چکا تھا۔ اگر بازار میں کوئی گانا گاتا تو لوگ وہاں جمع ہو جاتے یہاں تک کہ زیادہ لوگوں کے جمع ہونے کی وجہ سے بغداد میں پل ٹوٹ گیا۔ یہ سب کیوں ہوا چونکہ ان کا بادشاہ انہیں رغبت دلا رہا تھا وہ ان لذتوں سے جدا نہیں ہوئے یہاں تک کہ اس نے اپنے بھائی ابراہیم بن مہدی کو بلایا کہ وہ ان کے لئے گانا گائے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ روئے زمین میں گانے کے بارے میں اس وقت ہارون سے زیادہ کوئی شوقین نہیں تھا ابن جامع کہتے ہیں اللہ کی قسم ۲۰ سال سے گانا سن رہا ہوں یہاں تک کہ یہ شغف ان کے بیٹے امین میں سرایت کر گیا اور وہ بھی اس میں مستغرق ہو گیا تھا یہاں تک کہ دشمن نے اس کے محل کا احاطہ کیا اسے قتل کرنے کے لئے

آئے تو اس وقت بھی وہ گانا سن رہا تھا۔

گانوں کا مقابلہ:۔[قصص العرب جاد مولیٰ ج ۴ ص ۴۷ شمارہ ۲۵]

ہارون نے ایک دن جعفر بن یحییٰ سے کہا ایک عرصہ ہوا گانا گانے کی کوئی اچھی محفل نہیں ہوئی اس دفعہ ہم ان گلوکاروں میں مقابلہ کروائیں گے ایک طرف خود ہارون رشید تھا اس کا گانا گانے والا ابن جامع تھا دوسری طرف جعفر کے ساتھ ابراہیم موصلی تھا۔ فیصلہ کرنے والے وہاں بیٹھے ہوئے تھے رشید نے ابن جامع سے کہا بہترین آواز میں گانا گائیں تو ابن جامع نے ایسا گانا گایا ہارون رشید ناچنے لگا جب ختم ہوا تو ہارون رشید نے ابراہیم سے کہا تمہارے پاس کیا ہے تو ابراہیم نے کہا امیرالمومنین میرے پاس اس کا مقابلہ نہیں عجز و ناتوانی وانکساری کا مظاہرہ کیا پھر ہارون رشید نے جعفر سے کہا ہم جیت گئے پھر ہارون نے ابن جامع سے کہا اور گاؤ تو اس نے دوسرا گانا گایا جو پہلے سے اچھا تھا پھر رشید نے ابراہیم سے کہا گاؤ تو اس نے انکار کیا تو ہارون رشید نے کہا یہ دوسری دفعہ بھی ہم جیت گئے اسی طرح تیسری دفعہ اسماعیل سے گانا گانے کیلئے کہا جو پہلے دو سے بہتر تھا پھر ابراہیم سے اسکا مقابل لانے کیلئے کہا تو کہا نہیں تو جعفر نے کہا اللہ تمہیں ذلیل کرے اس دن ابن جامع نے بہت سے انعام اور خلعتیں لیں اور ابراہیم ذلیل وخوار ہو کر گیا۔ اس سلسلہ میں وارد اخبار اپنی جگہ احتمال صدق و کذب میں مساوی درجہ رکھتے ہیں اگر احتمال کذب دینے والوں کے پاس کوئی دلائل قوی ہوں یا نہ ہوں تو احتمال صدق اخبار صحیح قرار پائیں گے تمام خلفاء سوائے منصور دوانیقی اس مرض میں مبتلا تھے۔

لیکن طنطاوی صاحب کا یہ جملہ درست نہیں کہ بیت المال مسلمین کو اپنے اقتدار کا زینہ بنانے والے کے بارے میں یہ کہیں کہ ''انہوں نے جود و سخاء کی حدود سے تجاوز کیا ہے'' یہ جملہ صحیح نہیں کیونکہ جود وسخاء وہاں ہوتی ہے

جہاں اپنی دولت سے ہو۔اسراف وتبذیر اپنی اموال سے کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے جبکہ اموال حکومت تو اللہ کی طرف سے دی ہوئی امانت ہے یہاں خردل،نقر برابر فضول خرچ کرنا خیانت ہوگی ۔لہٰذا علمائے بزرگوار نے کہا ہے یہاں جو خرچ کیا ہے اس کو تنہا اسراف وتبذیر نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہاں خیانت بھی ہے اور جہاں دے رہے تھے وہ بھی شریف ونجیب' دیندار و فقیر او مسکین محتاج نہیں بلکہ تملق وچاپلوسی کرنے والے اور شعر گو گانا گانے والے اور شراب کی پذیرائی کرنے والے گروہ تھے۔کیا اتنے جرم و جنایت اور غصب و ہلاکت کرنے والے کی خیانت کو جود وسخاء کا نام دیں گے اور انھیں بھی دوستدار اہل بیت کہیں گے؟ جنہوں نے اپنے کسب وکاج کے مال سے جود وسخاء نہیں کی بلکہ انہوں نے اپنے پاس مسلمانوں کی امانت میں خیانت کی ہے کسی کو اسلام ودین ودیانت اور استحقاق کی بنیاد پر نہیں نوازتے تھے بلکہ نص قرآن کے تحت ان کی معاونت حرام تھی۔ جو دولت مسلمانوں تک پہچانی تھی اسے انھوں نے اپنے عیش ونوش،لہولعب، رقاصوں اور گانا گانے والوں پر صرف کیا اگر تاریخ میں بیت المال مسلمین کو اپنی رقص وناچ میں صرف اور اس مال کے بل بوتے پر کی ظلم کی مثال دینا چاہیں تو ہارون کا ثانی نہیں ملے گا کاش جو لوگ عدالت کا مطالبہ کرنے کیلئے مصر وعراق سے مدینہ پہنچے تھے اور جنہوں نے خلیفہ کو اپنے گھر میں قتل کر دیا تھا وہ ایک دفعہ بغداد میں پہنچتے قصر ہارون کا محاصرہ کرتے برامکۃ کے عزل کا مطالبہ کرتے تو تھوڑا سا چہرہ ہارون بچ جاتا ان کو بھی مظلوم خلیفہ میں حساب کرتے اگر کسی کے ایسے ظلم سے گردن بھاری ہونے کی کوئی بڑی مثال پیش کرنی ہو تو وہ ہارون رشید اور اس کی کابینہ اور انتظامیہ برامکہ کی مثال ہوگی۔

مسجد رسول میں غناء:۔ [کتاب قصص العرب ج ۴ ص ۹۲ شمارہ ۳۱۱]

ابراہیم ھرانی کہتا ہے میں امیر المومنین ہارون رشید کے ساتھ حج پر گیا

جب ہم مسجد رسولؐ میں قبر و منبر کے پاس پہنچے تو وہاں ایک خوبصورت چہرہ خضاب زدہ آدمی کو پایا ان کے ساتھ ان جیسا ایک اور شخص تھا جو وہاں غنا گانے لگا میں نے نماز ختم کر کے اسے سلام کیا اور اسے کہا رسول اللہ کی مسجد میں بھی گانا گاتے ہو وہ مجھے کہنے لگا تم کتنے جاہل ہو کیا جنت میں غنا نہیں؟ وہاں جو چاہو گے موجود ہو گا ہم بھی ریاض الجنت میں ہیں میں نے کہا اللہ تمہیں ختم کرے تم مسجد رسول میں بھی اس طرح کی باتیں کرتے ہو۔

ص ۹۶ شمارہ ۳۳۴ اسماعیل بن ھریز اہل مکہ ہارون کے پاس پہنچا اس وقت ابن جامع ابراہیم ان کا بیٹا اسحٰق اور فلیح گانا گانے والے موجود تھے۔ یہ ہارون رشید کے دور تک زندہ رہا۔ جس وقت ہارون ضعیف و کمزور تھا تو ابن جامع فلیح پھر ابراہیم اور پھر اسحٰق سے کوئی بھی اسے پسند نہیں آیا۔ ھریز اس وقت اٹھا اس نے گانا شروع کیا۔ گانا سن کر ہارون رشید رقص کرنے لگا پھر اسے دس ہزار درہم دیئے۔ وہ کہنے لگا امیر المومنین میری اس آواز کے پیچھے ایک کہانی ہے اگر اجازت دیں تو سناؤں۔ اجازت ملنے پر کہنے لگا۔ میں کسی اولاد زبیری کے مملوک میں تھا اس نے مجھے دو درہم دیئے تا کہ گوشت خرید کر لاؤں۔ مجھے راستے میں ایک عورت ملی جس کے سر پر کوزہ تھا اس نے ایک شعر لحن میں پڑھا میں نے اس سے کہا مجھے سکھاؤ تو وہ کہنے لگی دو درہم دو میں نے دو درہم اسے دے دیئے۔ جب واپس اپنے آقا کے پاس آیا تو اس نے مجھے مارا پھر مجھے دو درہم دیئے راستے میں پھر وہی لڑکی مجھے ملی میں نے اس سے کہا دوبارہ مجھے سکھاؤ تو کہنے لگی نہیں دو درہم دو جب میں واپس اپنے مالک کے پاس آیا تو اس نے دو درہموں کے بارے میں پوچھا میں نے اسے یہ قصہ سنایا اور ساتھ ہی وہ گانا سنایا اس نے میری آنکھوں کو بوسہ کیا اور مجھے آزاد کر دیا۔ اس نے ہارون الرشید سے کہا یہ وہ آواز تھی جو میں نے آپکو سنائی ہے۔ اس پر تو ہارون نے اسے ہر درہم کے مقابلے میں ہزار درہم

دیئے۔

وفیات الاعیان ج ا ص ۲۰۳ شمارہ ۸۷ میں آیا ہے۔

اسحاق موصلی غنا میں اپنے دور کے نامور انواع و اقسام غنا سے آگاہی رکھنے کے ساتھ فقہ، علم کلام اور حدیث پر بھی عبور رکھتا تھا اس نے مغنی کے نام سے شہرت پائی جو اس کے لئے ناگوار تھا چنانچہ اس نے قاضی یحییٰ سے کہا حضرت قاضی! آپ جانتے ہیں کہ میں علوم وفنون میں سب پر عبور رکھتا ہوں مجھے صرف غنا کے حوالے سے تعارف کروانا صحیح نہیں وہ اس حد تک مغرور تھا قاضی نے عطوی سے کہا اس کا جواب آپ دیں۔عطوی نے اسحاق سے کہا کیا تم اخفش فراء کے برابر ہو کہا نہیں، کیا تم اصمعی 'ابی عبیدہ جیسے شعر گوئی و لغت میں برابر ہو کہا نہیں، کیا تم علم کلام میں ابی الھذیل علاف، ابراہیم النظام بلخی جیسے ہو کہا نہیں، کیا تم فقہ میں قاضی یحییٰ جیسے ہو یا شعر گوئی میں ابی عطاء جیسے ہو، ابی قواس جیسے ہو تو کہا یہاں سے تمہارا مقام ان کے برابر نہیں جس پر اسے شرمندگی ہوئی۔

خلفاء اسے اپنے قریب رکھتے اور اس کی تکریم کرتے تھے مامون نے کہا اسحاق موصلی غنا گوئی میں مشہور نہ ہوتا تو ہم اسے قاضی بناتے کہتے ہیں آخری عمر میں مرنے سے پہلے وہ نابینا ہو گیا تھا۔اس کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی جبکہ اس نے ۲۳۶ھ میں وفات پائی۔

اسحاق موصلی اپنے باپ کے ساتھ ابن جامع کے پاس:۔

[قصص العرب تالیف حاد موسیٰ ج ا ص ۴۱۲]

ایک دن اسحاق موصلی اپنے باپ کے پاس سلام کرنے آئے تو باپ نے کہا اے بیٹا میں کسی کو نہیں جانتا ہوں جو اپنے بیٹے کے نیک کردار سے محظوظ ہو جتنا میں تم سے ہوں یہ نیکیاں میں تمہارے لئے کم سمجھتا ہوں آیا تمہاری کوئی حاجت ہے میں تمہاری محبت میں اس کو پورا کروں اسحاق نے

کہا میں آپ پر فدا ہوں آپ نے جو کچھ کہا ہے میں اس پر یہ کہوں گا کہ اللہ آپ کو طول عمر دے آپ سے سوال کرتا ہوں جب کہ میں آپ کے پاس اتنا محترم و عزیز ہوں تو باپ نے کہا یہ شیخ کون ہے کہا تم گھوڑے پر زین لگاؤ، چلتے ہیں ہم ابن جامع کے پاس آئے اور میرے باپ ساتھ تھے تو باپ نے ابن جامع سے کہا اے ابا القاسم! میں آج آپ کے پاس آیا ہوں، اگر چاہیں مجھے گالی دیں یا مجھے باہر نکالیں لیکن میری ایک حاجت ہے، اس کو پورا کرنا ہے یہ آپ کا غلام ہے، آپ کے بھائی کا بیٹا ہے اس نے مجھ سے ایسی باتیں کی ہیں میں گھوڑا اسوار ہو کے اس کے ساتھ آیا ہوں۔

ان کے سوالات کے جواب دے دیں تو ابن جامع نے کہا ٹھیک ہے ایک شرط کے ساتھ یہاں بیٹھیں گے کھانا کھائیں گے شراب پئیں گے اگر خلیفہ کا پیغام آیا تو ان کے پاس جائیں گے ورنہ آج یہاں رہیں گے۔ ابراہیم نے کہا سمعاً وطوعاً، گھوڑا باندھ لیا ابن جامع کھانا لایا شراب لایا کھانا کھایا اور گانا گانا شروع کیا۔ میں اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا اپنی آنکھ باپ پر رکھی ہوئی تھی باپ کی آنکھ میں میری حیثیت گر رہی تھی ابن جامع کو پکڑا دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ میں اپنی آنکھوں میں باپ کو بے حیثیت دیکھ رہا تھا اتنے میں پیغام خلیفہ آیا دونوں سوار ہو کر خلیفہ کے پاس گئے راستے میں میرے باپ نے ہم سے کہا بیٹا ابن جامع کو کیسا پایا میں نے کہا آپ کی مہربانی مجھے معاف رکھیں۔ دوبارہ استفسار پر کہا میری نظر میں آپ سے بڑا کوئی نہیں تھا لیکن غنا میں آپ کو چھوٹا پایا ہارون رشید کے پاس پہنچا واپس گھر آیا ہارون رشید کے پاس پہنچا نہیں تھا کہ میرے باپ نے میرے پاس آدمی بھیجے کہا بیٹا یہ سردی آگئی ہے تم محتاج مند ہو اس مال کو اپنی حاجتوں پر خرچ کرو میں نے باپ کے ہاتھوں کو چوما مال اٹھایا باپ نے آواز دی اسحاق واپس آجاؤ میں نے یہ چیزیں تمہیں کیوں دی ہے کہا جانتا ہوں مگر آپ بتا دیں میں نے اور

ابن جامع کے بارے میں صحیح فیصلہ کیا ابراہیم نے کہا تم نے سچ کہا۔

زریاب:۔

قصص العرب ابراہیم شمس الدین ج ۳ص ۱۰۷ از ریاب اسحاق موصلی کا شاگرد تھا وہ اسحاق موصلی کی غناء سے سرقت کرتا تھا اور خود ان جیسی طبیعی صلاحیت بھی رکھتا تھا صنعت صوت بھی رکھتا تھا اچھی آواز کا حامل تھا یہاں تک کہ اسحاق موصلی پر برتری حاصل کئے ہوئے تھا لیکن اسحاق موصلی کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ شاگرد ان سے آگے نکلے گا ہارون رشید نے اسحاق سے کہا آج میرے پاس کوئی ایسا مغنی لائیں جو میں نے کبھی نہ سنا ہو جس کی آواز اچھی ہو اور وہ یہاں نہ آیا ہو تو اسحاق موصلی نے کہا آپ کے غلاموں میں ایک ہے میں نے اس کی آواز کو چھپایا ہے وہ میرا شاگرد ہے میری فکری سوچ کا آئینہ ہے ہارون نے کہا یہ میری خواہش ہے اس کو حاضر کیا جائے ان سے اس کا تعارف پوچھا تو انتہا ادب وفصاحت واختصار میں جواب دیا پوچھا غناء آتے ہیں کہا جی ہاں وہ سناؤ جسے لوگ پسند کرتے ہیں جب اس نے گانا شروع کیا ہارون ناچنے لگا جب اسحاق آیا تو ہارون نے کہا اگر تم سچ نہ کہتے تو میں تمہیں بدترین سزا دیتا کہ تم نے ایسے شخص کو مجھ سے چھپا کے رکھا ان کو تمام مغنیوں پر فوقیت دی اس صورت حال کو دیکھنے کے بعد مرض حسد نے ان پر حملہ کیا وہ اس کا مداوا کرنے سے عاجز آیا زریاب سے خلوت میں گفتگو کی حسد ایک پرانا مرض ہے دنیا میں اپنے کسی ہنر وصنعت میں کسی دوسرے کی شرکت کو باعث عداوت بنتی ہے اس کا کوئی مداوا نہیں اس کو ختم کرنے کا کوئی چارہ نہیں سوائے اس کے کہ تم یہاں سے کسی اور جگہ چلے جاؤ جہاں کا کسی کو پتہ نہ ہو یا میں تمہارے بارے میں سوچوں۔سلاطین بنی امیہ وعباس اور آخر میں عثمانیوں کی تاریخ تضاد وتناقض سے پر ہے کچھ لوگوں نے ان کے چہرہ بد کو چھپانے کے لئے قصہ کہانیاں بنائی ہیں جنہیں اس سے اس حکومت نے

ذرائع حکومت سے نشر و اشاعت کی ہے اس کے بالمقابل ان کی مخالفین نے ان پر تہمت و افتراء بھی باندھا ہے لیکن تحقیق کنندگان نے جس طرح سونا تلاش کرتے ہیں جواہرات تلاش کرتے ہیں تیل گیس تلاش کرتے ہیں اسی طرح موجود مخلوط چہروں کا تعین کرتے ہیں اور جو دونوں طرف کے مشترکات ہوں اس سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں ان میں اچھے اور صالح سلاطین کو تحفہ دینے والوں کی مثال عصر حاضر میں مساجد و مدارس بنانے والے علماء کو لفافہ و سہولیات دینے والے کی مثال ہے انہیں سرمایہ دینے والے اپنے ذاتی مال سے خرچ نہیں کرتے بلکہ کمشن میں ملنے والے پیسوں سے خرچ کرتے ہیں ہارون کے وکلاء میں بہت سے علماء و مولفین امثال یوسف قرضاوی نے ہارون سے متعلق قصّہ کہانیوں کو خلیفہ ہارون رشید پر تہمت و افتراء کہا ہے۔

۱۔ ہارون رشید ایک غناء پسند غنا گر خلیفہ تھے۔

۲۔ وہ شراب پیتے تھے۔

۳۔ وہ اسراف کرتے تھے۔

۴۔ بعض حضرات کا کہنا ہے ان کے وزراء خاندان برامکہ فاسد العقیدہ تھے درست نہیں یہ ان پر تہمت و افتراء ہے ان الزامات کی دو تفاسیر ہو سکتی ہیں:

۱۔ سرے سے انکار کریں یہ باتیں بالکل باطل ہیں ہارون کی زندگی کا تعارف اس چیز کی نفی کرتا ہے دوسری تفسیر ان میں مبالغہ آرائی ہے کچھ نہ کچھ ہوگا لیکن مبالغہ زیادہ ہے یہ تفسیر زیادہ قرین صحت لگتی ہے لیکن جن نکات سے قرضاوی نے ان سے دفاع کیا ہے اس کی مثال تند و تیز آندھی و طوفان میں خود کو چھتری سے بچانے جیسی ہے اس سلسلہ میں کچھ اشارات ہم نے تمہید میں لکھے ہیں۔

جن نکات سے ہارون سے دفاع کیا ہے وہ کمزور یا بے بنیاد ہیں مثلاً ہارون ہر دن سو رکعت نماز پڑھتے تھے یہ کونسی نماز پڑھتے تھے اسلام میں ایسی نمازوں کی حیثیت مشکوک ہے ان کی مستند سند نہیں ملتی ہے ہارون اتنا مال صدقہ دیتے تھے ہارون کو برامکہ اسراف سے روک کر ملک وملت کے لئے خرچ کرتے تو ملک میں کوئی ضرورت مند نہ ہوتا جو صدقات کا حقدار ہو جو کچھ اس کے پاس جمع تھا وہ مال مسلمین تھا وہ علماء کا احترام کرتے تھے شریعت میں علماء کے احترام کا ذکر نہیں ملتا اگر واقعی صحیح معنوں میں علماء تھے تو ان کی اطاعت ہوتی ہے احترام نہیں وہ علماء ریزہ خوار ان ہارون تھے ہارون کی دین و دیانت ابو یوسف سے اور راتوں رات لینے والی قضاوتوں میں دیکھ سکتے ہیں۔

کہتے ہیں ہارون کو اپنے باپ مہدی کی ایک کنیز سے عشق ہوا تو کنیز نے کہا میں تمہارے لئے جائز نہیں ہوں کیونکہ تمہارا باپ مجھ سے گزر چکا ہے لیکن اس کے عشق میں ہیجان آیا اس نے ابو یوسف سے کوئی راہ نکالنے کا کہا ابو یوسف نے کہا اے امیر المومنین کنیز جو بھی دعویٰ کرے اس کی تصدیق کرنا مناسب نہیں ہے وہ سچ نہیں، جھوٹ بولتی ہے۔ اس سلسلے میں مبارک نے کہا میں کس بات پر تعجب کروں اس انسان پر تعجب کروں جس نے اپنے ہاتھ کو مسلمانوں کے خون و مال میں ڈبویا ہوا ہے جو اپنے باپ کی حرمت نہیں رکھتا یا اس کنیز پر تعجب کروں جس نے اپنے دین اور ایمان کی خاطر امیر المومنین سے منہ موڑ لیا یعنی اس کی خواہش پوری نہیں کی یا اس فقیہ وقاضی پر تعجب کروں جس نے کہا باپ کی حرمت کو توڑ و اور اپنی شہوت پوری کرو اور گناہ میری گردن پر ڈالو۔ ابو یوسف سے ہارون نے پوچھا میں نے ایک کنیز خریدی ہے ابھی چاہتا ہوں کہ استبراء ہونے سے پہلے ہمبستری کروں اس کیلئے کوئی چارہ ہے، ابو یوسف نے کہا ہاں کنیز کو خرید و پھر اس کو

آزاد کرو کسی بیٹے کیلئے ہبہ کرو پھر اس سے عقد کرو۔ ہارون رشید بنی عباس کا وہ پہلا خلیفہ ہے جس نے گیند اور شطرنج سے کھیلا ہے۔
خلفائے عباسی کو گوارا نہیں تھا کہ شام میں کوئی صاحب حیثیت موجود ہوں چنانچہ اس سلسلہ میں ملاحظہ کریں۔

ہاورن رشید اور ابراہیم مغنی:۔

ابراہیم مغنی نے ایک دن ہارون رشید کے سامنے گانا گایا تو اس نے کہا اللہ تم پر احسان کرے تو کہا یا امیر المومنین اللہ مجھ پر آپ کے ذریعہ احسان کرتا ہے تو اس نے اس کو ایک لاکھ درہم دیئے۔

بنی عباس کے خلاف علویین کا قیام:۔

علیون میں سے اولاد امام حسن اور اولاد زید بن علی دونوں خود کو اس منصب کا حقدار سمجھتے تھے جبکہ اولاد محمد بن حنفیہ نے اپنا یہ حق بنی عباس کو دیا جب خلافت کو بنی عباس کے لئے مستحکم ہوتے دیکھا تو اولاد امام حسن اور اولاد زید علی روپوش ہو گئے یہاں سے خلفاء بنی عباس کو تشویش لاحق ہوئی ان کا پیچھا کیا۔
مدینہ میں منصور کے خلاف نفس زکیہ کے قیام اور بعد میں ہادی کے خلاف مکہ کے قریب وادی فخ میں حسنیوں کا قیام ہے جس کی وجہ سے بہت سے علویین قتل ہوئے اور بہت قید ہوئے۔ یہاں سے عباسی ان پر سختی کرنے لگے ہارون نے چاہا ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور انھیں اپنی طرف جلب کرے لہٰذا اس نے زندان میں سادات، علویین کو آزاد کیا اور انھیں مدینہ چھوڑا لیکن ان میں سے ان کے خلاف خروج کرنے والے جو فخ سے فرار ہوئے اور بلاد دیلم گئے۔ وہاں انہوں نے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دی بہت سے لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا وہاں ان کی حکومت مستحکم ہوئی۔

جب ہارون رشید کو پتہ چلا تو اس نے فضل بن یحییٰ بن خالد کو ۵۰ ہزار لشکر کے ساتھ بھیجا، فضل عاقل تھے انہوں نے یحییٰ اور خلیفہ کے درمیان صلح کرانا چاہی اس صلح میں وہ کامیاب ہوئے انہوں نے خلیفہ سے عہد و پیمان لیا، فقہا، قضاۃ، بنی ہاشم کی شخصیات کو اس پر گواہ رکھا یہاں تک کہ اس کو ہارون رشید کے سامنے پیش کیا۔ ہارون رشید اس سے راضی ہوئے اور انہیں کثیر تحفے تحائف دیئے اس طرح فضل کا مقام ان کے پاس بلند ہوا۔

۲۔ یحییٰ کے بھائی ادریس بھی فخ سے فرار ہوئے اور مصر پہنچے وہاں سے پھر مغرب اقصیٰ پہنچے بہت سے لوگ وہاں ان کے پاس جمع ہوئے وہاں انھوں نے علویین کی حکومت قائم کی جو بعد میں دولت ادارسہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ ہارون رشید نے ان کی حکومت کو ہٹانے کیلئے ایک لشکر بھیجنے کا ارادہ کیا لیکن طویل مسافت کی وجہ سے اپنا ارادہ ترک کیا اور خفیہ طور پر ایک شخص سلیمان حرب جو سماح کے نام سے معروف تھا کو انہیں قتل کرنے کے لئے بھیجا۔

۳۔ خوارج، جنہوں نے علی کے خلاف قیام کیا تھا وہ آپ کے بعد بھی خلفاءً کے خلاف خروج کرتے رہے بنی امیہ نے انھیں دبا کر رکھا تھا جب بھی انھیں محسوس ہوا وہ قدرت میں آگئے ہیں وہ فوراً خروج کرتے تھے ان میں سے ایک ولید بن طریف شاری ہے جو بہت شجاعت مند تھا اس نے نصیبین میں خروج کیا پھر ارمینیہ گیا اور پھر ۱۸۹ھ کو جزیرہ گیا۔ رشید نے اس پر لشکر کشی کے لیے یزید بن مزید الشیبانی کو انتخاب کیا تھا جب لشکر آمنے سامنے ہوا تو یزید نے ندا دی کہ اے ولید! تم کیا چاہتے ہو لشکر کے اندر کیوں چھپے ہوئے ہو باہر آجاؤ تو اس نے کہا ہاں واللہ میں باہر آرہا ہوں دونوں کے درمیان ایک گھنٹہ لڑائی ہوئی یزید غالب آیا اس نے اس کا سر کاٹ کر ہارون رشید کیلئے بھیجا۔

۴۔ ہارون رشید کو مشرق کی طرف سے ماوراء النہر جیحون کی طرف سے خطرہ تھا وہاں اس نے عیسیٰ بن ماھان کو انتخاب کیا جب عیسیٰ بن ماھان وہاں پہنچا تو اس نے لوگوں پر ظلم کیا اور بہت مال جمع کیا اور اس میں سے کچھ مال ہارون رشید کیلئے بھیجا۔ ہارون نے یحییٰ بن خالد سے کہا یہ جو مال علی بن عیسیٰ نے بھیجا ہے وہ کہاں سے لاتے ہیں۔ یحییٰ بن خالد نے کہا تحفہ بذات خود اچھا ہے اگر اس نے کسی پر ظلم نہ کیا ہو، ہارون متوجہ ہوئے اتنے میں انہیں اہل خراسان کی شکایت آنے لگی کہ علی بن عیسیٰ ان پر ظلم کر رہا تھا۔ انہوں نے ھرثمہ بن اعین کو بھیجا اور انھیں خراسان کا والی بنایا اور ان سے کہا اپنے والی بننے کی خبر کو لشکر سے چھپا کر رکھو اور کسی کو پتہ نہ چلے اور یہ اظہار کرو کہ تمہاری تائید کیلئے آیا ہوں اور تمہاری اطاعت میں رہنا ہے تاکہ وہ مطمئن ہو جائے پھر اس پر قبضہ کرو اور ان کو عہد نامہ پڑھا دو۔ ھرثمہ نے ہارون رشید کے حکم پر عمل کیا اور علی بن عیسیٰ کو گرفتار کیا اور وہاں خراسان والوں کو اپنا عہد نامہ پڑھایا جس سے خراسان والے خوش ہو گئے سب نے تکبیر کی آواز بلند کی اور خلیفہ کی طول عمر کیلئے دعا کی۔ پھر انہوں نے جو مال جمع کیا تھا سب کو قومی ملکیت میں لیا اور سب کو پکڑ کر ہارون کے پاس بھیجا۔ جو مال انھوں نے جمع کیا تھا وہ ۱۵ ہزار اونٹوں پر لادا گیا۔

۵۔ رافع بن لیث بن نصر بن سیار، ہارون کے خلاف قیام کرنے والوں میں سے ایک تھا یہ دین الٰہی کو مسخرہ کرنے والا تھا اس نے سمرقند میں خروج کیا وہاں سلیمان بن حمید کو قتل کیا۔ لوگوں نے اس کی بیعت کی یہ اس وقت تھا جب علی بن عیسیٰ خراسان میں والی تھے انہوں نے اپنے بیٹے عیسیٰ کے ذریعہ وہاں ایک لشکر بھیجا ان کا بیٹا قتل ہوا اور لشکر جیت گیا۔ جب یہ خبر ہارون کو پہنچی تو اس نے خراسان ہرثمہ کو دیا، ہرثمہ جب وہاں حاکم ہوئے تو اس نے رافع کی طرف توجہ کی پھر ہارون رشید خود نکلے ۱۹۲ھ میں اس سفر میں

ہارون رشید نے شہر طوس میں وفات پائی اور رافع اپنے اقتدار پہ رہے یہاں تک کے مامون رشید خلیفہ بنے اور رافع بغیر جنگ کے ان کے سامنے تسلیم ہوئے۔

رشید ورقص:۔[قصص العرب ج ا ص ۹]

ہارون رشید کے دور میں غذائی بحران سے قیمتیں نا قابل برداشت حد تک پہنچ گئیں اور لوگ کرب و اضطراب میں گرفتار ہوئے۔ ہارون نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ زیادہ دعا کریں اور روئیں اور آلات طرب و ناچ وگانا چھوڑیں ۔انہی دنوں میں ایک شخص رقص کرتے ہوئے اور ناچتے ہوئے دیکھنے میں آیا تو اسے پکڑ کر ہارون کے پاس لے گئے۔اس نے اسے کہا یہ کام جب سب نے چھوڑا ہے تو تم نے کیوں نہیں چھوڑا تو اس نے کہا سیدی آپ کے خزانہ میں گندم ہے، میں اس کا محافظ ہوں، مجھے اس سے کچھ ملتا ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے کوئی پروانہیں ہوتی شہر میں قحط ہے اس لئے میں رقص کرتا ہوں تو خلیفہ نے کہا اگر ایسا ہے تو تم نے ایک مخلوق پر بھروسا کیا ہے اللہ پر بھروسا کرنا بہتر ہے، یہاں سے انہوں نے کہا کہ لوگوں سے کہو اللہ پر بھروسہ کریں۔

کابینہ ہارون رشید:۔

ہارون رشید کی وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز شخص کا اندازہ واحاطہ دو چیزوں سے ہی ہوسکتا ہے۔

ا۔وزیر کا مقام خود بادشاہ کے تناسب سے ہی ہوگا خود ہارون جیسا کہ تاریخ میں آیا ہے سب سے بڑا بادشاہ تھا گر چہ برصغیر میں ایک ملحد اکبر بادشاہ کے نام سے گزر چکا ہے لیکن وہ ایک خطہ کا بادشاہ تھا لیکن ہارون رشید جیسی بادشاہت دنیا میں کسی قوم وملت نے نہیں دیکھی ہے لہٰذا ان کی وزارت عظمیٰ بھی اتنی بڑی ہوگی؟ لیکن اس وزارت عظمیٰ کی کابینہ اتنی بڑی نہیں تھی جتنی

ہماری گلگت بلتستان اور صوبہ　　سندھ و پنجاب اور بلوجستان و کے پی کے کی ہوتی ہے وفاقی کابینہ تو چھوڑو یہاں وزارتوں کی تعداد امور مملکت زیادہ ہو نے کی بنیاد پر نہیں ہوتی ہے بلکہ حکومت میں خود وزارت کے لئے لائق شخص یا پہلے سے وزارت کے لئے معاہدہ شدہ کو دینا پڑتا ہے۔ وزارت عظمیٰ یحییٰ بن خالد کی تھی اور کابینہ میں ان کے چاروں بیٹے تھے۔

وزارت:۔

کلمہ وزارۃ واؤ پر فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ قرآن میں آیا ہے۔ فتحہ کی صورت میں پناہ گاہ کو کہتے ہیں جیسا کہ قیامت ۱۱ اور ۱۲ میں آیا ہے قیامت کے دن اللہ کے علاوہ کوئی پناہ گاہ نہیں ہے واؤ پر کسرہ کی صورت میں وِزر سقل وسنگینی کے لئے استعمال ہوتا ہے یہ اس لئے ہے کہ پہاڑ سنگین ہے سور نحل آیت ۲۵ اور عنکبوت ۱۳ میں آیا ہے قیامت کے دن ہر ایک اپنا سنگین بار خود اٹھائے گا ہر گناہگار اپنے گناہ کا بار خود اٹھائے گا سورہ طہ ۱۰۰ میں آیا ہے ہر وہ شخص جو اللہ سے روگردانی کرتا ہے قیامت کے دن بار سنگین اٹھائے گا جیسا کہ انعام ۳۱ میں آیا ہے قیامت کے دن ایک کا گناہ دوسرے کے کاندھے پر نہیں لگایا جائے گا انعام ۱۶۴۔ ہر انسان کسی اور کا گناہ نہیں اٹھاتا ہے۔

کلمہ وزیر سورہ مبارکہ طہ آیت ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۲۹ فرقان ۳۵ میں آیا ہے۔ سلسلہ انبیاء میں وزیر کا منصب نبی کے ساتھ صرف حضرت موسیٰ کے بارے میں آیا ہے دیگر انبیاء اولوالعزم جیسے نوح، ابراہیم، عیسیٰ اور حضرت محمد کے بارے میں نہیں آیا۔ یہاں سے یہ مطلب یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہیں ہوگا کہ ہر انسان اپنے بار کو خود اٹھائے کسی دوسرے پر نہ لگائے جو اپنے کام میں دوسرے کو شریک گردانتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے ان میں ایک حوالہ سے نقص پایا جاتا ہے جسے پورا کرنے کے لئے کسی دوسرے کی ضرورت پڑی ہے۔ حضرت موسیٰ کے بارے میں بھی ایسا ہے حضرت موسیٰ فصاحت زبانی

نہیں رکھتے تھے لہٰذا حضرت موسیٰ نے اس کردار کو اہمیت دیتے ہوئے اللہ سے درخواست کی کہ وہ میرے ساتھ میرے بھائی کو بھی ملائیں۔

بارسنگین منصب دینی یا دنیوی کو ہر ایک کو خود اٹھانا ہے لہٰذا منصب دینی شریک بردار نہیں پیغمبر اکرمؐ کی نبوت شرکت بردار نہیں شریعت کسی سے مشورہ لے کر نہیں دی جاتی شریعت خالص الٰہی و ربانی ہوتی ہے جس میں خود نبی کا بھی کردار نہیں ہوتا لیکن شریعت رسانی میں دنیاوی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے موانع ہوتے ہیں ان موانع کو ہٹانے کے لئے معاون و مددگار کی ضرورت پڑتی ہے چنانچہ نبی کریمؐ نے ۱۳ سال کے بعد حضرت علی سے فرمایا آپ میرے بستر پر سوئیں اور میرے پاس موجود امانتوں کو سنبھالیں اور بعد میں میرے اہل و عیال کو لے کر مدینہ روانہ ہو جائیں۔ اسی طرح جنگ تبوک کے موقعہ پر آپؐ نے علی سے فرمایا جس طرح موسیٰ نے طور جاتے وقت ہارون کو اپنی جگہ پر رکھا آپ بھی میری جگہ رہیں یا حج میں میری نمائندگی کریں یہی وجہ ہے کہ پیغمبرؐ نے بہت کم مواقعہ پر کسی کو نائب بنایا ہے اگر ضرورت پڑتی تو سب سے مشورہ کرتے دیکھتے کون اس سلسلہ میں انھیں کیا مشورہ دیں گے۔

کتاب تاریخ دولت عباسی عصر اوّل تألیف شیخ امین ص ۱۴۱ مؤرخین و ماہرین لغت عرب اس بات پر متفق ہیں کہ کلمہ وزارت کی مشتق منہ کے بارے میں تین مصادر بتاتے ہیں۔

۱۔ و، ز، ر، سے ہے وزر کا معنی ثقل کے ہیں وزیر بادشاہ کے بارسنگین کو اٹھاتے ہیں۔

۲۔ و، ذ، ر، سے ہے وذر جس کے معنی ملجاء ہیں بادشاہ مشکلات میں اپنے وزیر کی طرف رجوع کرتے ہیں اس سے تعاون و مدد مانگتے ہیں چنانچہ یہ کلمہ قرآن کریم کی اس آیت میں آیا ہے ﴿كَلَّا لَا وَزَرَ .. إِلَى رَبِّكَ

يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ۔۔القیامۃ۔۔ ۱۱، ۱۲ ﴾ قیامت کے دن اللہ کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں ہے بادشاہ وزیر کی رائے کی طرف رجوع کرتے ہیں اس سے مدد لیتے ہیں فیصلہ اس کی طرف چھوڑتے ہیں۔

۳۔و،ز،ر، وزر بمعنی ظہر و پشت کو کہتے ہیں جب جسم تھک جاتا ہے بوجھ پشت پر آتا ہے بادشاہ کی کمر کی طاقت وزیر سے ہے جس طرح بدن کا قیام کمر سے ہوتا ہے وزیر بمعنی ظہر قرآن کریم کی سورہ طہ آیت ۲۹ میں آیا ہے جہاں موسیٰ نے اللہ سے ہارون کی وزارت مانگی تھی وزارت اس صیغے میں جس طرح ابن خلدون کہتے ہیں یہ کلمہ دلالت کرتا ہے کہ خلیفہ کی تمام امور میں معاونت وزیر کرتا ہے لہٰذا یہ دیگر عہدوں پر فوقیت رکھتا ہے اسلام آنے کے بعد تمام امور پیغمبرؐ کے ہاتھ میں تھے۔

پیغمبر اکرمؐ فیصلہ خود کرتے تھے حتیٰ قرآن میں آیا ہے مشورہ کرنے کے بعد بھی فیصلہ آپ اپنے مرضی سے کریں پیغمبرؐ مجبور نہیں صحابہ کرام سے مشورہ کرتے تھے بہت سے امور میں ان کی رائے لیتے تھے خاص کر نقباء سے ابوبکر و عمر بلکہ ابا بکر سے بہت مشورہ لیتے تھے یہاں تک کہ روم و فارس ابوبکر کو وزیر محمد ﷺ کہتے تھے۔اسی طرح ابوبکر اہم امور میں عمر سے مشورہ لیتے تھے منصب قضاوت تقسیم زکوٰۃ ان کو سونپے تھے، اسی طرح عثمان و علی عمر کی معاونت کرتے تھے عمر کے دور میں حضرت علی منصب قضاوت کرتے تھے اسیروں کے بارے میں بھی مشورہ دیتے تھے تمام امور میں اصحاب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے لیکن ان کو وزیر نہیں کہتے تھے وزیر بحیثیت معاون مددگار مشاور لیتے تھے مثلاً عثمان کے دور میں تمام امورات مروان بن حکم چلاتے تھے یہاں عثمان پر اعتراض یہ نہیں تھا کہ اس میں اوروں کو شامل کرو بلکہ اعتراض یہ تھا ان پر کیوں چھوڑا خود مثل ہارون بن کے بیٹھا ہوئے تھے لوگوں کو شکایت بھی یہ تھی کہ سب مروان کر رہا ہے اس کے باوجود اس کو وزیر

نہیں کہتے تھے خلفائے بنی امیہ کے دور میں بھی اس کی چندان قدر نہیں تھا ان کے معاونین کو کاتب مشیر کہتے تھے ابن خلقان نے کہا ہے وزارت کی یہ شہرت بنی عباس کے خلیفہ اول ابی العباس سفّاح سے شروع ہوئی اس نے یہ لقب ابی سلمہ خلّال کو دیا یہاں سے وزارت کے عہدہ کا بہت چرچا ہوا۔

خلفاء کی بھی یہی سیرت رہی انہوں نے بھی زمام مملکت کسی فرد خاص کے سپرد نہیں کی۔ جہاں عثمان نے سپرد کی تو یہ انکے لئے وبال جان بنی۔وزارت کی جتنی تعریف ہے وہ اتنی لائق نہیں وزیر بنانا شخص کے نقص و عیب کی دلیل ہے چنانچہ منصور دوانیقی نے کہا تاریخ اسلام میں چار بادشاہ آئے ہیں سب سے بڑے قدرت مند معاویہ عبدالملک بن مروان ہشام بن حکم اور میں اور چاروں کا کوئی وزیر نہیں تھا فیصلہ خود کرتے تھے بروقت مشورہ لینا اور بات ہے لیکن زمام مملکت جنگ وسلم کسی کے سپرد نہیں کئے۔ بعد میں مہدی اور ہادی بھی اسی طرح سے تھے وہ حاجب رکھتے تھے مملکت کو کسی کے سپرد نہیں کیا۔کلمہ وزارت بنی عباس میں ابوسلمہ خلال کے لئے استعمال ہوا ہے کیونکہ اس وقت عباسی خلفاء روپوش رہتے جبکہ میدان میں ابو سلمہ خلال ہوتا تھا لیکن جب اقتدار پر آئے تو انہوں نے کسی کو وزیر نہیں بنایا۔

لیکن ہارون نے برامکہ کو وزیر بنایا اور ایک بدترین وزارت کی نمائش کی جو کسی بھی حوالہ سے قابل تفہیم، تحلیل نہیں بنتی۔ ہارون رشید اپنی جگہ مدعیٰ عقل کل تھا لیکن اس کے باوجود اس نے تمام امور برامکہ کے حوالے کئے ہوے تھے لہٰذا اس وزارت عظمیٰ کے مدائح ومناقب مطائن کو سامنے لانے کی ضرورت ہے۔

لیکن ابوالعباس نے اپنے بھائی منصور کے کہنے پر جلدی سے ان سے جان چھڑائی اور ان کو جان سے مارا اس کے بعد ابی العباس الصفاح منصور

مہدی، ہادی کے دور میں وزارت کا چندان مقام نہیں رہے امور مملکت وزارت الاختیار جس میں خلیفہ برائے نام ہو ہارون الرشید سے شروع ہوا لیکن ہارون الرشید بڑا مقتدر قدرت مند خلیفہ تھا اس کی کمزوریاں صرف مغنی مغنیات ساز و سرور والوں سے موسیقی کار سے گزرتے تھے عیش و نوش سے گزرتے تھے عظیم مملکت کی در آمدان سے مصروفیت کی وجہ سے اپنے ہاتھ سے دینے کی توفیق سلب ہوئی یہاں سے وزارت کا دور دورہ شروع ہوا جو آگے جا کے واثق باللہ تک چلا یہاں سے وزارت سلطان میں منتقل ہوئی۔

سلطان کا تصور اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ خلیفہ اہلیت صلاحیت لیاقت کے حامل نہیں رہے اس کے باوجود خلفائے عباسی کو یا سلاطین نے چلایا ہے یا وزارت نے چلایا ہے آخری وزیر موئد الدین علقمی نے سستے دام میں ملک و خلیفہ دونوں ہلاکو کو فروخت کیا آفت خلافت آسیب سلطنت سلطان ناسور سربراہ وزیر ہے دوسرا آسیب سلاطین امراء ہے جسے آج کل وزیر اعلیٰ کہتے ہیں خلافت عباسی ۳۳۴ھ کے بعد صوبائی خودمختاری میں چلی گئی خلافت کا رعب و دبدبے وہیبت گرتی گئی وزیر سے زیادہ خطرناک امارات ہوئے امارات کے انتخاب بھی خلفاء کے ہاتھ سے نکل گیا وہ مجبور تھے یہ امارات انھیں لوگوں کو دے دیں جو پہلے سے اقتدار میں تھے یا ڈاکہ زنی کرتے تھے خلیفہ تک رسیدگی نہ ہونے کی وجہ سے کم از کم ان کی ہاتھ نکل گئے جیسے بحرین یمامہ مصر افریقہ اندلس یکہ بعد دیگر آج کل کے صوبائی خود مختار کے نظر ہو گئے۔

ملک مملکت دیانت مراکز دینی دہشت گردان اغیار کا نشانہ بنے سربراہ مملکت علاقہ میں مجرمین کے خلاف قانون نافذ کرنے کے لئے وزیر اعلیٰ سے منظوری لینا پڑھی اس میں ہفتوں مہینوں تک کراچی میں مذاکرات چلتے رہے ان کی ایک شرط ہماری دہشت گردی کو استثناء دین مذہبی کو چل دیا۔

برامکہ کون ہیں؟

افغانستان کے شہر بلخ میں ایک آتش کدہ تھا جس کو ''نو بہار'' کہتے تھے جہاں آتش پرست آگ جلا کر اس کی پرستش کرتے تھے۔ اس معبد خانے کے خادم کا نام برمک تھا جو مجوسیوں کے دینی شخص کا لقب تھا۔ اس نے یہ مقام اپنے آباواجداد سے ورثے میں لیا تھا جب یہ سرزمین دائرہ اسلام میں آئی تو اس وقت برمک کا بیٹا خالد مسلمان ہوا ہے۔

جب اس علاقہ پر پرچم اسلام لہرایا گیا اور بت خانہ آتش خانہ جو بھی ہو وہ خاموش ہو گئے وہ ویران ہو گئے جس طرح اس علاقہ کے ظلم وطغیان میں جلنے والے خاکستر ہونے والے لوگوں کو نجات ملی۔ اس برمک کے لئے ایک بیٹا پیدا ہوا اس کا نام خالد رکھا گیا۔ اس نے عربی زبان پر اچھا خاصا عبور حاصل کیا۔ جب حکومت بنی عباس کی تحریک چلی تو سب سے پہلے خالد اس تحریک میں شامل ہو گیا جو حکومت اموی کے خاتمے کے لئے سرگرم تھے۔ خالد حطبہ بن شبیب کے خاص آدمیوں میں شمار ہوا۔

جب ابومسلم نے قحطبہ بن شبیب طائی کو یزید بن عمر بن ہبیرہ فزاری والی اموین سے جنگ لڑنے بھیجا تو اس جنگ میں خالد شامل تھا اس جنگ میں یہ لوگ ایک گاؤں میں آئے اور ایک اونچی پہاڑی پر پہنچے تو وہاں سے خالد نے دور سے کوئی چیز دیکھی تو اس نے اپنے امیر قحطبہ سے کہا کے آپ اعلان جنگ کریں دشمن حملہ کرنے کے لئے آ پہنچا ہے۔ اگر اس وقت خالد متوجہ نہ ہوتا تو تمام لشکر ختم ہو جاتا۔

انہوں نے اسے عسکری اور لشکری امور کا حاکم بنایا اور اس کی عقل وقلم سے استفادہ کیا۔ یہاں تک کہ یہ حرکت کامیاب ہوئی اور بنی امیہ کی حکومت کا مشرق زمین سے خاتمہ ہوا بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی، ابوالعباس سفاح کی بیعت ہوئی۔ خالد نے بیعت کرنے والوں میں سبقت کی جب

اسکی فصاحت و بلاغت کو دیکھا تو سفاح نے محسوس کیا کہ یہ اصل عربی ہے چنانچہ اسے اپنے ساتھ رکھا عسکری امور میں لگایا۔ پھر ان کو دیوان خراج میں منتقل کیا پھر منصور نے اسے اسی عہدے پر برقرار رکھا، یہاں کسی نے خالد کے خلاف سازش کی اور اسے ہٹانے کے لئے منصور سے کہا اسے فارس بھیجیں پھر وہاں سے اسے موصل میں امیر بنایا گیا یہاں تک کہ منصور کے مرنے کے بعد جب اس کا بیٹا مہدی خلیفہ بنا تو اسے دوبارہ لایا۔ مہدی نے اسے اپنے بیٹے ہارون کے ساتھ کسی جنگ میں بھیجا۔ منصور نے اُسے سنہ ۱۵۸ھ کو آذربائیجان کا والی بنایا۔

مہدی نے ۱۶۳ھ میں اُسے اپنے بیٹے کا مربی اور اپنا کاتب بنایا، جب مہدی نے ہارون کو ۱۶۴ھ میں مغرب کا والی بنایا تو یحییٰ کو اس کے ساتھ بھیجا، ہادی نے اسے اپنا وزیر بنایا، جب ہادی نے ہارون کو ولی عہدی سے ہٹا کر اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنانا چاہا اور ہارون اس پر راضی ہوا تو یحییٰ نے ہادی کو اس سے منع کیا۔

اس خالد کے بیٹے یحییٰ نے امارت و ریاست میں عزت میں پرورش پائی، یہ خلفاء کی اولاد کے ساتھ پلا بڑھا۔ خالد نے اسے علم و فن و ادب پڑھایا ہنر سکھایا اعلیٰ مناصب کی طرف رغبت دلائی مہدی کو یہ پسند آیا اس نے اسے اپنے قریب اپنے گھر میں رکھا۔ یہاں تک کہ یحییٰ کی بیوی سے کہا ہارون کو دودھ پلائیں۔ اس طرح فضل ہارون رشید کا برادر رضاعی بنا اور فضل نے ہارون رشید کی ماں سے دودھ پیا۔ پھر یحییٰ ہارون کے لیے مؤدب بنا گویا کہ یہ یحییٰ ہارون کا باپ بنا، چنانچہ وہ اس کو یا اب کہتا تھا۔

یہ شخص خادم بت خانہ و آتش پرستی سے نکل کر امیر و وزیر حکومت بنا اس کے بعد عملی بادشاہ بنا۔ اس کے چار بیٹے یحییٰ، فضل بن یحییٰ، موسیٰ اور جعفر تھے۔

لہٰذا لوگوں نے ہادی سے کہا یحییٰ ہارون کو خراب کرر ہا ہے اس پر ہادی یحییٰ سے انتقام لینے اور سزا دینے کے لئے سوچ رہا تھا کہ اسی دوران ہادی مر گیا، ہادی کی موت کے بعد ہارون خلیفہ بنا تو ہارون نے اسے اپنا وزیر منتخب کیا۔

یحییٰ کے بیٹوں کے نام یہ ہیں:

۱۔فضل ابن یحییٰ ۲۔جعفر ابن یحییٰ ۳۔محمد ابن یحییٰ ۴۔موسیٰ ابن یحییٰ

فضل بن یحیٰ ۱۴۸ھ میں پیدا ہوا وہ ہارون رشید سے کچھ دن بڑا تھا دونوں نے ایک دوسرے کی ماں سے دودھ پیا تھا اس حوالے سے فضل مقدم تھا جعفر یحییٰ کا دوسرا بیٹا تھا ہارون رشید کے پاس اُسے بہت مقام حاصل تھا۔

خالد بن برمک وسفاح:۔ [قصص العرب ابراہیم شمس الدین ج ۴ ص ۴۱۴]

خالد بن برمک سخی جواد وکریم انسان تھا جس پر سفاح نے اسکی ملامت کی کہا خالد ہاتھ اتنا نہ کھولا کرو کہ ایک دن فقر و فاقہ و نیاز مندی ومحتاجی کے دن کا سامنا کرنا پڑے خالد نے کہا میں اپنا ہاتھ نہ کھولتا ہوں نہ بند کرتا ہوں اگر کھل گیا تو اس لئے کھولا ہے کہ نعمت امیر المومنین سے محظوظ ہوں۔

ہارون یحییٰ کو باپ کہہ کر پکارتا تھا۔ ان کے ساتھ غزوہ ساغہ میں ۱۶۳ھ کو ساتھ گئے مہدی نے انہیں ہارون رشید کے ساتھ رکھا اور ان سے کہا کہ ہمارے چاہنے والے خیر خواہوں میں سے ہارون کے لیے تمہیں انتخاب کیا ہے میں نے آپ کو ان کے ساتھ رکھا تا کہ ان کی پرورش کریں اور ان کی معاونت کریں یہ ثابت کریں کہ آپ کا انتخاب اچھا تھا میں نے آپ کو اس کے لیے اہل سمجھا کیونکہ آپ ان کے مربی تھے اور ان کی پرورش

کرنے والے تھے۔ جب مہدی نے ۱۶۴ھ میں ہارون کو افریقہ کا امیر بنایا تو یحییٰ ابن خالد کو حکم دیا کہ آپ ان کے ساتھ جائیں تو ان کے تمام اعمال یحییٰ انجام دیتے تھے یہ حالات اسی طرح رہے یہاں تک کہ مہدی نے وفات پائی جب ہادی خلیفہ بنا تو یحییٰ کو محسوس ہوا کہ ہادی ہارون کو ولی عہدی سے ہٹانا چاہتا ہے اور اس کی جگہ اپنے بیٹے کو ولی عہد بنا رہا ہے تو ہارون بھی اس کے لیے تیار ہو گئے۔ کسی نے ہادی سے کہا یحییٰ ہارون کو خراب کر رہا ہے اس پر اس نے یحییٰ سے کہا اگر تم ہارون کو خراب کرنے سے باز نہیں آؤ گے تو ہم تمہیں قتل کریں گے۔

ہارون اسی خوف میں تھے یہاں تک کہ ہادی اچانک مر گیا ہارون رشید خلیفہ بنا تو یحییٰ نے اچھے طریقے سے ان کی معاونت کی امور مملکت چلانے کا طریقہ سکھایا ہارون نے اسے اپنا وزیر بنایا سب کچھ اس کے اختیار میں دیا جسے چاہے نصب کرے جسے چاہے عزل کرے چاہے ہٹا دے۔ خیزران (ہارون کی والدہ) امورات کی نگرانی کرتی تھیں یحییٰ امورات اسے پیش کرتے اور اس سے منظوری لیتے تھے یحییٰ ہارون کے زمانے میں ایک ستارے کی مانند تھے حسن خلق، جود و سخا اور اچھی طبیعت کے مالک تھے یحییٰ کی چار اولادتھیں سب کے سب نجیب اور عقلمند و ہوش مند تھے فضل، جعفر، محمد اور موسیٰ فضل ابن یحییٰ ۱۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔

۱۷۶ھ کو جب یحییٰ نے ابن عبداللہ کے بارے میں حیلہء وسیاست کی اور انہیں خلافت کی طرف سے امان نامہ جاری کیا اور خون نہیں بہایا تو ہارون رشید مزید ان سے خوش ہوئے ۱۷۸ھ کو انہیں خراسان کا والی بنایا وہاں بھی وہ اچھے طریقے سے رہے وہاں ایک لشکر منظّم کیا فضل بن یحییٰ ہر چیز میں قابلیت ولیاقت رکھتے تھے ہمیشہ مورد پسند رہے یہاں تک کہ ان کی مصیبت آ گئی۔

جب ہارون رشید نے مسند خلافت کو سنبھالا تو ان کو ہارون نے حکومت

وسلطنت کا تمام الاختیار منصب آج کل کی اصطلاح کے تحت وزارت عظمیٰ دی وہ انگوٹھی جو تمام کاغذات پر امضاء والی تھی وہ بھی اس کو دی تھی جو پہلے فضل بن سلیمان طوسی کے ہاتھ میں تھی اس طرح سے ان کے پاس دو وزارتیں جمع ہوئیں۔ مامون رشید کہتا ہے یحییٰ بن خالد اور اس کے بیٹے جیسے لیاقت و صلاحیت کی مثال نہیں ملتی ہے یحییٰ مدبر امور مملکت تھا جعفر اس حد تک ہارون پر حاوی تھے کہ ان کے باپ یحییٰ اس سے راضی نہیں تھے یحییٰ نے ایک دن ہارون رشید سے کہا یا امیر المومنین واللہ مجھے کراہت و ناپسند ہے جعفر جو آپ کے ساتھ بلا تکلف ہے، اس کی عاقبت بہت بری ہوگی اگر آپ اس کو معاف کرتے اور اسے اپنی ذمہ داری تک محدود رکھتے تو وہ بہتر تھا۔ ہارون رشید نے ان کو فضل پر برتری دینے پر اتنا محرم راز بنایا گویا جعفر خود سلطان کل مملکت تھا جو فیصلہ جعفر کرتا تھا ہارون رشید اسے رد نہیں کر سکتا تھا چنانچہ جعفر اس کے اندرون خانہ کے امور کو چلاتا تھا۔

وزارت عظمیٰ ہارون رشید یحییٰ بن خالد:۔

[ووفیات الاعیان ج اص ۳۲۸ رجال نمبر ۱۳۲]

یحییٰ بن خالد بن برمک ہارون رشید کے تام الاختیار وزیر تھے، وہ تاریخ بنی عباس میں صاحب نفوذ، ہمت والے، مقام و منزلت والے، جود و سخاء، سماحت و طلاقت چہرہ، صاحب فصاحت و بلاغت تھے عبداللہ سفاح نے ابی سلمیٰ خلال کو قتل کرنے کے بعد ان کی جگہ پر منتخب وزیر خالد بن برمک کو رکھا جو بنی عباس کا وزیر رہا یہاں تک کہ سفاح نے ۱۳۶ھ ذی الحج میں وفات پائی اور خلافت منصور دوانیقی میں منتقل ہوئی تو خالد کو اسی وزارت پر ایک سال چند مہینے رکھا۔ ابو ایوب مریانی جو کہ منصور پر چھایا ہوا تھا اس نے حیلہ سے خالد کو دور رکھا منصور سے کہا کرد فارس پر غالب آنے والا ہے اور اس کو روکنے کیلئے کوئی اور آدمی موزوں نہیں سوائے خالد کے اس طرح سے خالد کو

منصور سے دور کیا اور تمام اختیارات کا خود ابوایوب مالک ہوا۔

خالد نے ۱۶۳ھ میں وفات پائی ان کا بیٹا یحییٰ ہارون رشید کے پاس بہت مقرب تھا۔

وزارت عظمیٰ داخلی وخارجی جعفر:۔

جعفر بن یحییٰ ہارون رشید کی وزارت عظمیٰ پر تھا لیکن یہ وزارت دوسری وزارتوں سے مختلف تھی کیونکہ وہ امور مملکت کے علاوہ ہارون کے اندرون خانہ عائلی امور میں بھی متصرف تمام اختیار تھا، اس سلسلہ میں قصص العرب ابراہیم شمس الدین ج ۳ ص ۱۲ پر ابراہیم بن مہدی برادر رشید سے نقل ہے ایک دن جعفر بن یحییٰ نے اپنے شب گزار سے کہا کہ میں نے کل چھٹی کے لئے امیر المومنین سے اجازت لی ہے آپ کو کوئی کام ہو تو میں تیار ہوں تو ابراہیم بن مہدی نے کہا ہم آپ پر فدا ہوں، آپ کے تعاون سے سعادت مند ہونگے، کہا پھر صبح سویرے روشنی پھیلنے سے پہلے آجائیں تو میں فجر کے موقعہ پر پہنچا، شمع روشن تھی وہ میرا انتظار کر رہے تھے، دن ڈھلنے تک عیش و نوش میں غرق رہے، بہترین کھانے پینے کے اقسام وانواع تیار کیے، کھایا، پیا، دھویا پھر ہم نے منادمہ کا لباس کا پہنا، عطر وعطور ڈالا اور مجلس طرب میں بیٹھے، پردے ڈالے اور مغنیات گانا گانے آئیں اور حاجب سے کہا اگر کوئی شخص ہمارا پوچھنے آئے تو اس کو اجازت دے دو گرچہ عبدالملک بن صالح ہی کیوں نہ ہو۔

اتفاق سے عبدالملک بن صالح جو ہارون رشید کا چچا تھا وہ صاحب جلالت وہیبت اور خاندان میں بڑا مقام رکھتا تھا، وہ صاحب زہد وتقویٰ اور عبادت کرنے والا انسان تھا، ہارون رشید بھی مجلس لہو ولعب کو ان سے چھپاتے تھے۔ اچانک حاجب عبدالملک کو ہماری محفل میں لے آیا ہمارے ہاتھوں سے چیز گر گئی اور ہم ان کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہماری

شرمندگی کو دیکھتے ہوئے عبدالملک نے کہا کوئی بات نہیں آپ اپنے کام کو جاری رکھیں، پھر غلام سے کہا ان کو لباس پہنائیں اور ہم سے کہا جو کچھ کرنا ہے کرو۔ ابریشم اور دیباج کا لباس ان کو پہنایا، طعام وشراب کے بعد اس نے کہا تھوڑا آہستہ کرو، یہ پہلی بار ہے مجھے نہیں آتی تو جعفر کے چہرے پر بشاشت آئی پھر عبدالملک کو دیکھا تو جعفر نے کہا آپ نے ہمارے اوپر مہربانی کی، آیا کوئی حاجت ہے جو میری قدرت وتوانائی میں ہو، میں اسے افتخار سمجھ کر پورا کروں گا، احسان سمجھوں گا آپ کے احسانات کا مکافات سمجھوں گا تو عبدالملک نے کہا ہاں حاجتیں لے کر آیا ہوں، ایک تو امیرالمومنین کے دل میں میرے بارے میں کچھ ناراضگی ہے، ان سے درخواست کریں ہم سے راضی ہو جائیں تو جعفر نے کہا وہ آپ سے راضی ہوگئے، پھر کہا میرے اوپر دس ہزار دینار قرضہ ہے، جعفر نے کہا یہ دس ہزار میں اپنے مال سے دوں گا اور امیرالمومنین بھی دس ہزار دیں گے پھر کہا میرے بیٹے ابراہیم کو امیرالمومنین سے دامادی کا شرف عنایت کریں تو جعفر نے کہا یہ بھی ہوگیا۔ ہارون اپنی بیٹی غالیہ کو ان کے عقد میں دے رہے ہیں پھر کہا ان کے سر پر تاج عنایت ولایت رکھیں تو انہوں نے کہا وہ بھی ہوگیا ان کو مصر کا والی بنایا۔ چاروں حاجتیں روا ہونے کے بعد عبدالملک چلے گئے لیکن ہم حیران رہ گئے۔ جعفر نے ہارون سے پوچھے بغیر یہ تمام حاجات ان کی طرف سے روا کیں۔ جہاں تک مال ومنصب کی بات ہے، اس پر راضی ہونا تو کوئی بات نہیں، ممکن ہے یہ اختیارات اسے دیئے ہوں لیکن خلیفہ کی بیٹی کو اپنے اختیار سے کسی کے عقد میں دینا، یہ ایک عظیم وزارت عظمیٰ ہے جو جعفر کو ملی اور دنیا میں اور کسی کو نہیں ملی۔ ابراہیم کہتے ہیں دوسرے دن ہم ہارون رشید کے دربار پہنچے تو دیکھا جعفر اور ابی یوسف قاضی وہاں موجود تھے ابراہیم بن عبدالملک بن صالح کا غالیہ کے ساتھ نکاح بھی ہوا اور اسے مصر کا

والی بھی بنایا گیا اور سب اٹھ کر عبدالملک بن صالح کے گھر گئے۔

کہتے ہیں جب ہم امیرالمومنین کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو ہارون نے جعفر سے کہا کل کا دن کیسا گزرا۔ جب عبدالملک بن صالح کا ذکر آیا وہ اٹھ کھڑا ہوا جعفر نے کہا عبدالملک نے خواہش کی تھی کہ آپ اس سے خوش ہو جائیں تو ہارون نے کہا آپ نے انھیں کیا جواب دیا تو جعفر نے کہا میں نے کہا آپ ان سے خوش ہیں۔ ہارون نے پوچھا پھر اس نے کیا کہا جعفر نے جواب دیا کہ دس ہزار دینار قرض ہے ان پر، جو انکو دینا ہے تو ہارون نے پوچھا آپ نے ان سے کیا کہا جعفر نے جواب دیا میں نے ان سے کہا میں بھی دوں گا اور امیرالمومنین بھی دیں گے ہارون نے کہا آپ نے صحیح کہا اور کیا سوال کیا اس نے جواب دیا آپ کی بیٹی غالیہ کو اپنے بیٹے ابراہیم کے عقد میں دینے کے لئے کہا تو ہارون نے کہا تم نے کیا جواب دیا تو کہا دے دیں گے۔ ہارون نے کہا ہم اس پر بھی آپ سے راضی ہیں۔ وہاں عبدالملک بن صالح کا مجلس ندباء میں ہونا اور اقدام جعفر سب تعجب آور ہیں۔

رشید و جعفر:۔ [قصص العرب ج ۴ ص ۴۰۳]

رشید ایک دن گھوڑے پر سوار ہو کر چلے، ان کے بائیں طرف جعفر بن یحییٰ تھا، راستہ میں رشید نے ایک سامان سے لدی ہوئی سواری آتے دیکھی رشید نے پوچھا، یہ کیا ہے، کہا یہ خراسان سے بھیجا ہوا ہدایہ ہے جسے علی بن عیسیٰ بن ہامان نے بھیجا ہے عیسیٰ بن ہامان کو رشید نے فضل بن یحییٰ کے بعد وہاں کا والی بنایا تھا، رشید جعفر کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے پوچھا جعفر تمہارے بھائی کے دور میں ہدایہ کہاں تھا تو جعفر نے کہا یہ ہدایہ اپنے مالکان کے گھر میں تھا۔

[قصص العرب ابراہیم ہاشمی ج ۴ ص ۳۹۶]

جب رشید ۱۸۶ھ میں مکہ میں داخل ہوئے تو ان کے سامنے اجتماع

میں سے ایک عمری کھڑا ہوا، اس نے کہا یا امیر المومنین رک جاؤ آپ سے ایک بات کرنی ہے تو رشید نے کہا زمام ناقہ کو پکڑو، لوگوں نے لجام ناقہ کو پکڑا، رشید نے عمری سے کہا بتاؤ کیا بات ہے تو عمری نے کہا اسماعیل بن قاسم کو منصب سے عزل کریں، وہ رشوت لیتا ہے بہت نشے میں رہتا ہے، بیہودہ کام کرتا ہے تو رشید نے کہا یہ حق تمہیں دیتا ہوں ہم نے اس کو عزل کیا پھر یحیٰی کی طرف رجوع کیا، تمہارے پاس ایسی بروقت خبریں ہیں یحیٰی نے کہا یہ ایک بروقت بات ہے اس کو اس پر جائزہ دینا چاہیے چنانچہ اس کے لئے جائزہ دیا، امیر المومنین نے کہا ہاں، جب ہم ان کے کوئی کام کریں گے تو ہم نے ان کے ساتھ نیکی کی ہے تو یحیٰی نے کہا یہ امیر المومنین کی طرف سے احسان ہے اور یہ عدالت ہے یہ رضایت حق ہے آپ نے اس کے بروقت سوال کا جواب نہیں دیا ہے جس پر آپ میری عیب جوئی کر رہے تھے۔

قتل جعفر کے بعد وزارت عظمٰی برامکہ بھی گئی:۔

مؤرخین کے اقوال اس سلسلہ میں مضطرب ہیں کسی نے اس کو سرسری سادہ لیا ہے کہا ہے شاہان معمولی غلطیوں پر جان سے مار دیتے ہیں بعض نے ان کے بہت بڑے بڑے جرائم و موبقات بتائے ہیں اس سلسلہ میں جس طرح دنیا کے دیگر حوادث و دگرگونیوں کا اصول مقررہ اور تاریخ شناسی کے تحت تجزیہ کرتے ہیں یہاں بھی ایسا کرنا چاہیے یہاں برامکہ کے اسباب زوال کے بارے میں گفتگو کرتے وقت ان کے تاریخی پس منظر کو بھی دیکھنا ضروری ہے۔ بنی عباس کے سلاطین کی مرکزی اور محوری سیاست کا بھی جائزہ لینا ضروری ہے۔

ا۔ بنی عباس کے جد بزرگ نبی کریمؐ کے چچا تھے۔ ان کے فرزند عزیز عباس جد بزرگ بنی عباس تھے۔

۲۔عباس صدر اسلام میں اقتدار کے طالب نہیں تھے وہ تابع تھے۔
۳۔بنی عباس اقتدار ہی کے لئے اٹھے تھے خدمت کے لئے نہیں اور نہ ہی وہ ضد اسلام اٹھے تھے گر چہ یہ احتمال بنی امیہ میں قوی ہوسکتا ہے کیونکہ وہ مکہ میں مقابل اسلام لڑ رہے تھے انہوں نے فتح کے بعد اسلام قبول کیا تھا چنانچہ معاویہ کا عثمان سے دفاع نہ کرنا، علی کے خلاف غیر منطقی دروازے سے مزاحمت ومقاومت کرنا اور ولی عہدی یزید میں تمام تجاویز مسلمین کو مسترد کرنا اس احتمال کو تقویت دیتے ہیں۔
۴۔جتنے بھی افراد حکومت بنی عباس میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے ہیں سب خیانت کار، برے عزائم کے حامل اور فاسد عقائد والے نکلے ہیں۔ اس سلسلہ میں ابو مسلم خراسانی ماہان ابوسلمہ خلال، عبداللہ مقفع، آل برامکہ، آل بویہ، آل ساسانیان، آل علقمی سرفہرست ہیں ان کی حرکات وتصرفات مشکوک ومزدوج رہے ہیں ان نکات کو سامنے رکھنے کے بعد خود برامکہ کے تصرفات کو دیکھیں۔
۱۔جتنی بھی عباس مخالف شخصیات تھیں سب برامکۃ کے ریزہ خواران تنخواہ دار تھے جیسے ماہرین حیان یتام بن الحکم۔
۲۔شیعہ علماء ودانشوران کا دیگران سے مناظرہ کراتے تھے۔
۳۔بیت المال میں تصرفات کسی قانون اور اصول کے تحت نہیں تھے اور ان کی کوئی حد نہیں تھی فقراء ومساکین اور سیاسی واجتماعی شخصیات کے لئے شاہانہ وسائل فراہم کئے جاتے تھے۔
۴۔تمام مفسدین ومغنی ومغنیات اور شراب خوران کے دستر خوان پر ہوتے تھے۔
ان نکات کو سامنے رکھنے کے بعد اب آتے ہیں۔
اتنے نفوذ رکھنے والا شخص اچانک اپنے برادر رضاعی کے ہاتھوں' بے

رحمانہ قتل کیسے ہوا ہارون رشید جس جعفر کو باپ کہتا تھا اچانک اس کو زندن میں بند کرنا اور اس کے بیٹے کو قتل کرنا کن وجوہات کے تحت تھا عزائم سوء برامکۃ پر پردہ ڈالنے کی خاطر غیر مروجہ تفاسیر چلائی گئی ہیں۔ جن مسائل کی طرف برگشت کی ہے حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا ہے۔

ہمیں اس کے عوامل کہیں یکجا نظر نہیں آئے ہر ایک مؤرخ نے ایک عامل کا ذکر کیا جبکہ دوسرے عوامل سے چشم پوشی یا انہیں نظر انداز کیا ہے لیکن ہم کوشش کریں گے کہ ان تمام کو یکجا رکھ کر دیکھیں۔

۱۔ ہارون رشید اپنی بہن عباسہ دختر مہدی کو بہت چاہتا اور اس سے بہت محبت کرتا تھا یہ لڑکی بہت حسین و جمیل، صاحب عقل و شعور تھی ہارون نے جعفر سے کہا میں اپنی بہن عباسہ کو تمہارے عقد میں اس شرط پر دوں گا کہ تم اس سے ہمبستری نہیں کرو گے، تم اسے ہاتھ نہیں لگا سکتے یہاں تک کہ وہ حاملہ ہوگئی جس کی خبر کسی کنیز نے شعر کے ذریعے ہارون کو دی جس سے اس کے دل میں تشویش بیٹھ گئی۔

۲۔ ۱۸۶ھ کو ہارون نے عبدالملک بن صادق کے بارے میں سنا کہ وہ خلافت کا خواہاں ہے اور برمکی خاندان ان کی معاونت کر رہا ہے لہٰذا ہارون نے برمکی خاندان کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا تمام مؤرخین اس معاملے پر حیرت زدہ ہیں کیونکہ یہ ایک ایسا خاندان تھا جس نے ابتداء سے انتہا تک عباسی حکومت کیلئے خدمات انجام دیں اس کے علاوہ یحییٰ کی کوششوں سے ہی ہارون کو حکومت ملی تھی اور ان کے درمیان خونی رشتہ بھی تھا مگر ہارون کی طرف سے ان پر غیض وغضب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

۳۔ ہوسکتا ہے برمکی خاندان کے دشمنوں میں حسد اپنے عروج پر پہنچا ہو اور انہوں نے ہارون رشید کو بدظن کیا ہو کہ وہ خلافت کو بنی عباس سے نکالنے کے درپے ہیں۔

۴۔ فضل ابن ربیع جو کہ انتہائی بداخلاق انسان تھا وہ برمکی سے عداوت رکھتا تھا اور ہارون رشید کے دل میں ان کے خلاف عداوت پیدا کرتا تھا۔

۵۔ زبیدہ جو کہ ہارون رشید کی پسندیدہ بیوی تھی وہ جعفر کو پسند نہیں کرتی تھی کیونکہ جعفر نے ہارون الرشید کو تجویز دی تھی کہ وہ مامون کو ولی عہد بنائے جو بعد میں اس کے بیٹے امین کے لئے رقیب بن گیا لہٰذا زبیدہ اس سے انتقام لینے کے درپے تھی۔ ۱۸۷ھ میں جعفر بن یحییٰ قتل ہوا۔ اس کے جسد کو بغداد میں سولی پر چڑھایا گیا۔

جعفر بغیر اذن و اجازہ ہارون کے پاس داخل ہوتا تھا۔ دارالخلافہ میں ہر منصب بدل سکتا تھا لیکن اس کا منصب قابل تبدیل نہیں تھا۔

ذیل میں ہم ان عوامل و اسباب قتل جعفر کے احتمالی مفروضات پیش کرتے ہیں:

۱۔ عباسیہ ہارون رشید کی بہن اور جعفر کے ازدواج کی کہانی۔

۲۔ یحییٰ بن عبداللہ بن حسن جو زندان میں محبوس تھا اس کو ہارون کے کہے بغیر رہائی دی۔

۳۔ جعفر نے بیت المال سے اسراف و تبذیر کرنے میں ہر حد سے تجاوز کیا۔ انہوں نے اس منصب کو اس طریقہ سے استعمال کیا کہ اسراف و تبذیر کے لئے کوئی حد نہیں رکھی یہاں تک کہ خلیفہ سے سبقت لی۔

۴۔ تزریق زنادیق برامکہ جو برامکہ نے پوشیدہ رکھا تھا کم کم سامنے آئے گا۔

۵۔ توطئہ خیانت:۔ عبدالملک بن صالح علیہ برامکہ سے مل کر ہارون کا تختہ الٹنے کی خبر زور پکڑتی گئی۔

یہ لوگ بغیر اذن خلیفہ اکٹھے ہونا شروع ہوئے تھے بعض شخصیات نے

اس عمل کو نقد و تنقید کا نشانہ بنایا تھا یہاں تک کہ خود ہارون رشید کو یہ احساس ہوا کہ اس نے انھیں اتنی آزادی کیوں دے دی ہے چنانچہ وہ اپنی خلافت' سلطنت اور ملوکیت کے لئے ڈرنے لگا۔ کتاب تاریخ اسلامی محمود شاکر میں آیا ہے بختشیوع بن جبرئیل طبیب ہارون رشید اپنے باپ کی طرف سے نقل کرتا ہے میں ہارون رشید کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس وقت یحییٰ بن خالد بغیر اذن داخل ہوا اور ہارون رشید کے پاس بیٹھا اور اسے سلام کیا تو اس نے بہت ضعیف جواب دیا۔ یحییٰ کو پتہ چلا حالت صحیح نہیں ہے پھر ہارون رشید نے اپنے طبیب جبرئیل سے کہا یا جبرئیل یہ بتاؤ کیا تمہارے پاس کوئی بغیر اذن داخل ہوتا ہے تو اس نے جواب دیا نہیں ہارون نے کہا کیوں یہ لوگ ہمارے اذن کے بغیر ہمارے پاس آجاتے ہیں یحییٰ اٹھ کر گیا اور کہا یا امیر المومنین اللہ مجھے آپ سے پہلے اٹھائے یہ رویہ میں نے پہلے نہیں دیکھا جبکہ آپ نے ہی مجھے یہ مقام دیا تھا۔ آپ نے میرے نام کو اونچا کیا۔ مجھے کیا پتہ امیر المومنین اس بات سے ناراض ہیں۔ احمد بن یوسف نے ثمامۃ بن اشرس سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے یحییٰ کے اس کام کو ناپسند کرنے والا محمد بن لیث ہے اس نے ایک خط ہارون رشید کو لکھا اس میں اسے نصیحت کی اور کہا یحییٰ بن خالد اللہ کا نعم البدل نہیں ہوسکتا ہے آپ نے یحییٰ کو اپنے اور اللہ کے درمیان بنا رکھا ہے آپ کا حشر کیا ہوگا جس وقت آپ اللہ کے حضور حاضر ہوں گے اور آپ سے پوچھا جائے گا آپ نے اس کی مملکت میں بندوں سے کیا سلوک روا رکھا تو کیا آپ یہی جواب دیں گے میں نے یہ تمام چیزیں یحییٰ بن خالد پر چھوڑی تھیں کیا آپ کی یہ حجت چلے گی غرض اس خط میں اس نے ہارون کی سختی سے توبیخ کی تھی۔

یحییٰ بن خالد جب ہارون رشید کے پاس داخل ہوتا تھا تو اس کے غلام اسکی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے تو ہارون رشید نے اپنے خادم مسرور سے کہا

غلاموں سے کہو جب یحیٰ آئے تو کھڑے مت ہونا اس کے بعد وہ جب داخل ہوتا تو وہ کھڑے نہیں ہوتے اس کے بعد محل میں لوگوں نے اسے کراہت سے دیکھنا شروع کیا۔ جب وہ کسی سے پینے کیلئے پانی مانگتا تو وہ بھی کوئی اسے نہیں دیتا تھا۔ جب تک تکرار نہ کرتا کوئی پانی نہیں پلاتا تھا۔

رشید نے جعفر بن یحیٰی برمکی کو بہت بڑی سزا دی جسے اس نے خود اپنی طرف اس حد تک نزدیک کیا تھا کہ وہ اس سے کبھی الگ وجدا نہیں ہوتے تھے، دن رات ان کے ندیم وسمیر تھے، خود ہارون ان سے کٹ کر نہیں رہ سکتے تھے اس کے امین سر تھے اس سے کوئی سر وراز چھپا کر نہیں رکھ سکتے تھے۔ کہتے ہیں جب یحیٰ بن عبداللہ بن حسن نے ۱۷۶ھ میں بلاد دیلم میں خروج کیا تو رشید نے فضل بن یحیٰ کو بھیجا اور ان کو امن دیا اور یحیٰ بن عبداللہ بن حسن کو بغداد میں لایا گیا تو رشید نے ان کو جعفر بن یحیٰ برمکی کو دیا، ان کو زندان میں حبس کیا پھر ایک دن جعفر بن یحیٰ نے فضل بن یحیٰ سے پوچھا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے تو یحیٰ بن عبداللہ بن حسن نے کہا، میرے بارے میں اللہ سے ڈرو، کہیں ایسا نہ ہو قیامت کے دن نبی کریم محمدؐ تمہارے دشمن ہوں، اس نے کہا میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔ میں نے کوئی بدعت ایجاد نہیں کی ہے، کوئی غلطی نہیں کی ہے تو جعفر کا دل نرم ہو گیا۔ جعفر نے ان سے کہا جہاں جانا ہے چلے جاؤ میں تم کو آزاد کرتا ہوں، اس نے کہا میں کیسے جاؤں، مجھے امن نہیں، میں یہاں سے نکل جاؤں گا تو کوئی پکڑ کر دوبارہ تمہارے پاس لائے گا یا کسی اور کے پاس لے جائیں گے، مجھے آدمی دے دو جو مجھے اپنے گھر تک پہنچا دیں، جعفر اور یحیٰ کے درمیان یہ بات فضل بن ربیع کو پہنچی ان کا کوئی جاسوس وہاں تھا جو جعفر کے خادموں میں سے تھے جو فضل بن ربیع کے لئے جاسوسی کرتا تھا۔

فضل بن ربیع نے یہ بات تحقیق کی تو یہ بات اپنی جگہ صحیح تھی فضل نے

جا کر رشید کو خبر دی لیکن رشید نے اس خبر کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اس نے کہا آپ کو کیا ہے آپ ان مسائل میں کیوں پڑتے ہیں شاید یہ اس نے میرے کہنے پر کیا ہو، اس پر فضل شرمندہ ہو گیا، جعفر آیا، کھانے کے لئے بلایا، کھانا کھایا اور اس کو لقمہ کھلایا، اس سے بات کی، آخری بات میں اس نے کہا یحییٰ بن عبداللہ کے ساتھ کیا ہوا، اس کے بارے میں کیا خبر ہے تو اس نے کہا امیر المومنین وہ زندان میں ہے غل وزنجیر میں ہے، ہارون نے کہا میری جان کی قسم صحیح بات کر رہے ہو تو جعفر چپ ہو گیا، اس پر وحشت طاری ہوئی، اس کے نفس نے گھنٹی دی کہ ہارون کو اس کا پتہ چل گیا ہے تو جعفر نے کہا یا سیدی آپ کی حیات کی قسم! میں نے اس کو آزاد کیا ہے، میں نے اسے بے قصور پایا ہے، اس کا کوئی جرم و جنایت نہیں تھا، ہارون نے کہا تم نے صحیح کیا ہے، اس نے ہمارے خلاف کچھ نہیں کیا ہے۔ جب وہ باہر نکلے تو ہارون نے کہا اگر میں تمہیں قتل نہ کروں تو اللہ مجھے قتل کرے اور ہدایت کی تلوار سے ضال و گمراہوں سے انتقام لے لے پھر جو کچھ ہوا یہی بنیادی سبب تھا جعفر کے قتل اور خاندان برامکہ کے زوال کا۔ یحییٰ بن زید ۱۸۲ھ میں جیل میں مرا اور ۱۸۰ھ میں یحییٰ خود پہلے مرا۔ بعض نے کوئی اور قابل اہمیت والی بات نہیں کی ہے۔

جعفر بن یحییٰ شریف بلند ہمت کا مالک تھا فصاحت و بلاغت میں ملکہ حاصل تھا باپ بیٹے سب بنی عباس کے لشکری اور عسکری امور پر قابض تھے ان کی حکومت ۱۸۷ ہجری تک قائم رہی، فضل ۱۴۸ھ میں ہارون رشید سے کچھ دن پہلے پیدا ہوا ہارون رشید اور فضل رضاعی بھائی تھے جب دیلم میں یحییٰ ابن عبداللہ بن حسن نے خروج کیا تو ہارون رشید نے فضل کو منتخب کیا اور وہ اسے امان دے کر ساتھ لے آیا ہارون رشید فضل کا احترام کرتا تھا اور اس نے اسے ۱۷۸ ہجری میں خراسان کا والی مقرر کیا۔

یحییٰ صاحب جود وسخا تھا، ہارون اسے اپنا باپ کہہ کر خطاب کرتا تھا کیونکہ اسکی بیوی نے ہارون کو دودھ پلایا تھا اور خیزران (ہارون کی ماں) نے فضل ابن یحییٰ کو دودھ پلایا تھا ہارون رشید اسے اتنا چاہتا تھا کہ ان کو اپنے بستر پر سلاتا تھا اور اسے اخی کہتا تھا۔ جعفر بہت اعلیٰ اخلاق کا مالک تھا اور صاحب فصاحت و بلاغت تھا جود وسخا میں سمندر کی مانند تھا یحییٰ کے تیسرے بیٹے کا نام موسیٰ تھا وہ بھی بہت شجاع اور جری تھا جتنی شہرت فضل و جعفر کو ملی اتنی یحییٰ کے حصے میں نہ آئی لیکن وہ جنگجو تھا اگر کہیں فسادات کو دبانا ہوتا تو ہارون اس کو بھیجتا تھا۔

ہارون رشید اور عبدالملک بن صالح:

[قصص العرب ابراہیم شمس الدین ج ۴ ص ۴۱۲]

ہارون رشید نے عبدالملک بن صالح کو زندان سے بلایا اور اس سے کہا تم کفران نعمت کرنے والے اور اپنے سلطان سے غداری اور بغاوت کرنے والے ہو، عبدالملک نے کہا یا امیرالمومنین آپ میرے اوپر غیض وغضب اس لئے کر رہے ہیں کہ ایک حاسد نے میرے خلاف حسد کیا ہے میں آپ کو اپنی ولایت ومحبت وقرابت کا واسطہ دیتا ہوں۔ ہارون نے کہا آپ کے کاتب غمامہ نے ہمیں خبر دی ہے کہ جو بات میں نے کہی ہے اس چیز کو ان گواہوں نے بتایا ہے، عبدالملک نے کہا کیا وہ میرے خلاف جھوٹ نہیں بولے گا جب کہ وہ تو میرے سامنے بھی تہمت باندھتا تھا تو اس کے لئے غیبت کرنا کوئی مسئلہ نہیں تو ہارون نے کہا غمامہ کو چھوڑو یہ تمہارا بیٹا عبدالرحمٰن ہے، اس نے ہمیں خبر دی ہے تو عبدالملک نے کہا میرا بیٹا دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو مامور ہے یا عاق اگر مامور ہے تو وہ معذور ہے کیونکہ اطاعت امیرالمومنین اس پر واجب ہے اگر عاق ہے تو میں اس عاق والے بیٹے سے اس سے زیادہ اور کیا توقع رکھوں!

قساوت ہارون رشید:۔[قصص العرب جاد مولیٰ ج ۲ ص ۱۶۸ شمارہ ۶۴]

جس ماں کے پستان سے ہارون رشید و جعفر نے دودھ پیا تھا، جس جعفر سے لمحات کے لئے جدائی اسے برداشت نہیں تھی جس کی ماں کو ہارون رشید ام کہتے تھے جس جعفر کے باپ یحییٰ کو ہارون ابی کہتے تھے ہر مجرم ہر غلط کار جعفر کی ماں کی سفارش سے معاف ہو جاتا تھا۔ اسیران کے نام سے آزاد ہو جاتے تھے ہر مصیبت زدہ اس کی ماں کی سفارش سے خوشحال ہو جاتا تھا۔ اس خاندان سے ہارون رشید کا سلوک و رویہ اس نوبت کو پہنچا کہ اس نے جعفر کو قتل کیا یحییٰ فضل کو زندان کیا ان کے اموال کو ملکیت میں لیا اور خود ان کو لوگوں سے دور کیا اب وہ لوگ ذلیل ہو گئے۔ جعفر کی ماں نے ہزار کوشش کی کہ ہارون رشید تک پہنچ جائے سفارش و وسائل کا سہارا لیا خطوط و عرائض بھیجے مگر کچھ بھی موثر نہیں ہوا تو ایک دن خود گھر سے نکلی چہرے سے نقاب ہٹا کر ہارون رشید کے محل پر پہنچی عبد الملک بن فضل حاجب نے رشید سے کہا امیر المومنین کی رضاعی ماں عجیب حالت میں دروازہ پر ہیں کہا داخل ہونے دو۔ وہ محل میں داخل ہوئی ہارون کے سر کو چوما کہا امیر المومنین آیا زمانہ ہمارے ساتھ اس حد تک بدل گیا ہے کہ تہمت و افتراء اس حد تک پہنچی ہے میں نے آپ کو اپنی گود میں پالا یحییٰ آپ کے باپ جو اپنی اولاد سے زیادہ آپ کو چاہتے تھے ہارون نے کہا یہ مسئلہ گزر گیا ایک قضائے حتمی تھی اللہ کی طرف سے ایک غضب تھا جعفر کی ماں نے کہا اللہ فرماتا ہے ﴿**يَمْحُوا اللَّهُ ما يَشاءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهُ أُمُّ الْكِتابِ.** رعد، ۳۹﴾، ہارون رشید نے کہا یہ وہ چیز ہے جسے اللہ نے محو نہیں کیا ہے۔ ماں نے کہا غیب انبیاء نہیں جانتے تو امیر المومنین کو کیسے پتہ، ہارون نے سر نیچے کیا، پھر کہا اللہ قرآن میں

فرماتا ہے﴿ وَ الْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ، العمران، ۱۳۴ ﴾سر نیچے کیا کہا جس چیز کا میں فیصلہ کرتا ہوں وہ آخر تک قابل تبدیل نہیں ہوتا۔ پھر کہا امیرالمومنین یحییٰ کو مجھے ہبہ کردیں، سر نیچے کیا، پھر اٹھایا ''اللہ لامر من قبل و من ''بعد ماں نے کہا ''یومئذ یفرء مومنون ''امیرالمومنین یاد کریں ایک زمانہ تھا کہ جس کی میں سفارش کرتی تھی وہ قبول ہو جاتی تھی تو ہارون نے کہا آپ انہی دنوں کو یاد کریں، اس نے دیکھا وہ کسی طور نہیں مان رہا ہے تو اس نے ایک صندوقچہ نکالا جو سبز زمرد کا بنا ہوا تھا، اسے ہارون کے سامنے رکھا، اس نے کہا یہ کیا ہے تو اس نے اسے کھولا تو اس میں ہارون کے کٹے ہوئے بال تھے جنہیں مشک وعنبر میں رکھا ہوا تھا وہ کہنے لگی میں ان کو شفاعت کے لئے قرار دیتی ہوں، ان کے ذریعے سے مدد مانگتی ہوں، یہ آپ کے جسم کا حصہ ہیں، یحییٰ کو بخش دیں ہارون نے وہ بال لیئے تو تھوڑی دیر کے لیے وہ رو پڑا اہل مجلس بھی روئے، بشارت دینے والے نے یحییٰ کو بشارت دی کہ یقیناً ہارون کے دل میں رحم آیا ہے لیکن جب اسے ہوش آیا تو اس نے کہا آپ نے اچھے طریقے سے ان کی حفاظت کی آپ نیکیوں کی مستحق ہیں پھر چپ ہو گیا، بال اسے واپس کردیئے اور کہا ''ان للہ یعمر کم ان تعدوا امانت'' تو ماں نے کہا اللہ سے کیئے عہد کو وفا کرو، لوگوں کے درمیان عدالت کرو۔

(شمارہ ۱۳۲ اص ۳۴۲) اس خاندان کے دنیا کے ایک بے تاج بادشاہ کی تاریخ کا ایک واقعہ ملاحظہ کریں اور اندازہ لگائیں کہ یہ دنیا بعض اوقات بادشاہوں جیسی زندگی گزارنے والوں سے بھی کس طرح منہ پھیر لیتی ہے محمد بن غسان بن عبدالرحمٰن ہاشمی والی کوفہ نقل کرتے ہیں میں اضحیٰ کے دن اپنی والدہ کے پاس گیا تو وہاں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی وہ بہت گرے ہوئے کپڑوں میں ملبوس تھی میری ماں نے مجھ سے پوچھا تم اس عورت کو جانتے

ہو میں نے کہا نہیں جانتا کہنے لگیں یہ ام جعفر برمکی ہے تو میں نے ان کی طرف رخ کیا اور ان کی تعظیم و تکریم کی کچھ دیر ان سے بات کی اور پوچھا یا ام آپ نے بہت حوادث دیکھے ہیں تو کہا اے بیٹا آج میرے لئے یہ دن آیا ہے جبکہ ایک زمانہ تھا کہ چار سو عورتیں میرے سر پر کھڑی ہوتی تھیں لیکن آج یہ دن بھی آیا میرے پاس چمڑے کی دو چادریں ہیں ایک کو بچھاتی ہوں اور دوسرے کو اوڑھتی ہوں۔ میں نے اسے پانچ سو درہم دیئے اسے بہت خوشی ہوئی وہ بار بار ہمارے پاس آتی تھیں یہاں تک کہ ان کی موت آ گئی۔

خواب رشید:۔ [قصص العرب ج ۳ ص ۳۲۸]

جبرئیل بن بختیشو کہتا ہے میں طبیب ہارون تھا میں ہارون رشید کے ساتھ رقہ میں تھا صبح کو سب سے پہلے میں اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے حالات معلوم کرتا تھا رات کیسی گزری اگر کوئی پریشانی والی بات ہوتی تو وہ مجھے خبر دیتا۔ مجھ سے وہ اخبار عامہ و احوال پوچھتا ایک صبح میں اسکی خدمت میں حاضر ہوا اسے سلام کیا اس نے میری طرف نہیں دیکھا اس کا چہرہ غمزدہ تھا میں تھوڑی دیر اس کے سامنے اسی حالت میں کھڑا رہا جب کچھ وقت گزر گیا تو میں نے اس کی خدمت میں عرض کیا میری جان آپ پر فدا ہو آپ کا کیا حال ہے، آیا کوئی پریشانی ہے مجھے خبر دیں شاید میں اس کا کوئی مداوا کر سکوں مملکت میں کسی سے خطرہ ہے جو بادشاہان کو ہمیشہ رہتا ہے تو میں آپ کا رازدار ہوں مجھے بتائیں شاید میں آپ کو کوئی مشورہ دوں۔

رشید نے کہا افسوس جبرئیل میری پریشانی وہ نہیں جو تم نے ذکر کی ہے۔ میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے پریشان کیا ہے میرا سینہ غم سے بھر گیا ہے میں اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا تخت کے نیچے سے ایک ہاتھ نکلا وہ ہاتھ کس کا ہے میں نہیں جانتا تھا اس ہاتھ میں ایک سرخ مٹی تھی پھر میں نے کسی کی آواز سنی اس نے کہا یہ مٹی ہے جس میں تم دفن ہو گے۔ میں

نے پوچھا یہ مٹی کہاں سے آئی ہے تو اس نے کہا طوس سے ہے اس کے بعد ہاتھ غائب ہوگیا جبرئیل نے کہا اے میرے مولا یہ خواب غیر مربوط ہے آپ نے خراسان کے بارے میں سوچا ہوگا کیونکہ وہاں بعض نے آپ کی مخالفت کی ہے ہارون نے کہا شاید ایسا ہو تو جبرئیل نے کہا یہی چیز جو آپ نے سوچی ہے وہ آپ کے خواب میں نظر آئی ہے اسی سے یہ خواب بنا ہے۔آپ اس کے لئے پریشان نہ ہوں ہم آپ کے لئے فدا ہیں۔آپ خوش رہیں ان باتوں کو ذہن سے نکالیں۔

جبرئیل کہتا ہے میں بار بار ان کو مختلف حیلہ بہانے سے تسلی دینے کی کوشش کرتا تھا اور انہیں ان کی پسندیدہ چیز کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا رہا چند دن نہیں گزرے خلیفہ وہ خواب بھول گیا اور میں بھی بھول گیا یہاں تک کہ اتفاق ہوا کہ ہمیں خراسان جانا ہوا جب رافع نے خروج کیا تو ہم وہاں پہنچے تو خلیفہ بیمار ہوگیا اسکی بیماری بڑھتی گئی یہاں تک کہ ہم طوس پہنچے تو وہاں جب وہ ایک باغ میں سوگیا تو اس وقت اس کو یہ خواب دوبارہ یاد آیا اٹھنے لگا اور گر گیا ہم ان کے پاس جمع ہوئے سب نے کہا مولا آپ کا کیا حال ہے کیوں پریشان ہیں تو کہا جبرئیل جو خواب رقہ میں دیکھا تھا وہ یاد ہے پھر سر اٹھا کر مسرور کی طرف دیکھا اور اس سے کہا کہ میرے لئے اس باغ کی مٹی لاؤ مسرور گیا مٹی لایا جب اس نے دیکھا تو ہاورن نے کہا واللہ یہ وہی ہاتھ ہے جو میں نے خواب میں دیکھا تھا اور یہ وہی سرخ مٹی ہے۔پھر رونے لگا فریاد کی اور تین دن بعد وفات پائی اور اسی باغ میں اسے دفنایا گیا۔

برامکہ کی خیانت ایک جھلک:۔

[قصص العرب ج ا ص ۲۹۷ شمارہ ۱۲۸]

وسیع وعریض مملکت اسلامی غنائم جنگی،خراج وجزیات سے پُر یہ خزانہ کل کا کل برامکہ کے تصرف تمام میں تھا وفائے برامکہ کے نام سے قصص ا

لعرب میں محمد بن عبداللہ سے زوال برامکہ کا قصہ نقل ہوا ہے محمد بن عبداللہ کہتے ہیں برامکہ اپنے دور کے امراض کی شفاء تھے خشک سالی میں باران رحمت تھے مظلوم اور بے نواہوں کی پناہ گاہ تھے برامکہ کے دور میں وہ فضل بن یحیٰ سے مربوط تھے ایک دن فضل نے مجھے اپنے باپ اور بھائی جعفر کے حضور میں مخاطب ہوکر کہا اے محمد میرا دل چاہتا ہے ایک دن تم مجھے اپنے گھر پر دعوت دو جس طرح ایک دوست اپنے دوست کو دعوت دیتا ہے۔ محمد نے کہا میری شان ومقام ومنزلت اس سے چھوٹی ہے میں آپ کی دعوت کو برداشت نہیں کرسکتا یہ میری گنجائش ورسائی میں نہیں فضل نے کہا یہ باتیں چھوڑو، محمد نے کہا آپ مجھے اس سے معاف کریں لیکن فضل کا دعوت پر اسرار تھا۔

چنانچہ یحیٰ اور جعفر نے بھی فضل سے کہا اسکو چھوڑ دو اس کی گنجائش نہیں، کیوں اس کو مروت میں مبتلاء کرتے ہو، فضل نے کہا نہیں میں کسی صورت میں نہیں چھوڑوں گا جب تک وہ مجھے دعوت نہ دے تو یحیٰ نے محمد سے کہا اس نے قسم کھائی ہے آپ کو معاف نہیں کرے گا، تم جس گھر میں بیٹھتے ہو اسی میں لے جاؤ، جو تم کھاتے ہو وہی کھانا ہمیں کھلاؤ ہم اس پر راضی اور شاکر رہیں گے۔ اس نے ایک سال کی مہلت مانگی تو انھوں نے کہا اسکی کیا ضمانت ہے ہم ایک سال تک زندہ رہیں گے چنانچہ اسے دو ماہ کی مہلت دی گئی جب آخری دن نزدیک آیا تو مجھ سے کہا محمد کھانا تیار کرنے کا وقت آگیا ہے اس نے کہا ٹھیک ہے آپ تشریف لائیے گا، کھانا تیار کیا، گھر میں داخل ہوا تو کہا پورا گھر ہمیں دکھائیں تاکہ معلوم ہو کہ یہ گھر کتنا بڑا ہے محمد اٹھے اور اپنے گھر کے باورچی خانہ اور پھر اصطبل میں لے گیا اور دیگ کے ڈھکن کو اٹھایا، باپ کے پاس آیا اور کہا یہ دیگ ہے جس میں کھانا ہے۔ ایک روٹی منگوائی، اس کو دیگ میں ڈالا اور تر کر کے باپ کو دی پھر بھائی کو دی پھر خلال

منگوایا پھر گھر کے ہر طرف گھومایا، مجھ سے کہا تمہارا ہمسایہ کون ہے تو جواب دیا دائیں طرف فلاں ہے اور بائیں طرف فلاں ہے اور سامنے ایک مرد بزرگ رہتا ہے جو ہمیشہ دائماً تعمیر میں مشغول ہے فضل نے پوچھا کون ہے جانتے ہو، تو جواب دیا نہیں۔ کہا کسی کو بلا کر لاؤ کسی کو لایا، دیوار کو توڑا اور دوسرے کے گھر کے اندر داخل ہوگیا تو وہ اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران و سرگرداں ہو گیا، اس نے وہاں دیکھا کہ ایک ہی لباس میں سو غلام ادھر بیٹھے ہوئے ہیں اور ہر ایک کا لباس ایک جیسا ہے، ایک بوڑھے نے آ کر فضل کے ہاتھ کو چوما، کہا سرکار حکم کریں یہاں کوئی نقص ہو تو بتائیں تو شیخ سے کہا کہ جہاں حیوانات رکھتے ہو وہ جگہ دکھاؤ وہاں چار سو خچر تھے یہ سب سے خوشنما منظر تھا، پھر عورتوں کا گھر دکھایا اس میں ایک سو کنیزیں تھیں، پھر فضل نے محمد سے کہا یہ گھر اور جو کچھ اس گھر میں ہے یہ سب آپ کے لئے ہے تو محمد نے کہا میری کیا حیثیت ہے، یہ تو کسی امیر کیلئے ہے، کہا یہ گھر، اس کے غلام اور اس کا فرش یہ سب تمہارے لئے ہے اور اگر مزید چاہئے تو وہ بھی ہم تمہیں دے دیں گے میں نے سمجھا یہ کسی اور کی ملکیت ہے جو مجھے دے رہے ہیں کہا محمد ہم نے تم سے اس دعوت کا کہا تو اس دن سے میں تمہارے لیے یہ تعمیر کروا رہا تھا اور ان سے کہہ رہا تھا جلدی اس کو فارغ کریں چنانچہ اس نے دو مہینے میں اتنا وسیع گھر تیار کر کے اپنے دوست کو دیا۔

یہاں تک کہ یہ ۱۷ سال اس کا وزیر رہا، ہارون رشید کے تمام حکومتی امور یحییٰ کے ہاتھ میں تھے اور ہارون نے اس صلے میں اپنی انگوٹھی یحییٰ کو دے کر کہا تم جسے نصب کرنا چاہو نصب کرو اور جسے معزول کرنا چاہو معزول کرو۔ یحییٰ کے چار بیٹے تھے چاروں بیٹے ذہین، صاحب فضل، جود و سخا اور علم و ادب میں اپنے زمانے میں نمونہ تھے۔

قصہ برامکہ ایک قصہ تاریخی و ادبی اور افسانہ بھی ہے۔ جس طرح

سلطنت وحکومت ہارون جیسا بادشاہ تاریخ میں نہیں دیکھا گیا اسی طرح برامکہ کی وزارت عظمیٰ جیسی وزارت بھی نہیں دیکھی گئی ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں عزت وشہامت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہونے کے بعد ذلت میں سقوط ہونے والی بدترین خواری کا سامنا کیا ہے۔مال مسلمین کو جس طرح برامکہ نے لوٹا اور اپنے نام ونمود میں بذل کیا اس کا کوئی جواز قرآن وسنت میں نہیں ملتا۔اگر قرآن وسنت میں اسراف وتبذیر کی مذمت آئی ہے تو تاریخ میں اس کی مثال موجود ہوگی۔برامکہ انہی مسرفین میں سے ہیں کہ شاید تاریخ میں ان جیسے اسراف کرنے والوں کی مثال کم کم ہی ملتی ہوگی۔

برامکہ کی نیکیاں:۔[قصص العرب ابراہیم شمس الدین ج ا ص ۱۲۶]

مامون رشید کا خادم کہتا ہے ایک دن امیرالمومنین مامون نے مجھے رات کو اس وقت بلایا جس وقت رات کا ایک تہائی وقت گزر گیا تھا، مجھ سے کہا علی بن محمد ساتھ خادم کو لے لو اور جلدی وہاں چلے جاؤ جہاں میں بتا رہا ہوں، مجھے خبر ملی ہے کہ ایک بوڑھا انسان رات کو برامکہ کے گھروں میں آتا ہے وہاں شعر پڑھتا ہے ان کا ذکر کرتا ہے اس پر وہ روتے ہیں پھر وہ چلا جاتا ہے ابھی جاؤ ان کو دیکھو اور دروازے کے پیچھے بیٹھو، اگر شیخ کو دیکھو کہ وہ روتے ہیں تو مجھے خبر دینا، کہتے ہیں کہ میں نے ان کو اٹھایا، اس خرابہ میں آیا تو ایک غلام آیا، وہاں فرش پر لوہے کی ایک کرسی ہے ایک شیخ آیا اور کرسی پر بیٹھا، وہ رونے لگے، نوحہ پڑھنے لگے اور ساتھ ہی طویل قصائد پڑھے، جب فارغ ہوئے تو ہم نے ان کو پکڑ لیا، ان سے کہا امیرالمومنین کے پاس چلو، وہ خوفزدہ ہوئے انہوں نے کہا مجھے چھوڑو، میں جا کر وصیت کر کے آجاؤں گا کیونکہ مجھے یقین نہیں اس کے بعد میں زندہ رہوں، پھر وہاں وہ کسی دکان پر گیا، دروازہ کھولا، وصیت لکھی اور اپنے غلام کو دی پھر ہم اس کو لے کر

امیرالمومنین کے پاس آئے۔امیر نے اس سے پوچھا تم کون ہو، برامکہ کیوں ایسے نیک تذکرے کا مستحق بنے جوان کے ویران گھروں میں تم لوگ کرتے ہو، خادم نے کہا ہم سن رہے تھے اس نے کہا کہ یا امیرالمومنین ہمارے اوپر برامکہ کے احسانات ہیں ہمیں اجازت دیں تو ہم بتائیں گے تو کہا اجازت ہے، تو اس نے کہا میں منظر بن مغیرہ ہوں، اولاد ملوک ہوں، اُن کی سلطنت ختم ہوگئی تو ان کے ساتھ میری نعمت بھی ختم ہوگئی، جب میں مقروض ہوا اور اپنی جائداد فروخت کرنے پر مجبور ہوا تو میں نے سب کچھ فروخت کیا، مجھے مشورہ دیا گیا کہ برامکہ کے پاس جاؤ میں ان کے پاس دمشق سے آیا میرے پاس تیس سے زائد بچے تھے، عورتیں تھیں ہمارے پاس کوئی چیز بیچنے کی نہیں تھی، بغداد میں داخل ہوئے، کسی مسجد میں رہے، کچھ لباس تھا جو میں نے تیار کر رکھا تھا جس سے لوگوں کی محبت ملی، اس کو پہن لیا، گھر والوں کو بھوکا گھر میں چھوڑا پورے بغداد میں گھوما اور برامکہ کو تلاش کیا تو ایک مسجد مزین نظر آئی، اس میں سو شیخ بہترین لباس میں بیٹھے تھے، دروازہ پر دو خادم تھے، میں نے امید کی اسی قوم میں جا کر بات کروں، مسجد میں داخل ہوا، ان کے درمیان بیٹھا، میں کبھی آگے اور کبھی پیچھے ہوتا تھا پسینہ مجھ سے جاری ہوا کیونکہ میرے پاس وہاں بیٹھنے کی کوئی سند نہیں تھی، ایک خادم نے بلایا، سب گئے، میں بھی ساتھ چلا گیا، ہم یحییٰ بن خالد کے گھر پر پہنچے، یحییٰ ایک چبوترے پر بیٹھے تھے، ہم نے سلام کیا، انھوں نے ہمیں گنا، اس کے پاس دس اولادیں تھیں، ایک بالکل نوجوان غلام تھا وہ قصر سے نکل کر آئے۔ وہاں سو جوان آئے ہر جگہ پر ایک خادم کھڑا تھا، اس کے ہاتھ میں سونے کا ایک روشن دان تھا۔ پھر یحییٰ نے قاضی سے کہا، بات کریں، میری بیٹی عائشہ کا میرے ابن عم فلاں سے عقد کریں، قاضی نے ازدواجی رشتے کے قیام لیے خطبہ پڑھا۔

جواد برامکہ: قصص العرب ابراہیم شمس الدین ج ا ص ۲۸۵
یہ تھی بنی برامکہ کی ایک قسم کی خیانت کی ایک مثال جسے نیکیاں کہا جاتا ہے۔
خاندان برمکی: تاریخ دولۃ الاسلامیہ ص ۲۲۸
نفوذ وزارت عظمیٰ جعفر: دولت عباسی محمود شاکر ج ۵ ص ۱۴۷
قصص العرب ج ۴ ص ۳۴۷ شمارہ ۳۰۶

موسیٰ بن عیسیٰ اور عبداللہ بن عزیز:۔

موسیٰ بن عیسیٰ نے عبداللہ بن عزیز سے کہا کہ اے عبداللہ امیر المومنین کو خبر ملی ہے کہ آپ ان کے خلاف لوگوں کو اکساتے ہو آپ ایسا کیوں کر تے ہو عبداللہ بن عبدالعزیز نے کہا جہاں تک سب وشتم کی بات ہے ہم اس سے برأت کرتے ہیں اللہ میرے نفس سے واقف ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ ہمارے اوپر ایک بوجھ بنے ہوئے ہیں جو ہم برداشت نہیں کر سکتے ہماری آنکھیں میلی ہو چکی ہیں، ہماری پلکیں انھیں برداشت نہیں کرتیں وہ ایسے ہی ہیں جیسے ہمارے گلہ میں ہڈی پھنسی ہو، انھیں ہم سے ہٹائیں۔ میں نے کہا اگر امیر المومنین کو لوگ رشید کہتے ہیں چونکہ وہ رشد رکھتا ہے اگر ایسا نہیں تو ان کے ذمہ پر عباس کی وجہ سے ہر مسلمان کا ایک حق ہے ان کو نبیؐ کی قرابت کی وجہ سے حق ہے اللہ ان کو ہر شر و برائی سے دور کرے، ہمیں سعادت دیں کہ ہم ان کی اصلاح کریں لیکن یہ ان کے لئے بدعا ہے۔

ہارون و موسیٰ بن جعفر:۔

[حیات موسیٰ بن جعفر تالیف محمد باقر شمس الدین ج ۲ ص ۴۴۹]

ہارون رشید کی طبیعت میں تھا کہ وہ علوین سے عقدہ حقارت رکھتا تھا اس کے حضور انکی کسی شخصیت برجستہ کا نام سننا گوارا نہیں تھا اس نے بہت سوں کو زندان بھیجا اور بہت سوں کو قتل کیا اسی تسلسل میں موسیٰ بن جعفر تھے

اگرچہ تحلیل گران کا کہنا ہے بعض نے ان کے خلاف ہارون رشید کے پاس چغل خوری کی کہ وہ لوگوں سے مال جمع کررہے ہیں اور کسی دن خلیفہ وقت کو خطرہ ہوسکتا ہے۔ انہی چغلی کرنے والوں میں سے ایک یحییٰ بن خالد تھا کیونکہ اس کو خبر ملی کہ ہارون اپنے بعد ولی عہد کیلئے محمد امین کو انتخاب کررہا ہے جو کہ جعفر بن محمد بن اشعث کی سرپرستی میں تھے یقیناً ہارون کے بعد جب خلافت محمد امین کو ملے گی تو وزارت بھی جعفر کو ملے گی اپنی وزارت کی خواہش میں اس نے موسیٰ بن جعفر کے خلاف جاسوسی کی اور ہارون کے کان بھرے۔ چنانچہ اس نے موسیٰ بن جعفر کو بغداد میں بلایا اور ان کو زندان میں ڈالا یہاں تک کہ وہ زندان ہی میں دنیا سے رحلت فرما گئے۔

ہارون کے اولیاء عہد:۔

بنی عباس خلافت کے بارے میں وہی تصور رکھتے تھے جو بنی امیہ کا تھا اس سلسلے میں انہوں نے بنی امیہ جیسی برائیوں سے اجتناب کیا نہ اضافہ کیا۔

۱۔ باپ کے بنائے ولی عہد سے جبری استعفیٰ لے کر اپنے بیٹے کو ولی عہد بنایا۔

۲۔ اپنے جتنے بیٹے تھے ان سب کو یک بعد دیگر ولی عہد بنایا۔ ہارون الرشید نے پہلی بار اپنے تین ولی عہد ترتیب سے مقرر کیئے:

۱۔ امین فرزند زبیدہ ۲۔ مامون فرزند مراجل ۳۔ قاسم بن ہارون۔

۱۔ مامون کا امین سے عمر میں بڑے ہونے اور لیاقت وقابلیت میں بے نظیر ہونے کے باوجود خاندان کے دباؤ میں زبیدہ کی خواہش کی بنیاد پر امین کو پہلا ولی عہد قرار دیا۔

۲۔ مامون کو خراسان میں بطور استقلال والی بنایا جس سے وہ امین سے مقابلہ کرسکتا تھا۔

۳۔ تیسرے بیٹے قاسم کو ولی عہدی کے ساتھ خاص اختیارات دیئے۔

۴۔ فضل بن ربیع پر حد سے زیادہ اعتماد کرتے تھے جس نے برامکہ کیلئے کنواں کھودا، جبکہ خود ہارون نے دیکھا تھا کہ خلیفہ اپنے بیٹے کی خلافت کیلئے اپنے بھائی کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے، اگر جعفر برمکی کی تدبیر نہ ہوتی اور مشیت الٰہی نہ ہوتی تو وہ اس وقت کہاں ہوتا لیکن اندھی محبت انسان کو اندھا اور بہرا رکھتی ہے۔

ہارون نے ۳ جمادی آلاخر ۱۹۳ھ کو ۴۵ سال کی عمر میں طوس میں وفات پائی۔ ہارون نے اپنے مرنے کے بعد ایک کروڑ دینار نقد اور جواہرات وحیوانات چھوڑے جن کی قیمت ایک کروڑ اور پچیس ہزار دینار بنتی ہے۔

۶۔ محمد امین (مقتول ۱۹۵ھ):۔

[تاریخ دولۃ اسلامیہ ص ۲۳۸]

محمد امین کنیت ابوعبداللہ باپ ہارون رشید ماں زبیدہ بنت جعفر بن منصور ہے خلفائے بنی عباس میں یہ واحد خلیفہ ہے جس کی ماں باپ دونوں ہاشمی ہیں امین ۱۷۰ھ میں رصاختہ میں پیدا ہوا وہ مامون سے سات مہینے چھوٹا تھا وہ پانچ سال کی عمر میں ولی عہدی کے لئے نامزد ہوا کم عمری میں ولی عہدی کے لئے بیعت لینے کی وجہ زبیدہ اور خاندان عباس کا دباؤ تھا لیکن ۱۸۲ھ میں امین لہو ولعب میں منہمک ومصروف رہتا تھا وہ اپنے دوران خلافت تدبیر مملکت سے اجنبی تھا مؤرخ جزری، ابن اثیر نے لکھا ہے امین کی سیرت میں کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو اچھی ہو اور اس کا ذکر کریں ہارون رشید نے اپنی حیات میں امین اور مامون دونوں کے لیے بیعت لی تھی بیعت نامہ پر شواہد وگواہ کے امضاء کرنے کے بعد دیگر علاقوں کے علاوہ ایک نسخہ کعبے کے اندر آویزاں کیا تھا۔

جب ہارون رشید نے طوس میں وفات پائی تو لشکر کے قائدین نے ان کیلئے بیعت لی بغداد میں خاص و عام نے ان کی بیعت کی یہاں تک کہ یہ ۱۹۵ھ میں قتل ہوئے ان کی خلافت ۴ سال، ۴ مہینہ سے کم رہی۔

امین کے دور خلافت کا زیادہ تر حصہ دونوں بھائیوں کے درمیان جنگ وجدل میں گزرا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ ہارون رشید نے ولی عہدی کو ترتیب سے تینوں اولادوں میں رکھا تھا پہلے امین، اس کے بعد مامون اور اس کے بعد قاسم مؤتمن، دوسرے مرحلہ پر مملکت اسلامی کو ۳ اولادوں میں تقسیم کیا۔

اس وقت مامون خراسان میں تھا امین بغداد میں تھا جبکہ فضل ابن ربیع ہارون رشید کا وزیر اس کے ساتھ طوس میں تھا جب ہارون رشید مرا تو فضل نے تمام اہل لشکر سے امین کے لیے بیعت لی۔ بیعت لینے کے بعد فضل ابن ربیع فوراً بغداد گیا تو امین نے انہیں اپنا وزیر بنایا امین لہو ولعب میں مگن اور شرابی و جواری لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا۔ اس وقت فضل ابن سہل جو مامون کا وزیر تھا اس نے مامون کو مشورہ دیا کہ خود کو دین و دیانت، تقویٰ اور حسن سیرت والا پیش کریں۔ اس نے خراسان کی عوام کو اپنی طرف جذب کیا جہاں امین غلط حرکات کا ارتکاب کرتا تھا مامون اس کے برخلاف نیک کردار کا حامل دکھائی دیتا تھا۔

فضل بن ربیع نے سوچا اگر خلافت مامون کی طرف رہی تو اسے کچھ نہیں ملے گا، اس نے امین کو مشورہ دیا کے مامون کو ولی عہدی سے ہٹاؤ اور اپنے بیٹے موسیٰ کو بناؤ۔ امین نے پہلے مرحلہ میں موافقت نہیں کی لیکن بعد میں اس نے پہلے مؤتمن کو خلع کیا پھر مامون کے پاس پیغام بھیجا، اس سے کہا اپنی ولی عہدی میرے حوالے کرو لیکن مامون نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔

فضل بن ربیع نے امین سے اصرار کیا کہ مامون کو ولی عہدی سے ہٹائیں اور اپنے بیٹے کیلئے بیعت لیں پھر مامون کیلئے لکھا کہ آپ بعض جگہوں سے

دست بردار ہو جائیں تو مامون نے انتہائی پیار، محبت اور نرم زبان میں ان سے کہا آپ اس مطلب کو چھوڑیں میں آپ کیلئے مخلص رہوں گا اس پر امین کو غصہ آیا اور اس نے ۴ ہزار کا لشکر علی بن عیسیٰ ماھان کی قیادت میں بھیجا ان کے ساتھ کچھ چاندی کی ہتھکڑیاں بھیجیں تا کہ جب مامون گرفت میں آجائیں تو انھیں قید کریں۔ یہ زبیدہ کی خواہش تھی کیونکہ علی بن عیسیٰ پہلے خراسان میں والی تھے اس نے اہل خراسان پر ظلم کیا تھا یہ مامون کے حق میں اور امین کے خلاف تھے۔ انہوں نے اہل خراسان سے دوبارہ لگاؤ پیدا کیا انہوں نے ایک لشکر طاہر بن عیسیٰ خزاعی کی قیادت میں بھیجا اور اپنی طرف سے جاسوس بھیجا علی بن عیسیٰ، طاہر کا مسخرہ کرتا تھا ان سے ملنے کیلئے تیار نہیں ہوئے اس سے خود کو بچایا بھی نہیں طاہر لشکر کے ساتھ تیاری میں مشغول تھا اور تمام لوگ مکمل آمادہ ہو چکے تھے جب دونوں لشکر مل گئے تو لشکر امین کو ہزیمت اٹھانا پڑی اور فضل بن سہل کو فتح و کامیابی کی خبر پہنچائی گئی کہ دشمن قتل ہوا ہے فضل بن سہل اپنی جگہ سے اٹھے اور مامون کے پاس گئے اور انھیں امیر المؤمنین کہہ کر خطاب کیا اور جیش طاہر میں مزید طاقت و قدرت اور مال کا اضافہ کیا جب یہ خبر امین کو پہنچی انہوں نے ۳۰ ہزار کا لشکر رحمٰن بن جبلہ انباری کے ساتھ بھیجا یہ لشکر عبد الرحمٰن کے ساتھ آیا اور جنگ لڑی اس نے بھی شکست کھائی پھر طاہر نے انھیں ہمدان میں شکست دی اور انہوں نے امان نامہ طلب کیا طاہر نے انھیں امان دی فضل بن ربیع جو کہ مامون کا دشمن اور خیانت کار تھا اس نے امین سے کہا اسد بن زید سے کہیں کہ وہ لشکر کی قیادت کریں، ایک بڑی شرط لگائی اسی پر امین کو غصہ آیا تو ان کی جگہ اپنے چچا احمد بن مزید کو بنایا احمد ۲۰ ہزار کے لشکر کے ساتھ پھر نکلے ان کے ساتھ عبد اللہ بن حمید نے ۲۰ ہزار کا لشکر لیا طاہر کو جب خبر ملی تو انہوں نے دونوں لشکروں کے ساتھ حیلہ کرنے کیلئے جاسوس بھیجا اور ان کے درمیان عداوت اور دشمنی

ڈالی۔ امین کے دونوں لشکروں کے اندر لڑائی ہوئی پھر دونوں واپس آ گئے تو طاہر نے ان کا پیچھا کیا ایک طرف سے ہرثمہ بن اعین آئے اور دوسری طرف سے طاہر گئے اور بغداد کا محاصرہ کیا پھر مدائن ان کے ہاتھ آیا کوفہ بھی ان کے ہاتھ آیا جہاں عباس بن موسیٰ ہادی تھے انہوں نے جلد ہی امین کو خلافت سے خلع کیا اور مامون کیلئے بیعت لی اس وقت حجاز والوں نے بھی امین کو خلع کیا اہل حجاز کے پاس وہ عہد نامہ تھا جو ہارون رشید نے ان کی ولی عہدی کا لکھا تھا اور کعبہ میں رکھا تھا اس کو امین کے لشکر نے نکال کر پھاڑ دیا تو اہل حجاز اس سے ناراض ہوئے پھر داؤد بن عیسیٰ خود بخود مامون کے پاس گئے اور جو کچھ اس نے کیا تھا سب کہہ دیا جس سے مامون خوش ہوئے، مکہ اور مدینہ میں انہوں نے خوشیاں منائیں پھر تمام لشکر طاہر و ھرثمہ سب نے مل کر بغداد کا محاصرہ کیا امین پھر قصر میں تنہا رہ گئے اس نے مدد مانگی اس نے جیلوں میں جو افراد تھے انھیں نکالا اور راستہ کاٹنے والوں سے مدد مانگی یہاں تک کہ امین نے اپنے قائدین سے کہا ہرثمہ سے ان کیلئے امان لے لو وہ ان کے لیے تسلیم ہو جائیں گے اس پر ہرثمہ راضی ہوئے اور طاہر نے اسرار کیا کہ خود اپنے آپ تسلیم ہو جائیں پھر امین ھرثمہ کے مقابل میں سواری پر آیا تو انہوں نے ان کی کشتی کو غرق کیا اور امین دریا میں کودا تو طاہر کے اصحاب نے ان کو نکالا اور انھیں قتل کرنے کا حکم دیا اس طرح وہ ۲۵ محرم ۱۹۸ھ کو قتل ہوئے پھر طاہر نے صبح کو مامون کو خط لکھا اور مدینہ میں داخل ہوئے اور سب تسلیم ہوئے اور سب لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی اور انھیں خطبہ دیا اور واپس اپنے معسکر آئے۔

[کتاب تاریخ دولۃ الاسلامیہ صفحہ ۲۴۲]

دوسری طرف سے مامون نے امین کو خلافت سے معزول کیا اور ''طاہر حسین'' اور ''ہرثمہ'' کو لشکر کے ساتھ بغداد بھیجا اور

بغداد کا محاصرہ کیا اُس وقت امین ایک حوض کے کنارے پر اپنی کنیزوں کے ساتھ مچھلی کا شکار کر رہا تھا اس حوض میں ایسی مچھلیاں رکھی گئی تھیں جن کے ناک میں قیمتی جواہر اور گردن میں سونے کے ہار لگے ہوئے تھے، جو کنیز جس مچھلی کا شکار کرتی وہ دُر اور ہار اس کا ہو جاتا تھا، اس وقت امین کو خبر دی گئی کہ بغداد مامون کے لشکر کے محاصرے میں آیا ہے اس نے جواب میں کہا تھوڑی دیر انتظار کرو میری محبوبہ کنیز نے دو مچھلیوں کا شکار کیا ہے مجھ سے ابھی تک ایک مچھلی بھی شکار نہیں ہوئی ہے۔ امین نے اپنے بھائی مامون الرشید کے ساتھ لڑائی کی جس سے مال و دولت ختم ہو گیا قتل و غارت گری اور ویرانی نے بغداد کی خوبصورتی اور اس کے حسن و جمال کا خاتمہ کر دیا ایک سال تین ماہ مسلسل بغداد میں جنگ ہوتی رہی اور تمام اہل بغداد اس طویل مدت تک محصور رہے، بلا آخر ۱۹۸ھ میں ۲۷ سال کی عمر میں چار سال ۸ مہینے کے بعد امین قتل ہوا اور بغداد میں دفن ہو گیا۔

امین فصیح و بلیغ لیکن انتہائی مسرف اور ضعیف رائے تھا، ریاست اور سیاست کا اہل نہیں تھا اس کا دور فتنہ و فساد کا دور تھا۔ اس دوران جب امین و مامون کے درمیان جنگ ہوئی تو شام میں علی بن عبداللہ بن خالد بن یزید بن معاویہ کا فتنہ برپا ہوا۔

دو بڑے سپہ سالار طاہر اور ہرثمہ مامون کے حکم پر قتل ہوئے یہ دونوں بغداد پر مسلط ہوئے اسے خطرہ لاحق ہوا کہ اس کی سلطنت و ریاست میں کمی آ جائے گی کچھ دیر سوچنے کے بعد اس کے ذہنِ شیطانی نے اسے وسوسہ کیا کہ دونوں کو بغداد سے خارج کریں اس نے دونوں کے لئے نئے عہدے کا تعین کیا طاہر سے کہا وہ رقہ جا کر نصر بن شیث سے لڑیں اور بغداد میں حکومت اپنے بھائی حسن ابن سہل کو دی طاہر حکم کی تعمیل کرتے ہوئے رقہ چلا گیا، اور ہرثمہ کو حکم دیا تھا کہ وہ عراق چھوڑ کر خراسان واپس آ جائے

دونوں نے بادل نخواستہ اطاعت کی جب یہ دونوں عراق سے نکل گئے تو محمد بن ابراہیم جن کا سلسلہ امام حسن بن علیؑ سے ملتا ہے نے کوفہ میں خروج کیا ابوسرایا نے لوگوں کو ان کی طرف دعوت دی جب حسن بن سہل کو پتہ چلا کہ اس کا لشکر بغداد کو نہیں بچا سکتا تو اس نے ہرثمہ سے التماس کی کہ وہ دوبارہ واپس آجائے اور لشکر کی قیادت سنبھالے اس کے اصرار کرنے پر ہرثمہ بادل نخواستہ واپس آیا اور ابوسرایا کو شکست دی ابوسرایا فرار ہوگیا انہیں گرفتار کر کے حسن بن سہل کے پاس لایا اور انہیں قتل کر کے ان کے جسم کو دس مہینے تک سولی پر چڑھایا۔ اس دوران حجاز میں طالبین کا حال برا رہا کہتے ہیں آل طالبین اس وقت مکہ و مدینہ میں برے اعمال انجام دیتے تھے ان پر حسین بن حسن بن حسین نے حکومت کی جس نے اہل حرمین پر ظلم کیا ان کا مال و دولت قبضے میں لیا بنی عباس کی جتنی دولت جہاں کہیں امانت تھی مار دھاڑ اور قتل و غارت گری سے زبردستی اکٹھی کی یہاں تک کہ مسجد پر لگے ہوئے ستون بھی اٹھائے اس دوران اسے خبر ملی کہ ابوسرایا قتل ہوگیا ہے۔ یمن میں محمد بن ابراھیم بن موسیٰ بن جعفر نے خروج کیا اور قتل و غارت گری کی اس لئے اسے جسار کہتے تھے۔

[تاریخ اسلام تألیف حسن ابراہیم حسن ج ۲ ص ۵۶]

قتل امین، فضل بن ربیع کی وزارت کی خاطر ہوا؟

امین ہارون الرشید کا بیٹا ہے جسے ہارون رشید نے اپنا پہلا ولی عہد نامزد کیا تھا اور اس کے بعد اس کے بھائی عبداللہ کو منتخب کیا تھا جب امین کو اپنے باپ ہارون رشید کے طوس میں وفات پانے کا علم ہوا تو اس نے اپنے بھائی صالح کو پیغام بھیجا کہ میری خلافت اور مامون اور قاسم کی ولی عہدی کے لئے لوگوں سے بیعت لے اور خود اپنے لشکر کے ساتھ بغداد آجائیں لیکن فضل بن ربیع نے امین سے اصرار کیا کہ مامون کو عزل کر کے ان کی جگہ اپنے بیٹے

موسیٰ کیلئے بیعت لیں چنانچہ فضل بن ربیع کے مسلسل اصرار پر پہلے امین تیار ہوا کہ موتمن کو عزل کرے پھر فضل بن ربیع نے اصرار کیا کہ مامون کو عزل کریں چنانچہ امین نے فضل کی باتوں میں آ کر اپنے بھائی مامون سے غداری کی جو عہد نامہ ولی عہد کے لئے ہارون نے لکھا تھا وہ بیت الحرام سے نکالا اور اسے پارا پارا کر دیا۔ اس نے اپنے عمل کے برے انجام کا خیال نہیں رکھا۔ پھر مامون کو پیغام بھیجا کہ وہ اس بات پر راضی ہو جائیں اور خود کو عزل کر کے ولی عہدی موسیٰ کے حوالے کرے۔ اس کے علاوہ امین اپنے دور خلافت میں خود کو لہو ولعب میں مصروف رکھتا تھا جبکہ اس کا بھائی مامون ظاہری طور پر علما اور فقہا ومحدثین سے تعلق رکھتا تھا لوگ اس سے پیار و محبت سے پیش آتے تھے جبکہ امین کے پاس ہر وقت گانے بجانے والے لوگ ہوتے تھے اور وہ مال مسلمین ان پر ضائع کرتا تھا وہ امور مملکت کے ہر کام سے دور رہتا تھا لہٰذا اس کا کام صرف قصر بنانا، لہو ولعب اور شراب خوری میں مصروف رہنا تھا، اسی طرح گانا سنتا اور گانا گاتا تھا، چھ گلوکار و اداکار جو اس کے دربار میں ہوتے تھے اور جن کو ''مغنیہ'' کہا جاتا تھا ان میں سے اس نے ایک لاکھ دینار دیکر ایک مغنیہ خریدی تھی وہ اپنی خوداری پر قائم رہتا تھا یہی کردار و سیرت اسکے قتل کا سبب بنا۔

مامون نے خود خلیفہ ہونے کا اعلان کیا:۔

۱) مامون کو جب امین نے ولی عہدی سے ہٹایا تو مامون نے خود خلیفہ ہونے کا دعویٰ کیا، اس پر بنی عباس دو گروہوں میں بٹ گئے، اکثر و بیشتر نے امین کی حمایت کی، مامون نے اپنے وزیر حسن بن سہل کے مشورے پر امام رضا کو طوس بلا کر ان کو اپنا ولی عہد بنایا اور اپنی بیٹی کو ان کے عقد میں دیا اور نشان وعلامت بنی عباس یعنی سیاہ لباس اتار کر سبز لباس پہننے کا حکم دیا۔

۲) ہر طرف سے مامون کے خلاف بغاوتیں شروع ہوئیں، ابی سرایہ

اور علوین نے شہروں میں بغاوت شروع کی مگر آخر میں ان بغاوتوں کو کچل دیا گیا۔

۳)جب مامون نے امام رضا کو ولی عہد بنایا تو اس پر خاندان بنی عباس ناراض ہو گئے اور انھوں نے ابرہیم بن مہدی جو کہ مامون کا چچا تھا کو خلیفہ بنایا، جب مامون کے بغداد آنے کی خبر سنی تو قائدین لشکر نے ابرہیم کو اکیلا چھوڑ دیا اور ان سے خیانت کی ،ابراہیم ڈر گئے اور مامون سے چھپ گئے، مامون نے ۲۱۰ھ میں ابراہیم کو تلاش کر لیا اور ان سے اور ان کا ساتھ دینے والوں سے انتقام لیا،ان کو تین دن مامون کے دروازے پر دھوپ میں کھڑا کیا گیا اور ان کو تازیانے مارنے کا حکم دیا، پھر ان کو زندان بھیجا مگر بعد میں ابراہیم بن مہدی کو زندان سے نکال کر معافی دی۔

۷۔مامون فرزند ہارون الرشید:۔

عبداللہ مامون: مامون الرشید کتاب تاریخ اسلامی تالیف محمود شاکر ج ۵ ص۱۸۲پر آیا ہے جس دن ہارون کو خلافت ملی اسی دن مامون ۱۰ ربیع الاوّل ۱۷۰سنہ کو پیدا ہوئے ۔۲۰محرم سنہ ۱۹۸ھ کو امین کے قتل سے کچھ دن پہلے ان کی خلافت کے لئے طوس میں بیعت لی گئی خلفاء بنی عباس میں علم و دانش، عقل و خردمندی اور علماء وقت کے احترام میں مامون اور ان کے والد کا نام لیا جاتا ہے حتیٰ مامون کو عالم خلیفہ متعارف کراتے ہیں باپ بیٹے دونوں عالم و عاقل ہونے کے باوجود حکمرانی میں دیگران کی بنسبت منصور دوانیقی سے بہتر نہیں تھے۔درآمدات ہارون و مامون منصور دوانیقی سے کئی گنا زیادہ تھیں ہارون کی حکومت برامکہ چلاتے تھے مامون کی حکومت فضل سہل چلاتے تھے۔

ا۔ہارون کے امور مملکت برامکۃ چلاتے تھے۔

۲۔ہارون رشید نے ولی عہدی کے لئے امین و مامون دونوں کو نامزد

کیا تھا جبکہ مامون نے امام علی رضا کو ولی عہد بنایا یہاں تک انہیں زہر دے کر قتل کرنا پڑا۔

۳۔ مامون نے بغیر کسی وجہ کے مذہب اعتزال کو اپنایا اس کو مملکت پر ٹھونسا۔ مامون رشید بن محمد مہدی بن ابی جعفر منصور نام عبداللہ کنیت ابو العباس، ان کی ماں کا نام مراجل ام ولد ہے جو نفاس کے دوران مرگئی۔ اس کی انگوٹھی کا نقش ''الموت حق'' تھا جس دن ہادی نے وفات پائی ہارون الرشید منصب خلافت پر بیٹھا اسی دن مامون ۱۷۰ھ میں پیدا ہوا۔ گویا تاریخ میں ایک دن وہ ہے جس دن ایک خلیفہ فوت ہوا ایک خلیفہ بن گیا اور ایک پیدا ہوا۔ ہارون رشید نے ۱۸۴ھ میں امین کے بعد ان کو ولی عہد بنایا تھا امین کے خلافت کے لئے غیر موزوں ہوتے ہوئے اپنی والدہ زبیدہ اور خاندان عباسی کے عمائدین کی خواہش پر ان کے عباسی طرفین نسب کو بنیاد بنا کر ان کو مقدم کیا جس طرح منصور نے بڑے ہونے کے باوجود سفاح کو پہلے خلیفہ بنایا تھا۔

نسب کے گیت:۔

مسلمانوں کو اسلام کی مسترد کردہ اقدار جاہلیت کو دوبارہ احیاء کر کے شور و شرابہ کر کے جادہ جاہلیت کی پٹڑی پر سوار کرنے کی مدفون اقدار کو خاندان رسالت سے وابستہ کرنے والے بعض معروف خاندان کو جاتی ہے ان میں سے ایک خاندان بنی عباس ہے جہاں انہوں نے اس منطق کو دہرایا ہے جو بنی امیہ کہتے تھے خلافت خاندان قریش کا حق ہے قرآن کریم کی آیت مومنون ۱۰۱ میں ایک خاندان کا دوسرے خاندان پر برتری کو مسترد کیا گیا ہے نبی کریمؐ نے بھی حجۃ الوداع کی موقعہ پر نسب سے تفاخر کو رد کیا تھا اس کے باوجود بنی ہاشم کے علویوں، عباسیوں اور طیاریوں نے اپنے اقتدار کے لئے اپنے نسب کو استعمال کیا انہوں نے جو خون بہایا ہے اس پر رونے

والا کوئی نہیں ہے۔

۱۔ کہتے ہیں انسان کی سعادت وشقاوت میں نسب کا بہت بڑا کردار ہے۔اس فکر کو آج کل کے جدت پسند، نئی تحقیقات کے دعویدار، ضعیف السند روایتوں کو وحی کا درجہ دینے والے اور بعض علماء بھی قانون وراثت کو اکتشافات سے ثابت کرتے ہیں، اسی تناظر میں ملاقان چاپلوسان شعراء جو لوگوں کی توجہات اپنی طرف مائل کرتے ہیں اغیاء پر بھروسہ کرنے اور خود اعتمادی سے محروم انسان اس جال صیادی میں آجاتے ہیں خطباء اپنے نثر مرصع میں پیش کرتے ہیں، علماء احادیث اس بارے میں احادیث گھڑتے ہیں ادباء لفاظی کرتے ہیں بعض آیتوں کی تفسیر بہ رائے کر کے یا بعض غیر مستند روایتوں سے استناد کرتے ہوئے کہتے ہیں انسان کی سعادت میں نسب کا بہت کردار ہے یہاں اچھے نسب سے مراد کھانے پینے اور عیش وعشرت کی زندگی گزارنے والا انسان ہے چاہے کافر ومشرک ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔ شعراء اور جعلی تاریخ لکھنے والوں نے عمداً اور بعض مؤلفین نے نادانستہ ترسیل مرسلات کی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے امام سجاد کی عظمت وبزرگی کا ایک سبب آپ کا مادری نسب شاہان مجوس اور شرک فارس کو قرار دیا ہے۔اسی طرح بنی امیہ کے خلفاء کے بارے میں بھی آیا ہے کہ وہ سب قریش سے تھے یہاں سے ہم جاننا چاہتے ہیں کہ نسب کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں شاید بعض احباب یہ گمان کریں کہ ہم نئی مغربی تحقیقات کے خلاف ہیں اسی وجہ سے مدارس دینی میں مروجہ تعلیم کے خلاف ہیں یہ سب عمدی تہمتیں ہیں یہ ایسے لوگ ہیں جو بے سند بات سن کر نتیجہ اخذ کرتے ہیں ہم نہ مروجہ تعلیم کے خلاف ہیں اور نہ جدید تحقیقات کے خلاف ہیں البتہ ہم دو نمبر اور ادھوری تحقیقات کو نہیں مانتے، ہم تحقیقات میں تحقیقات کرنے

کے حق میں ہیں، کیا یہ تحقیق پروپیگنڈا اور دھوکہ وسیاست بازی ہے یا کوئی حقیقت رکھتی ہے اسی تناظر میں ہم ہر نئی جدید چیز کو فوراً تسلیم نہیں کرتے۔ اسی اصول کے تحت ہم قانون وراثت میں جو شور شرابہ ہے اس میں تحقیقات کے داعی ہیں قانون وراثت تنہا میدان فزکس و مادیات میں جاری ہے جس انسان نے انسان کے خلیہ پر تحقیق کی اُس کا کہنا ہے خلیہ کے ذریعہ بعض صفات موروثی ہیں اور وارث میں نقل ہوتی ہیں اور جسمانی خصوصیات بھی نقل ہوتی ہیں، شکل وصورت، مرض، قدوقامت اور آواز وغیرہ میں بھی وراثت کا اثر ہوسکتا ہے، لیکن روحانی اور نفسیاتی صفات وخصوصیات میں یہ قانون جاری نہیں ہے بلکہ جو چیز مشاہدے اور تجربے میں آئی ہے وہ سب جسمانی صفات کا ارث میں ایک دوسرے میں منتقل ہونا ہے۔ یہاں اس بحث کو چھیڑنے کا مقصد اس تصور کو رد کرنا ہے جو قدیم زمانے سے عصر حاضر تک لقلقہ زبان بنا ہوا ہے چنانچہ اس لقلقہ میں اموی خلیفہ نے زید بن علی پر یہ طنز کیا کہ تم کنیز زادے ہو، ہمارا مقصد یہاں یہ بتانا ہے کہ ہارون الرشید کے دو بیٹوں کا موازنہ کیا جائے ایک امین ہے جو کہ دونوں طرف سے ہاشمی النسب ہے جعفر بن منصور دوانقی کی بیٹی ہے جو بعض کے نزدیک صحیح النسب خاتون تھی دوسرا مامون ہے جس کی ماں کسی کی کنیز تھی ان کا حافظہ خراب ہے کیونکہ ہارون رشید خود کنیز زادہ ہے کیونکہ خیزران معتقہ تھی اگر نسب اتنی اہمیت کا حامل ہے تو امین و مامون میں سے امین کو بہتر ہونا چاہئے تھا جبکہ قابلیت کے لحاظ سے مامون نکلے ہیں۔

صفات خاصۃ مامون:۔

۱۔ مامون کی صفات خاصۃ میں سے ایک عفو و درگذر تھی جتنا ممکن ہو کم سے کم انتقام لیتا تھا جیسے ابراہیم بن مہدی جو بغداد میں دو سال تک کرسی خلافت پر قابض ہوا، فضل بن ربیع جس نے امین کو مامون کو عزل کرنے پر

اکسایا اور جس نے ہارون الرشید کی طرف سے رکھی گئی امانتیں انہیں نہیں دیں مامون کہتا تھا میں کسی کو جلد قتل نہیں کروں گا جب تک کوئی بالکل نافرمان وسرکش نہ ہو جائے۔

۲۔ جودوکرم میں بے نظیر تھا۔

۳۔ حاضر جواب تھا۔

۴۔ صاحب جدل ومناظرات تھا صاحب تاریخ خلفاء نے لکھا ہے اپنے دور کے فقیہوں میں شمار ہوتا تھا ہارون رشید کہتا تھا اگر زبیدہ اور بنی عباس کا اصرار نہ ہوتا تو مامون کو پہلا ولی عہد بناتا۔

۵۔ بدعات بے سودو بے منطق مامون کا عنوان بنا ہے جیسے ۲۱۱ھ میں حضرت علی کی خلفاء پر برتری اور معاویہ پر لعنت کا رواج دیا۔

۶۔ ۲۱۲ھ میں مامون نے مسئلہ خلق قرآن پیدا کیا جو اسے تسلیم نہیں کرتا اسے سخت سزا دیتا تھا، احمد بن حنبل پر مسئلہ خلق قرآن پر جبر وتشدد کیا۔

۷۔ تاریخ خلفاء میں لکھا ہے کہ خلفاء راشدین کے بعد خلفاء میں اس سے بڑا کوئی عالم نہیں گزرا وہ خود کہتا تھا معاویہ کی سیاست مداری کی برگشت عمروعاص کی طرف جاتی ہے جبکہ عبدالملک کی سیاست مداری کی برگشت حجاج کی طرف، لیکن میں اپنی سیاست خود چلاتا ہوں، لیکن یہ بات صحیح نہیں تھی کیونکہ وہ خود بھی فضل بن سہل کی سیاست پر چلا ہے جس کا اسے احساس بھی نہ ہوا۔ خلق قرآن ان کا ایجاد کردہ مسئلہ ہے امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کو پہلی بار دیگر خلفاء پر برتری دی۔

۸۔ پہلی بار بیوی سے جہیز لیا کہتے ہیں کہ بوران بنت حسن بن سہل کی رخصتی کے موقع پر تمام رئیس لشکر اور وزراء وامراء کے لئے زمین، باغات اور جائیداد و جواہرات کا تحفہ دیا گیا۔

زوجات اولادو طلاب کی آزادی۔

امت مسلمہ کی بدتری وابتری اور زبوں حالی وخستری کا سرا مغرب کی طرف سے خواتین و اولاد اور طلاب کی تادیب اور سرپرستی ونگرانی کا حق چھیننے کی تاریخ کو جاتا ہے سلاطین عباسی وعثمانی اپنی چہیتی اولادوں کے مؤدب متعین کرتے تھے خود مؤدب کو تازیانہ دیتے تھے اور انہیں کہتے تھے کہ اگر یہ نہ پڑھیں تو انہیں ماریں جدید دور نے علمی اکتشافات کی ہیں لیکن انسان سازی میں کچھ کر نہیں سکے بلکہ اس شعبے کو ابتری و بدتری کی طرف دھکیل دیا۔

مامون اور ادب:۔

ابومحمد ترمذی کہتے ہیں کہ میں مامون کا مؤدب تھا، مامون اس وقت سعید جوہری کی نگرانی میں تھا، سعید جوہری اندر تھا، میں نے ان کے غلام کو بھیجا کہ میں یہاں بیٹھا ہوں مامون کو بھیجو لیکن وہ نہیں آیا میں نے پھر پیغام بھیجا لیکن پھر بھی نہ آیا، میں نے سعید سے کہا یہ لڑکا (مامون) شاید بے کاری میں مصروف رہتا ہے، لگتا ہے یہ پڑھنا نہیں چاہتا، تو سعید نے کہا وہ آپ کے جانے کے بعد غلاموں سے مصروف رہتا ہے، اس کو ادب سکھاؤ، یہ بات کہہ کر سعید اندر چلا گیا میں نے پھر ایک آدمی بھیجا تو وہ آ گیا، اس وقت میرے ہاتھ میں تازیانہ تھا، میں نے مامون کو سات تازیانے مارے، اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے، جب مامون کے رونے کی خبر جعفر بن یحییٰ کو ملی تو وہ فوراً آیا اور مامون کی آنکھوں سے آنسو خشک کئے، مامون کا لباس ایک جگہ رکھا، اور مجھ سے باہر جانے کو کہا، میں باہر آ گیا لیکن ڈر گیا کہ اگر مامون نے میری شکایت جعفر بن یحییٰ سے کی تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گا غرض جب وہ لوگ باہر گئے تو میں واپس اندر گیا اور مامون سے کہا، اے امیر! اللہ آپ کو سلامت رکھے مجھے ڈر تھا کہ کہیں آپ میری شکایت جعفر بن یحییٰ سے

نہ کریں، اگر کر دیتے تو وہ مجھ سے ناراض ہو جاتے، مامون نے کہا میں یہ شکایت امیر المومنین سے نہیں کروں گا چہ جائیکہ میں جعفر بن یحییٰ سے کروں ، میں ادب سیکھنے کا محتاج ہوں، اللہ آپ کو بخش دے۔

مامون اور غناء:۔

[قصص العرب ابراہیم شمس الدین ج ۳ ص ۱۱۳]

اسحاق بن ابراہیم موصلی کہتا ہے جب مامون تخت سلطنت پر براجمان ہوا تو ۲۰ مہینے غناء نہیں سنی سب سے پہلے اس کے حضور میں گانا گانے والا ابو عیسیٰ تھا پھر یہ سلسلہ شروع ہوا اس دوران میرے کچھ حاسدین نے مجھے مامون سے کاٹنے کی مہم چلائی اور کہا یہ خلافت کے چکر میں رہتا ہے یہاں تک کہ ایک دن میرا ایک دوست ایک علوی آیا اس نے مجھ سے کہا مجھے اجازت دو کہ میں مامون کے پاس آپ کا ذکر کروں میں آج وہاں جاؤں تو اس نے کہا میرا ذکر نہ کرو بلکہ یہ شعر کہنا جب پوچھے گا یہ کس کا ہے پھر تم بتانا کس کا ہے پھر تمہیں جواب دینا آسان ہوگا علوی نے جا کر مامون کے دربار میں موصلی کا شعر پڑھا جب مامون نے سنا اور پوچھا یہ کس کا ہے تو کہا یہ آپ کے غلاموں کے غلام کا ہے جس پر آپ نے زیادتی کی ہے اس پر مامون نے کہا اسحاق بن ابراہیم کا ہے تو جواب دیا ہاں تو مامون نے کہا فوراً اسے حاضر کرو۔

کسی نے مامون کو یا عبداللہ کہہ کے پکارا:۔

قصص عرب ج ۴ ص ۴۳۲ مامون اپنے خاص الخاص شخصیات کی معیت میں کہیں جا رہے تھے کسی نے ان کے پیچھے یا عبداللہ یا عبداللہ کہہ کے پکارا مامون نے ان کو حاضر کیا اور پوچھا تم نے میرے نام سے مجھے کیوں پکارا تو اس شخص نے کہا نعم یا امیر المومنین میں آپ کو آپ کے نام سے

پکارتا ہوں جس طرح آپ اللہ کو ان کے نام سے پکارتے ہیں۔ مامون مبہوت رہ گیا۔
[قصص ابراہیم ہاشمی ج ۴ ص ۴۱۶]

ایک واجب القتل اعرابی مامون کے پاس آیا کہا یا امیر المومنین آپ نے میرے قتل کا حکم صادر کیا مجھے معاف کریں تو اس نے جواب دیا تم نے جھوٹ بولا میں نے تم کو قتل کا حکم نہیں دیا بلکہ حق نے ہی تم کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے اعرابی نے کہا یا امیر المومنین مجھ پر رحم کریں رحم عدل سے بالاتر ہے تو مامون نے کہا میں اس سے زیادہ رحیم نہیں ہوں جس نے حد کا تعین کیا ہے۔

مامون نے قسم کی بجائے تیس ہزار دینار دیئے:۔

قصص العرب ابراہیم ہاشم ج ۲ ص ۱۶۷ ایک شخص نے قاضی یحییٰ بن اکثم کی عدالت میں مامون رشید پر دعویٰ دائر کیا مامون کرسی چھوڑ کر اس کے ساتھ بیٹھے یحییٰ بن اکثم نے کہا نہیں آپ کے برابر کھڑے ہو جائیں مدعی کے پاس گواہ نہیں تھے مامون سے کہا آپ قسم کھائیں تو مامون نے تیس ہزار دینار دیا تا کہ یہ نہ کہیں طاقت سے جیتا۔

مامون کے قصر کے برابر قصر:۔[قصص العرب ابراہیم ہاشم ج ۴ ص ۴۳۴]

محمد بن عمران نے مامون رشید کے قصر کے برابر میں ایک قصر بنایا محمد کے حاسدین نے مامون کے پاس ان کی شکایت کی کہ وہ خود کو آپ کے متوازی دکھانا چاہتے ہیں مامون نے اس کو بلایا اور پوچھا تو اس نے کہا امیر المومنین قرآن میں اخبار کی تحقیق کا حکم ہے مخبرین کون ہیں دیکھنا چاہیے میں نے آپ کے مقابل میں اس لئے بنایا تا کہ دیکھوں ہم پر آپ کی کتنی عنایتیں ہیں۔

چھوٹی عمر کا قاضی:۔ قصص العرب ج ۴ ص ۳۷۴:

مامون نے یحییٰ بن اکثم کو بصرہ کا قاضی بنایا جس وقت ان کی عمر ۱۱ سال تھی ایک جوان لڑکا قاضی دیکھ کر لوگوں نے ان کا مسخرہ کیا ان کو ضعیف سمجھا ان کا امتحان لینے کیلئے لوگوں نے انھیں کہا قاضی محترم آپ کی کیا عمر ہے اس نے کہا عتاب بن اسیود کا ہم عمر ہوں جسے رسول اللہ نے مکہ میں والی بنایا تھا۔

کوفہ والوں کی مامون سے اپنے والی کی شکایت:۔

[قصص العرب ابراہیم ہاشمی ج ۱ ص ۲۶]

اہل کوفہ نے مامون سے اپنے والی کے مظالم کی شکایت کی تو مامون نے کہا میرے والیوں میں ان جیسا عادل والی میں نے نہیں دیکھا ہے تو ان میں سے ایک نے مامون سے کہا آپ سے زیادہ عدل و انصاف میں کوئی دوسرا نہیں اگر آپ کے والی آپ کے فرمان کے مطابق سب سے زیادہ عادل ہے تو اس عدالت کا فیض اس مملکت کے تمام اطراف و اکناف کو پہنچنا چاہیے اس حوالے سے ہم نے اپنا فیض حاصل کیا ہے دوسروں کو بھی پہنچائیں۔

حکمرانوں کی ترجیحات ہمارے ملک میں علماء و دانشوران کی ترجیحات کی کسوٹیاں:۔

نابالغ بچوں اور خواتین کی خواہشات گداگروں کا خیال ہوتا ہے ایسے ملک کبھی ترقی نہیں کر سکتے ایسے گھر کبھی آباد نہیں ہو سکتے ہیں جہاں باپ کی سوچ دنیا و مال و دولت دنیا اور بچوں کی خواہشات تک محدود ہو، سرپرست و حاکم گھر اور ملک کی مصلحت کو ہمیشہ مقدم رکھتا ہے گرچہ کچھ وقت طنزیہ اور تضحیک والی باتوں کو سننا پڑے۔

لیکن زیادہ تر حکمران بے ثمر اور فالتو سرگرمیوں میں مشغول نظر آتے ہیں جو نا عاقبت اندیش لوگوں کی پسند ہوتی ہیں یہاں سے حکمران ذمہ داران اور عوام سے کم کم دور ہوتے جاتے ہیں۔

مامون نے اپنے ایک ذہین آدمی کو ایک والی کے بارے میں تحقیقات کیلئے روانہ کیا کہ اس والی کے حال احوال پیش کریں وہ آدمی والی کے پاس پہنچا اور اس سے اظہار کیا کہ میں کسی سرکاری کام سے نہیں بلکہ میں اپنے کاروبار کے سلسلے میں آیا ہوں، والی نے اس کی بہت شاندار پذیرائی کی، اس وجہ سے کہ وہ خلیفہ کے قریبی اور مقرب آدمیوں میں سے ہے۔غرض والی نے اس آدمی سے کہا، اگر آپ ہم سے خوش ہیں تو میرے بارے میں اپنے تأثرات لکھ دیں تا کہ میں امیر المومنین کو دکھاؤں تا کہ میرا مقام امیر المومنین کے پاس بلند ہو جائے، اس بندے نے ایک خط لکھ کر والی کو دے دیا جسے پڑھ کر والی بہت خوش ہوا، والی نے خط خلیفہ کو روانہ کیا، خط میں خلیفہ کی تعریف و تمجید کے بعد لکھا تھا'' ہم آپ کے والی کے پاس پہنچے تو انھیں قضاوت میں یکساں پایا، انہوں نے بوسیدہ مساجد کی تعمیر کروائی۔

جو شخص اپنی ذمہ داری کو چھوڑ کر دوسرے کی ذمہ داری یا بنیادی ذمہ داری چھوڑ کر فالتو و جزء وقتی کام انجام دیتے ہیں وہ لائق تحسین نہیں ہوتے ہیں اسی طرح جو قوم اپنے اوپر ہونے والے احسان کا احساس نہیں کرسکتی ہے وہ احسانات حقیقی اور اس کے ادراک سے محروم ہی رہتی ہے بادشاہوں کی یہ ذمہ داری نہیں کہ ملک میں بے روزگاروں کے لئے راشن تقسیم کریں جس طرح یہ ملک اس وقت اس طرح ہی چل رہا ہے بس لنگر لگانا اچھے نمبروں سے پاس ہونے والوں کو انعامات سے نوازنا یوٹیلٹی سٹور چلانا عمر رسیدہ افراد کے لئے ماہانہ تنخوا قائم کرنا بے نظیر انکم سکیم چلانا انجیوز کی خیرات تقسیم کرنا سب ملک کو فقر دائمی کی طرف دھکیل دینے کی مانند ہیں دراصل ان

کی ذمہ داری یہ ہے کہ یہ بے روزگاروں کے لئے روزگار فراہم کریں اسی طرح امتحانات میں اچھے نمبر لینے والوں کو انعامات دینے کی بجائے سب کے لئے ذوق وشوق و رغبت سے پڑھنے کے مواقع فراہم کریں تعلیم کے مواقع فراہم کریں چنانچہ عربوں میں جود وسخاء کی حد سے زیادہ تحسین و تعریف ہوتے ہوئے دیکھ کر اللہ نے نبی کریمؐ کو ایسے فعل سے منع کیا ہے مال چاہے اپنا ہو یا قوم وملت کی امانت ہو اس میں اسراف مذموم ہے چہ جائیکہ ان کے پاس مال بھی کل رعایا کا ہوتا تھا بنی عباس کے امراء لہو ولعب میں مال خرچ کرتے تھے اس اسراف کو عدالت نہیں کہا جا سکتا۔

اور اس عدالت کے باوجود لوگوں کو عمل آخرت کی طرف متوجہ کیا، اس کے باوجود لوگ امیر المومنین کیلئے دعا گو ہیں امیر المومنین ان لوگوں کے بارے میں اظہار نظر کریں، وہ آپ کے منتظر ہیں'' اس خط کو والی نہیں سمجھ سکا مگر مامون سمجھ گیا، کیونکہ اس کا مطلب تھا یہاں سب کے ساتھ مساوی سلوک ہے کیونکہ اس نے سارا مال امیر ہوں یا غریب، سب سے لے لیا ہے اور ان کو صرف آخرت کی طرف مشغول رکھا ہے اور مساجد تعمیر کروائیں جن کا کوئی مقصد نہیں ہے کیونکہ اسے ادھر تمام امور میں عدل کیلئے روانہ کیا گیا تھا نہ کہ صرف مساجد تعمیر کروانے کے لیے، غرض جب مامون کو یہ خط ملا تو مامون نے بروقت اسے معزول کیا اور اس کی جگہ اور والی کو بھیجا۔ اب قارئین بتائیں کہ مامون اور اس کے نمائندے میں کون زریف تھے؟

عبادت گاہیں عباد سے آباد رہتی ہیں نہ کہ تزئین و آرائش سے:

تاریخ خلفاء بنی امیہ و بنی عباس تاریخ امراء میں کوئی ایسا فارمولا نہیں ملے گا جو رہتی دنیا تک آنے والے سلاطین و امراء و حکام کے لئے نمونہ بن جائے حکومت کی جڑوں کو اپنے خاندان میں گاڑھنا، مخالفین کی جڑ کاٹنا، اسراف وتبذیر کرنا حمایتیوں اور مداحوں کو نوازنا، خوشامدیوں کو آگے لانا، وقتی

وسائل پر توجہ دینا اور دیرپا امورات سے صرف نظر یا غافل رہنا، ان دونوں میں معاویہ سے لیکر ۶۵۶ھ اختتام دور عباسی تک پھر قیام عثمانی سے لیکر قیام علمانی تک کوئی ایسی بنیادی واساسی وسیاسی احوال دینی وایمانی وضع کرنے والانہیں آیا تو آج مغرب کے گروہوں سے کیا توقع رکھی جا سکتی ہے سلاطین کی سنت وسیرت ہی اسوہ ولات وقضات دیگران تھی۔ چنانچہ ایک والی عمرہ کرنے کے لئے مکہ آیا عمرہ کیا مروۃ کے باہر ایک نائی کے پاس حلق کروانے گیا حلق کروانے کے بعد اس کو دس ہزار درہم دیئے تو نائی نے کہا امیر پھر تو میں آپ کے سواء کسی کا حلق نہ کروں گا سر نہ منڈ واونگا تو امیر نے دس ہزار درہم اور دیئے اس نے صرف ایک نائی کو بیس ہزار درہم دیئے حساب لگائیں آج ایک درہم کے کتنے دینار یا کتنے روپے بنتے ہیں معمولی کام پر بیس ہزار درہم دینے والے ان سلاطین وامراء کو معلوم نہیں کہ انہوں نے ملکی سطح پر تعلیم کو عام کرنا ہے ملک میں فقر وفاقہ کا خاتمہ کرنا ہے ملک سے بے روزگاری ختم کرنی ہے پاکستان بننے سے ابھی تک ان منصوبوں پر کسی نے کام نہیں کیا۔

تاریخ اسلامی محمود شاکر ج ۵ ص ۱۸۵ پر آیا ہے امین و مامون کے درمیان جنگ نے دونوں کی ہیبت کو کم کیا اقتدار طلبان کی ہمت وحوصلے بلند ہو گئے ایسے مواقع پر مقتدر حکومت کے خلاف قیام کرنے کے لئے ایک متعارف چہرہ چاہیے ہوتا ہے اس کے لئے ایک جنگ آزمودہ عسکری کے سربراہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے امام صادق کی حیات میں اہل فارس بڑی توجہ سے بنی ہاشم سے وابستہ شخصیات کو اپنی تحویل میں لینے کی کوشش کرتے تھے اس سلسلے میں سب سے پہلے امام صادق کا فرزند اسماعیل تھا ان کے بعد سے پورے خاندان بنی ہاشم خاص کر علویین مطمع نظر اہل فارس قرار پا گئے تھے۔

ابھی تک علماء و، فقہاء اور مجتہدین کی نظر میں مستحسن اقدامات میں سے ایک پرانی مساجد کی تعمیر اور نئی مساجد کی بنیاد ہے، یہ مساجد ہمیشہ سے اللہ کی طرف سے منع کردہ حکم کے خلاف تعمیر کی گئی ہیں، قرآن وسنت کے بھی خلاف ہیں، نبی کریم سے اہل مدینہ نے درخواست کی کہ اس مسجد کو گرا کر نئی مسجد بنائیں مگر رسول اللہؐ تیار نہیں ہوئے، پھر حضرت عمر کے دور میں جگہ کم ہونے کی وجہ سے گرا کر نئی مسجد بنائی گئی، پھر اس کے بعد کسی نے اس میں کوئی تجدید نہیں کی یہاں تک کہ ولید بن عبدالملک نے خلیفہ ہوتے ہی حکم دیا کہ جہاں جہاں رسول اللہؐ نے نماز پڑھائی، وہاں مسجد بناؤ، ولید نے جگہ جگہ مساجد بنوائیں اور مسجد نبوی میں بے حد اسراف کیا، اس کی کیا منطق ہے؟ ولید کی اس حرکت پر علماء نے کچھ نہیں کہا، ان علماء کی یہ خوبی ہے کہ انہوں نے جگہ جگہ مساجد تعمیر کروائیں، لوگوں کے غیر مساوی حالات، غربت اور بھوک کو نہیں دیکھا، دوسروں کے قبضے میں لوگوں اور ملک کے جانے کی پرواہ نہیں کی، بلکہ یورپ اور دوسرے ممالک سے جدید وسائل کو لائے اور اسراف کیا، مساجد کی روشنی مومنین کی روشنی سے خالی اور سنت غضبی بجلی سے روشن ہے جہاں ایسی مساجد ہیں وہاں ان میں جمعہ کے علاوہ اجتماع نہیں ہوتا اور نماز کے علاوہ دیگر اوقات میں تالا رہتا ہے اور مساجد بند رہتی ہیں۔

خلفاء و امراء کی ذمہ داری وہی ہے جو انبیاءؑ کی تھی کہ وہ قیام قسط و عدالت کریں حضرت عمر نے بنی ہاشم میں نبیؐ کے اہل بیت کو تقسیم میں برتری دی، جس سے بعض لوگ ناراض ہوگئے اور حضرت عمر بعد میں پشیمان ہوئے، کہا اگر یہ بندہ سال تک زندہ رہا تو یہ امتیاز ختم کروں گا خلفاء بنی عباس میں سے خاص کر ہارون رشید کے دور میں بیت المال اغنیاء میں تقسیم ہوتا تھا، وہ بھی برامکہ کی صوابدید پر خرچ ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس وقت

بغداد میں امراء زیادہ امیر اور غرباء زیادہ غریب ہوتے چلے گئے۔

مملکت میں عدل و انصاف و خوشحالی ایمان کے ثمرات میں سے ہے:۔

جب سے باطنیہ کا منصوبہ علم و حکمت سے دین کو دھونا ہے کی بنیاد ڈالی گئی اس وقت سے الیٰ یومنا ہذا ایمانی اقدار پس پشت ہو گئیں علم آگے آگیا اس حوالے سے ہارون ایمان پرست تھا لیکن مامون علم پرست بن گیا۔ علم پرست بت پرست ہوتے ہیں ان کو ہدایت نہیں ہوتی ہے وہ ترقی بھی نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ علم کا معنی وسیلہ ہے وسیلہ مطلوب تک پہنچنے کا واسطہ ہوتا ہے جو شخص واسطہ میں توقف کرتا ہے وہ منزل مقصود تک کبھی نہیں پہنچے گا لہٰذا ایسے فکر والے گمراہ و پسماندہ قہقرائی والے نکلے ہیں اس کی روشن مثال ہمارے حوزات و مدارس والے ہیں ان کی نسلیں گزر جائیں گی درسگاہوں سے نہیں نکلیں گے انسان کو چاہیے پہلے مرحلے میں سبب کو تلاش کریں اپنی آخری منزل کا تعین کریں پھر اس تک پہنچانے والے وسائل و ذرائع تلاش کریں ورنہ وہ شخص گمراہ ہونگے۔

ا۔ مامون علم پرستوں کے حلقے میں پھنس گئے تھے لہٰذا وہ غرور علمی میں گرتے گئے یہاں تک کہ اس نے علم لا ینفع یا علم گمراہ کن کے اساتذہ کو امت پر مسلط کر کے اللہ کیطرف جانے کے راستے کو بند کیا دنیا سے رخصت ہوئے معلوم نہیں ان کا کیا حشر ہوگا انہوں نے خلیفہ مسلمین ہونے کے بعد عالم ظریف ہونے کے ناطے سب سے زیادہ غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے۔

۲۔ نظریہ خلق قرآن کو امت پر مسلط کیا۔

۳۔ اپنے بھائی کو قتل کیا اس کے علاوہ اور بھی بہت سی غلطیاں کی تھیں۔ مامون اپنی سوچ و فکر کو دنیا کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنا کر گئے ان کا

سلسلہ قرآن کریم، سنت محمدؐ تاریخ اسلام کی بجائے علم اصول فقہ میں مستغرق گروہ کی طرف جاتا ہے۔

مامون زیادہ تر علم اوائل میں دلچسپی رکھتا تھا وہ پوری کرہ زمین کے بارے میں تحقیق اوراس کے ناپنے کے اصول کو جاننا چاہتا تھا۔اسے علم ہوا کہ کچھ علماء وقدماء نے اس بارے میں کتابیں لکھی ہیں۔اس سلسلہ میں بہت سی کتابیں ترجمہ ہوئیں اور بہت سے عالم اس باب میں مشغول تھے۔ بہت سے فلاسفہ نے اس بارے میں کتابیں لکھیں ان میں سے بعض عرب تھے جن میں سے ایک یعقوب بن اسحاق کندی ہیں یہ مامون اور معتصم کے پاس بہت محترم تھے ان علوم میں ان کی بہت سی تا ئیفات تھیں مامون کا دور، دور علمی تھا لہٰذا اس کے بارے میں معروف ہے کے وہ علم کے پرچم کو اٹھانے والوں میں سے تھے۔

علم پرست فکر کے حامل انسانوں کا کہنا ہے بشریت کی سعادت علم و آگاہی میں پوشیدہ ہے۔لیکن قرآن کریم نے اس فکر کو مسترد کیا ہے۔قرآن فرماتا ہے انسان کی تمام تر بدبختی وشقاوت کی وجہ انحراف ازشریعت الٰہی ہے۔ اپنے انفرادی و اجتماعی، سیاسی و اقتصادی اور ثقافتی میدانوں میں شریعت الٰہی سے انحراف کو قرآن نے دور جاہلیت کہا ہے اور دور جاہلیت سے مراد نبی کریمؐ کی بعثت سے بھی ۱۵۰ سال پہلے کے دور کو کہا ہے۔ جہاں عرب دین حنیف سے روگردانی اور اللہ سے روگردانی کرتے ہوئے بت پرستی وخرافات پرستی میں مستغرق ہو گئے تھے وہ اپنے فیصلے اور مسائل کا حل خادم بت خانہ وقحبہ خانوں سے کراتے تھے۔جب جاہلیت شریعت اسلامی سے انحراف کو کہا جاتا ہے تو پھر ہم دور جاہلیت کو نبی کریم کی بعثت سے پہلے کے دور کے لیے کیسے مخصوص کر سکتے ہیں۔

ہر دور اور ہر علاقے میں جاہلیت ہوتی ہے آیئے دیکھتے ہیں جاہلیت

میں کیا کیا چیزیں چلتی ہیں:

۱۔ بتوں کی بھرمار ہوتی ہے ہر علاقے ہر محلّہ اور ہر گھر میں بت ہوتے ہیں یہ چیز آج ملک پاکستان میں اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے شیعہ نشین علاقوں میں پرچم و تابوت خانے بچیں جاتے ہیں جہاں انہیں حاجت روا سمجھ کر ان کی پرستش ہوتے دیکھ سکتے ہیں۔ انہی مقاصد کے لیے صوفیوں کے مزارات پر جھکتے اور حاضری دیتے ہیں صرف صوبہ سندھ میں ۷۹ ہزار مزارات ہیں۔

۲۔ زنا جیسی بدترین برائی کی ترویج ہورہی ہے آج قومی اسمبلیوں سے زانیوں فحاشیوں اور عریانی پھیلانے والوں کے تحفظ کا بل پاس ہوتا ہے۔

آج انسان کی انفرادی، اجتماعی اقتصادی اور سیاسی زندگی قرآن اور سنت سے ہٹ کر انحراف کے راستے پر قائم ہے۔ ملت سے روگردانی کر کے طاقت و قدرت کے بل بوتے پر حاکم بن جائیں گے تو یہیں سے جاہلیت کا دورِ مسلمین شروع ہوا ہے۔ معاویہ ابن ابی سفیان سے لے کر مامون عباسی تک یہ خلفاء اپنے زمانہ میں حاکم مطلق العنان تھے اس وسیع و عریض مملکت کی تدبیر و انتظام میں کوئی آئین ان کے پاس مکتوب و مدون نہیں تھا۔ لہٰذا خلفاء، وزراء امراء، قضات سب مطلق العنان تھے۔ وہ جو کچھ نظم و نسق کے بارے میں احکامات صادر کرتے تھے۔ وہ اپنی صوابدید اور اپنی سلطنت کی بقاء و مصلحت کے مطابق صادر کرتے تھے حتیٰ کہ ہارون الرشید کے دور میں جعفر ابن یحییٰ برمکی تمام امور کو خود چلاتے تھے۔ ہارون الرشید اس کو یا اخِ کہتے تھے۔ ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھاتے تھے۔ ہارون بوٹی لے کر جعفر کے منہ میں رکھتے تھے۔ لہٰذا جعفر ہی مملکت اسلامی کو چلانے والے تھے لیکن پھر بھی ہارون اس کی حرکات و سکنات پر ناظر و رقیب تھے۔ لہٰذا ان کی کوئی سازش ان کے خلاف کامیاب نہیں ہوئی بلکہ ہارون کے توسط سے ان کی بربادی و یرانی ذلت و خواری انجام پائی تو یہ دور، دورِ جاہلیت ہے۔ یہاں

تعلیم وثقافت اور اقتصاد کے لیے کوئی فارمولا، کوئی نظام، کوئی اصول وضع شدہ مدون نہیں تھا۔ افراد کو اس تناظر میں انتخاب کرتے تھے کہ وہ علاقے کو سنبھالنے میں رعب جمانے میں لوگوں کو خوف و ہراس میں رکھتے ہوں جیسا کہ معاویہ نے زیاد ابن ابی کو انتخاب کیا ذہاب کا انتخاب کیا۔ عبدالما لک بن مروان اور ان کے بیٹے ولید نے حجاج ابن یوسف کو انتخاب کیا۔ اس دور کو دورِ آمریت واستدادیت خلفاء کہیں گے۔ یہاں خلفاء نے استبداد کیا ہے۔ آمریت چلائی ہے۔ ملت سے ہر قسم کے ارادہ واختیار کو صلب کیا ہے۔ حاکم خلفاء تھے اگر چہ لوگ ایک حدیث کے تحت کہتے ہیں یہ بادشاہ تھے۔

مامون کے وزراء:۔

سب سے پہلا وزیر فضل بن سہل تھا جسکی اصل فارسی تھی۔ پہلے دن سے ہی مامون کے امورات یہ طے کرتا تھا جب سے مامون خلیفہ بنا یہ اس پر مسلط تھا اس کی خیانتوں کی طرف امام علی رضا نے مامون کو آگاہ کیا تب مامون نے اس کو سرخس کے حمام میں قتل کیا اس کے بعد احمد بن ابی خالد کو وزیر بنایا جو شامی اصل تھا اور بنی عامر بن لوئ کے قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اس نے اسے کہا میں چاہتا ہوں کے تمہیں وزیر بناؤں اس نے کہا اے امیر المؤمنین میرے اور اپنے درمیان ایک فاصلہ رکھیں تا کہ میرے دوست زیادہ طمع نہ کریں اور دشمن غصہ میں نہ آجائیں۔ مامون کو یہ پسند آیا احمد بہترین وزراء میں سے تھا لوگوں کو خلافت کے نزدیک کرتا اور لوگوں کے دلوں سے حسد وکینہ کو دھوتا تھا۔ احمد نے ۲۱۱ھ میں وفات پائی مامون نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کیلئے دعا کی اس کے بعد احمد بن یوسف کو وزیر بنایا وہ کاتب تھے اور مامون کے مخلص رازداروں میں سے تھے لیکن مامون کے رازداروں میں سے چند افراد اس سے حسد کرتے تھے انہوں نے اسے مامون سے دور رکھا۔ اس کے بعد یحییٰ بن اکثم کو وزیر بنایا وہ امور مملکت

چلاتے تھے وہ فقیہ بھی تھے اور سیاستمدار اور فصیح بھی۔سوالات کے جوابات بروقت دیتے تھے۔بھوک سے زیادہ کھاتا تھا۔

مامون اور عمر بن سعد: قصص العرب ج ۴ ص ۲۷۲

عمر بن سعد بن سالم مامون کے محافظین وحارسین میں سے تھے تو مامون ایک دن اپنے حارسین کو دیکھنے کیلئے نکلے تو اس نے عمرو سے کہا تم کون ہو تو اس نے کہا عمرو تو مامون نے کہا اللہ تمہیں عمر دے۔تو اس نے کہا اللہ آپ کو سلامت رکھے۔تو مامون نے کہا تم ہمیں رات کو بچاتے ہو تو اس نے کہا اللہ آپ کو بچائے گا یا امیر المومنین اللہ ہی حافظ ہے۔

مامون مضو مین شہرت کے باوجود فسی نکلے:

۱۔ اپنے بھائی امین کو اقتدار کے لئے قتل کیا۔
۲۔ اپنے لشکر کے وفاداروں کو قتل کیا۔
۳۔ امین ومعتمد وزیر فضل بن سہل کو قتل کیا۔
۴۔ اپنے پسندیدہ ولی عہد امام رضا کو قتل کیا۔

مامون کے خلاف شورشیں:۔تاریخ دولۃ الاسلامیہ ص ۲۴۳

محمد ابن ابراہیم اولاد امام حسن سے منسوب ابو سرایہ نامی شخص نے لوگوں کو مامون کے خلاف دعوت دی اس طرح طالبین کوفہ میں پھیل گئے۔حسن ابن سہل (فضل ابن سہل کا بھائی) نے جب دیکھا کہ وہ ابی سرایہ کے لشکر کے سامنے قیام نہیں کر سکتا تو اس نے ہرثمہ بن اعین کو دعوت دی کہ وہ لشکر کی قیادت کرے پہلے ہرثمہ نے انکار کیا لیکن بعد میں لشکر کشی کی ہرثمہ ابن اعین نے ابی سرایہ کو شکست دی یہاں تک کہ وہ زخمی ہو گیا اور اسے حسن ابن سہل کے پاس لایا لیکن حسن ابن سہل نے اس کو مارا اور اس کے جسد کو سولی پر چڑھایا ابی سرایہ کی مدت حکومت ۱۰ مہینہ تھی۔

قیام ہاشمین علیہ حکومات عصر:۔

ہاشمین کا حکومت وقت کے خلاف قیام اسلام کی خاطر نہیں تھا بلکہ اقامۃ نظام کسریٰ و قیصر کی تمہید کی خاطر تھا پہلے مرحلے میں نظام قسط حکومت کے جو کہ نصب العین خوارج تھا۔لیکن بنی امیہ اور بنی عباس ان سب سے زیادہ قدرتمند و با صلاحیت اور منظّم تھے لہٰذا ان میں سے کسی کو بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔اگر حکومتیں ان کو اپنے لیے باعث خطر نہ سمجھتیں تو انہیں نہ چھیڑتیں اگر وہ ان سے صرف نظام قسط و عدل اسلام کا مطالبہ کرتے تو انہیں کوئی نہ چھیڑتا لیکن ان میں سے ہر ایک خود کو اسی منصب کے لئے سزاوار قرار دیتا تھا ذیل میں ان چند افراد کا ذکر کرتے ہیں۔

[فی ظلال تشیع تالیف محمد علی حسنی ص ۵۲۶]

لکھتے ہیں آخر جمادی الثانی ۱۸۹ھ ابتدائی دور مامون میں ایک تحریک محمد بن ابراہیم ابن طبا طبا اور نصر بن شبیب نے شروع کی جو شیعوں پر گزرنے والے مظالم بیان کرتا تھا حج کو جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے اور جب مدینہ پہنچے تو اہل بیت کے گھرانے سے برجستہ شخصیت کے بارے میں پوچھا اس میں تین شخصیات کا نام لیا گیا:

۱۔ایک کا نام علی بن عبداللہ بن حسن بن علی بن امام حسین بن امام علی ہے جو اپنے آپ کو عبادات میں مشغول و مصروف رکھتے تھے اس سلسلے میں لکھا ہے لوگ ان تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

۲۔دوسرا عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن امام حسن بن علی بن ابی طالب ہے یہ حکومت کی طرف سے فراری تھے اور کسی سے نہیں ملتے تھے۔

۳۔تیسرا شخص محمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن بن امام

حسن بن علی بن ابی طالب تھا یہ معروف بہ ابن طباطبا ہے۔

نصر بن شبیب محمد بن ابراہیم سے ملے اس نے اپنے پاس موجود اخبار و اسرار سے انھیں آگاہ کیا اور شیعیان علی پر گزرنے والے مظالم کا ذکر کیا اس نے کہا تم کب تک پستے رہو گے۔ اور شیعیت کب تک مار کھاتی رہے گی۔ محمد اس سے متاثر ہوئے اور دونوں متفق ہوئے کہ کوفہ میں ملیں گے۔ نصر بن شبیب حج سے واپس آئے اور ان کے ساتھ ان کے ساتھی شیعہ تھے وہ محمد بن ابراہیم اور ان کے ساتھیوں سے ملے۔ نصر نے اپنے ساتھیوں عشیرہ وقبائل کو جمع کیا بعض نے قبول کیا اور بعض نے نہیں کیا آخر میں گفتگو کرنے کے بعد لوگوں نے ان سے اتفاق نہیں کیا اور کہا لوگوں کو دھوکہ نہ دیں یہاں کے لوگ ابھی ہاں کہیں گے تو کل تم سے فرار ہونگے۔

یہ بات سننے کے بعد نصر اپنی بات سے مکر گئے اور ان کی تیز بیانی ختم ہوئی اور محمد بن ابراہیم سے معذرت کی۔ محمد ان سے ناراض ہوئے کہ انہوں نے وعدہ خلافی کی اور واپس حجاز آگئے۔ نصر اس دوران ابی سرایہ سے ملے ابی سرایہ کا اصلی نام سری بن منصور ہے وہ بنی ربیعہ بن زھل بن شیبان سے تھا اور مشہور جنگجو تھا۔ ابوسرایہ کو محمد بن ابراہیم اور نصر بن شبیب کے درمیان گفتگو سے آگائی ہوئی تو اس نے اپنے آپ کو محمد بن ابراہیم کے سامنے پیش کیا اور انھیں معاونت کرنے کا وعدہ کیا۔ ان سے کہا حجاز کی بجائے آپ واپس کوفہ جائیں محمد بن ابراہیم ان کے ساتھ کوفہ گئے اور بہت سے لوگ ان سے ملنے آئے اور ان پر اعتماد کیا۔ ابوسرایہ چلتے وقت نینوا سے قبر امام حسین پر پہنچے شیعوں سے ملے اور کوفہ پہنچنے سے پہلے انھوں نے ایک لمبا خطباء دیا اہل بیت کے فضائل کو بیان کیا اور عباسیوں کے مظالم کو یاد دلایا اور ان سے کہا آپ کربلا میں نہیں تھے تو جو اس وقت موجود ہیں ان کی مدد کیوں نہیں کرتے میں کوفہ کی طرف نکل رہا ہوں دین اللہ کو اٹھانے کیلئے اور اہل بیت کی

نصرت کے لئے جو میرے ساتھ آنا چاہتے ہیں آجائیں فوراً کوفہ گیا اور محمد بن ابراہیم اور شیعہ انصار سے ملے اسی طرح علی بن عبداللہ بن حسین بن علی بن حسین بھی ان سے ملے۔

مامون اور ایک قاتل:۔

ایک قاتل کو مامون کے سامنے پیش کیا گیا، قاتل نے مامون سے کہا یاامیرالمومنین مجھے انصاف دیں اس کی سفارش کے لئے اس کی کوئی عزیزہ بھی آئی تھی، اس نے مامون سے کہا ہم غریب ہیں، ہمارا کوئی سہارا نہیں، آپ ہم سے انصاف کریں، مامون نے پوچھا اس نے کیا جرم کیا ہے، کہا کہ اس نے قتل کیا ہے، مامون نے کہا تمہارے ساتھ انصاف مقتول کے ساتھ ناانصافی ہے، عدالت میں انصاف بعض اوقات دوسرے فریق پر ظلم ہوتا ہے۔

ولی عہدی علی ابن موسیٰ رضا:۔

کہتے ہیں مامون نے **۲۰۱ھ** امام علی بن موسیٰ رضا کو اپنا ولی عہد بنایا یہاں تین قسم کے سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱۔مامون نے یہ اقدام کس حکمت عملی کے تحت کیا تھا۔

۲۔امام رضا نے ان کی اس پیش کش کو کس حکمت کے تحت قبول فرمایا۔

۳۔وہ مشیر کون تھے جنہوں نے مامون کو اس اقدام غیر طبیعی کا مشورہ دیا تھا۔

حکومتوں کے اقدامات کو سابق ادوار میں حکمت عملی کہتے تھے جو آج کل غیر مانوس و غیر مفہوم ہے عامۃ الناس حکمت سے یا تو فلسفہ تصور کرتے ہیں یا یونانی طریقہ معالجہ سمجھتے ہیں لیکن آج کل کی دنیا میں اس کو حکومتی پالیسی کہتے ہیں دیکھنا چاہیئے کہ مامون نے اس اقدام میں کونسی حکمت کو نظر میں

رکھا تھا اور کن مشیروں کے کہنے پر ایسا کیا تھا اور کس طرح امام رضا سے اس کو قبول کروایا تھا، کونسی حکمت دکھائی تھی۔ یہاں ان سوالات کے جوابات دینے سے پہلے ایک وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ سیاست بنیادی طور پر دو قسم کی ہوتی ہے ایک ضمیر و وجدان کی سیاست جو مردان احرار کرتے ہیں دوسرا میکاؤلی سیاست ہے قدیم دور سے عصر حاضر تک کے حکمران سوائے بہت کم محدود تعداد کے سیاست دان میکاؤلی سیاست کو ترجیح دیتے آئے ہیں کہتے ہیں حضرت علی کی سیاست ضمیر و جدان کی سیاست تھی جبکہ معاویہ کی سیاست میکاؤلی تھی لیکن بعض عقلاء نے صراحت سے کہہ دیا ہے کہ جو انسان دین و شریعت کے اندر رہ کر سیاست کرنا چاہتے ہیں وہ عام طور پر ناکام ہی رہتے ہیں۔ بنی عباس میں ہارون رشید کے بعد سے آخری خلفاء تک مشیروں کی سیاست چلی ہے ان خلفاء میں سے ایک مامون ہیں کہ جنہیں عالم وفقیہ و عاقل گردانتے ہیں جبکہ وہ غلطی پر غلطی کرتے دنیا سے گزرے ہیں۔ یہاں سے پہلے سوال کا جواب شروع کرتے ہیں۔

کہتے ہیں مامون آل علی کا چاہنے والا تھا کیونکہ اس نے جعفر برمکی کے دامن میں پرورش پائی اسی طرح اس کا رابطہ فضل بن سہل سے ہوا یہ شیعہ تھے یہ لوگ آل علی کو، آل عباس سے زیادہ خلافت کیلئے حقدار سمجھتے تھے لہٰذا ولی عہدی کیلئے امام علی رضا جو شیعوں کے آٹھویں امام ہیں کا انتخاب فضل بن سہل کے مشورے ہی سے ہوا ہے کیونکہ اہل فارس انہی کو پسند کرتے تھے۔

مامون بذات خود گرائش اہل بیت رکھتے تھے کیونکہ ان کے مربی خاندان برمکی تھے ان کی گرائش اہل بیت سے تھی لیکن اس تجزیہ کو اکثر و بیشتر مفسرین نے مسترد کیا ہے ان کا کہنا ہے خاندان برامکہ اہل بیتی تھے نہ فضل بن حسن بلکہ تینوں کا محبوب و مقصود اقتدار تھا وہ اقتدار کے لئے ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ مامون کی سیاست اور ان کی اہل بیت سے

گرائش اہل فارس کی سیاست تھی عرب سرزمین عراق ہو یا حجاز وہ سردست امین کے حق میں تھے ہمارے لئے مرکز اہل فارس ہیں لہٰذا ان کی ترجیحات باقی ترجیحات پر مقدم رکھنا چاہئیں۔امام رضا کا اس ولی عہدی کو قبول کرنے میں کیا حکمت عملی ہوسکتی ہے کن بنیادوں کے تحت آپ نے اس پیش کش کو قبول فرمایا اس میں ہمارے لئے ہزار سال سے زائد عرصے کے بعد اس حکمت عملی کو یقین کرنا آسان نہیں ہو گا سوائے طرح طرح کے مفروضات کے لیکن بعد میں ترجیحات کی بنیاد پر کسی مفروضے کو ترجیح دیدیں۔

۱۔آئمہ اقتدار کے لئے بے چین رہتے تھے تا کہ دین وملت کے لئے بہتر خدمت کرسکیں یہ مفروضہ ان ذوات پاک کی نظر میں قابل قبول نہیں تھا ان کی ترجیح یہ تھی کہ جب پوری امت اتفاق سے ہمارا ساتھ نہ دے تو اس کو عارض حالات میں قبول کرنا درست نہیں ہے۔

۲۔مامون نے ایک قسم کے جبری دباؤ کے تحت آپ سے قبول کروایا یہ قرین صحت موازین نظر آتے ہیں۔

۳۔اہل سلطنت مسلمان آپ سے مشورہ ونصیحت چاہتے ہیں تو وہ نیاز مند ہیں جہاں معصیت اللہ نہ ہو اس کو قبول کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہو گی۔

لہٰذا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ وہ علماء دوست تھے یا وہ اہل بیت دوست تھے ایسا نہیں تھا ان کے اقدامات اس کی نفی کرتے ہیں۔

ابراہیم بن مہدی:۔تاریخ اسلام محمود شاکر جلد ۵ ص ۱۸۲

امین کے قتل کے بعد مامون نے حسن ابن سہل کو فارس، بصرہ، کوفہ، حجاز اور یمن کا والی بنایا اور طاہر بن حسین کو موصل، جزیرہ شام اور مغرب میں رکھا اور کہا کہ آپ رقہ جائیں اور بصر بن شبث سے لڑیں، اس دوران

مامون مروہ میں رہے جو مرکز خلافت تھا۔ مامون یہاں سے والیوں کو مختلف شہر میں بھیجتا تھا، عباسی اس کی اس حرکت سے ناراض تھے کہ سارے ملک میں جو حکمرانی ہے وہ غیر بنی عباس کی ہے۔ مامون نے حرثمہ بن اعین کو خراسان کا والی بنایا وہ اپنے نمائندے بغداد سے ادھر اُدھر بھیجتا، اس دوران جب حسن بن سہل مدائن میں تھے تو بغداد میں کوئی حادثہ ہوا تو بغداد والوں نے منصور بن مہدی سے خلافت سنبھالنے کو کہا لیکن انھوں نے انکار کیا، تو پھر لوگوں نے اس سے کہا تم مامون کی طرف سے بغداد میں والی بن جاؤ، اسی دوران مامون نے اپنا ولی عہد امام علی رضا کو بنایا اور انھیں الرضا بہ آل محمد کا لقب دیا اور اپنے لشکر سے کہا کہ سیاہ لباس جو بنی عباس کی نشانی تھا، اسے اتار کر سبز لباس پہنیں، جس پر بنی عباس پھر ناراض ہو گئے کہ خلافت بنی عباس سے نکل گئی، بنی عباس نے مامون کے چچا ابراہیم بن مہدی کو خلیفہ بنایا اور اس کا نام مبارک رکھا، ابراہیم کے بعد ان کا ولی عہد اسحاق بن موسیٰ بن مہدی کو بنایا گیا۔ پھر جب مامون کو خبر ملی کہ بغداد والے اس وجہ سے ناراض ہیں کہ انھوں نے حسن بن سہل اور ان کے بھائی فضل بن سہل کو ان پر مسلط کیا ہے جو مامون کو غلط خبریں دیتے تھے، تو ۲۰۲ھ میں مامون نے خود بغداد روانہ ہونے سے پہلے فضل بن سہل کو قتل کیا اور ان کے بھائی حسن بن سہل کی بیٹی کو اپنے عقد میں لایا، اسی طرح اس نے اپنی بیٹی ام حبیب کو امام رضا کے عقد میں دیا اور دوسری بیٹی ام فضل کو امام جواد کے عقد میں دیا، اسی دوران امام رضا نے بغداد جاتے وقت راستے میں طوس کے مقام پر وفات پائی بعض تواریخ میں آیا ہے مامون نے آپ کو زہر دیا بہر حال مامون نے امام رضا کو اپنے باپ ہارون کے پہلو میں دفنایا۔ اس کے بعد حسن بن سہل اور اہل بغداد نے مامون کو لکھا کہ جس بنیاد پر اہل بغداد ناراض تھے وہ امام رضا کی وفات سے حل ہو گیا، اس کے بعد بغداد والوں نے ابراہیم بن مہدی

کوخلافت سے عزل کیا اور مامون کی بیعت کی، مامون نے طاہر بن حسین کو لکھا کہ مجھے نہروان میں ملوتو اس نے رقہ کو چھوڑا اور نہروان آیا۔ حرثمہ بن اعین جب سرایہ پر غالب آیا تو مامون نے اس کوشام اور حجاز کا والی بنایا، لیکن وہ شام و حجاز کی بجائے مامون کی طرف روانہ ہوا۔ ابو سرایہ کے قتل اور بغداد فتح کرنے کے بعد سکون ہوا تو اس نے سوچا کہ خود جا کر مامون کو حالات سے باخبر کرے کیونکہ مامون کو فضل بن سہل نے حالات سے اندھیرے میں رکھا تھا، جب فضل کو پتہ چلا کہ ہرثمہ آرہا ہے تو اسے خوف لاحق ہو گیا اس نے فوراً خط لکھا کہ وہ خراسان نہ آئے جب مامون کو پتہ چلا کہ ہرثمہ آرہا ہے فضل نے کہا کہ وہ حالت غرور اور تکبر میں آرہا ہے، اس نے مامون سے کہا کہ سرایہ کو بغاوت پر اکسانے والے ہرثمہ ہیں تو مامون کو غصہ آیا۔ جب ہرثمہ آیا تو فضل کی باتوں میں آکر مامون نے ہرثمہ کی کوئی بات نہیں سنی بلکہ اسے پکڑ کر جیل بھیج دیا اور اس پر سختی کی پھر اسے وہیں قتل کر دیا یہ تھی مامون کی ایک اور بڑی قربانی۔

جب ہرثمہ کے قتل کی خبر ابراھیم کو ملی تو اس نے مامون کے خلاف قیام کیا اور منصور ابن مہدی کیلئے بیعت کی پیشکش کی مامون نے خلافت چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ منصور نے مامون سے مطالبہ کیا کہ وہ حسن ابن سہل کی جگہ اس کو ولی عہد بنائے، منصور نے کہا ہم اس مجوسی کو نہیں مانتے چنانچہ مامون مان گیا اور حسن بن سہل کو نکال دیا گیا بغداد جب وسیع لشکر سے خالی ہو گیا تو قتل و فساد اور چوری بڑھ گئی مامون کو پتہ نہیں تھا کہ یہ سب فضل بن سہل کے برے عزائم کا نتیجہ ہے جب اہل بغداد خاص کر عباسیوں کو پتہ چلا تو مامون نے فتنے کو روکنے کیلئے امام رضا کو ولی عہد بنایا تو انہوں نے ابراھیم کو خلافت لینے کا حکم دیا چنانچہ ۲۰۲ھ میں ابراھیم نے کوفہ و مدائن اور گردونواح پر قبضہ کیا مامون کو خبر ملی کہ یہ چیزیں فضل ابن سہل اس سے چھپاتا

رہا تھا اور بنی عباس خلافت کو غیر عباسیوں کو دینے پر اس سے ناراض ہیں، اس نے اپنے لشکر کو بلایا اور ان کو فضل کے مکر و فریب سے امن دینے کا وعدہ کیا لشکر نے اسے بتایا کہ ہرثمہ اچھا قائد تھا جسے فضل نے قتل کیا اس طرح طاہر بن حسین ہوتے تو مملکت کو بہتر چلاتے لوگ آپ کو چاہتے ہیں کہ بغداد کے لئے نکلیں وہ آپ کو دیکھیں گے تو وہ قبول کریں گے مامون ''مرو'' سے ''سرخس'' گیا یہاں تک کہ فضل کو حمام میں قتل کیا گیا یہ واقعہ ۲۰۲ھ میں پیش آیا مامون نے انہیں امام رضا کی وفات کی خبر دی اہل طوس کا جزیہ معاف کیا، ۲۱۰ھ میں اپنے چچا ابراھیم پر غالب آیا اور اُسے معاف کر دیا۔

مامون کے دور میں اندلس میں خلیفہ حکم بن ہشام تھا جو بنی امیہ کا تیسرا خلیفہ تھا اس کے بعد عبدالرحمٰن ثانی خلیفہ بنا۔ مغرب میں ادریس ابن عبداللہ پھر اس کے بعد اس کا بیٹا ادریس الازہر بن ادریس افریقہ میں حاکم تھا۔

۲۱۲ھ میں مامون نے خلق قرآن کا مسئلہ اور علی بن ابی طالب کی تمام اصحاب پر فضیلت کا مسئلہ اٹھایا اور ۲۱۸ھ میں یہ مسائل اپنے عروج پر پہنچ گئے، مامون نے اس کے خلاف بولنے والے بہت سے علماء کو اپنے تشدد کا نشانہ بنایا جن میں سے ایک احمد بن حنبل ہیں۔ ماموں نے اپنے بعد اپنے بھائی ابی اسحاق، محمد بن رشید اور معتصم کو ولی عہد بنایا۔ مامون نے ۲۰ محرم ۲۱۸ھ کو طوس میں وفات پائی۔

مامون کی قیادت عسکری کے سربراہان:۔

مامون سے پہلے خلفاء کے قائدین طاہر و ہرثمہ لشکر عربی کے قائد تھے، جب مامون کی حکومت آئی تو خراسان (فارس) والوں کو عربوں پر برتری دی۔ اس وقت مامون کے لشکر میں غیر عرب قائدین کی کثرت تھی۔ ان میں سب سے مشہور و معروف طاہر بن حسین بن مصعب بن

زریق بن مہان تھا، طاہر مرد شجاع اور ادیب تھا، مامون کو خراسان کا خراج دیتا تھا، یہ ۲۰۵ھ سے ۲۵۹ھ تک خراسان کا والی رہا۔ اس کے کارناموں میں سے ایک یہ تھا کہ یہ اس لشکر کا قائد تھا جو خراسان سے عراق میں امین کے خلاف لڑنے گیا تھا اور فتح و کامیابی حاصل کر کے آیا، اس نے خلافت کو کھینچ کر مامون کے ہاتھ میں دیا، اسی وجہ سے طاہر کا مقام و شہرت بنا۔

طاہر بن حسین:۔ تاریخ دولت اسلامی ص ۲۵۱

مامون کے فوجی قائدین میں سب سے مشہور شخص طاہر بن حسین ہے یہ ۱۵۹ھ میں قریہ بوشنج مروہ میں پیدا ہوا، ابتدائی دن سے شجاع و دلیر تھا سب سے پہلے مامون کے لشکر میں شریک ہوا اور مامون کی خلافت کو مستحکم کیا۔ یہاں سے اسے شہرت حاصل ہوئی فضل بن سہل اس سے حسد کرنے لگا اس نے مامون کو آمادہ کیا اور عراق سے اسے معزول کر کے نصر بن شیث سے جنگ کیلئے جزیرہ بھیجے۔ جب مامون بغداد آیا تو اسے والی بنایا۔ طاہر اپنی جگہ خراسان میں ایک مستقل شخصیت تھی مامون کو جزیہ اور خراج دیتا اس کے اوپر والی برید تھا یہ خراسان میں ۲۰۵ھ سے ۲۵۹ھ تک رہا اور اس دوران بغداد کی خلافت (امین) سے روابط و تعلقات میں تھی۔

یورپ جانے والے غلام ہیں ہم یہاں آزاد ہیں وہ لوگ یہاں مردہ باد امریکا کہنے والے وہاں جا کر نہیں کہہ سکتے ہیں ان لوگوں کو وہاں جا کر اسلام و مسلمین مخالف حلیوں میں شرکت کرنا پڑتی ہے۔ ایک دن مامون نے طاہر سے کہا جو اس کے لشکر کا سپہ سالار تھا، کہ آپ کو اپنا گھر پسند ہے یا میرا، تو طاہر نے کہا امیر المومنین میرے اندر کوئی انحراف نہیں آیا کہ آپ نے مجھ سے اس طرح کا سوال کیا، اس پر مامون نے کہا آپ نے میرا سوال نہیں سمجھا میرا مطلب تھا کہ کس گھر میں زیادہ لطف و لذت ہے، طاہر نے کہا ہمارے

لئے ہمارے گھر میں لذت ہے اور آپ کے لئے آپ کے گھر میں لذت ہے، یہ سن کر مامون حیران ہو گیا (کیونکہ شاہی محلوں میں ہر طرح سے زیادہ لطف ہوتا ہے)، اور پوچھا کیسے؟ طاہر نے کہا اس لئے کہ آپ اپنے گھر میں مالک ہیں اور میں آپ کے گھر میں غلام ہوں اور غلام کو آپ کے گھر سے کیا لینا، البتہ میں اپنے گھر میں خواہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، مالک ہوں۔

ابوالسرایا کا قتل:۔

اعلام زرکلی ج ۳ ص ۸۲، سری بن منصور شیبانی، ہانی بن قبیصہ شیبانی کی اولاد ہے وہ ابتداء میں گدھے کرائے پر لیتا تھا اور جب ان کی مالی حالت بہتر ہوئی تو انہوں نے ایک گروہ کو اپنے ساتھ ملایا اور راہ چلتے لوگوں اور مسافروں کو لوٹنے لگا پھر یہ یزید بن مزید شیبانی کے ساتھ ارمینہ میں ملا، اس وقت ان کے پاس تیس سواریاں تھیں، ان کی قیادت اس کے پاس تھی، وہاں سے اس کی شجاعت مشہور ہوئی، جب امین و مامون میں جنگ چھڑی تو یہ ہرثمہ بن اعین کے لشکر میں شامل ہوا، یہ ان کے ساتھ دو ہزار کا لشکر لے کر گیا وہاں اس کو امیر کا لقب ملا، جب امین قتل ہوا تو ہرثمہ نے اس کا راتب کم کیا تو وہ دو سو سوار لے کر ان سے الگ ہوا اور عین طمر میں جا کر وہاں کے والی کا محاصرہ کیا، ان کے مال کو لوٹ لیا پھر انبار گیا، وہاں سے رقہ گیا اس طرح اس کی جماعت اور گروہ بڑھتا گیا پھر وہ ابن طباطبائی علوی سے ملا تو ابوسرایہ نے اس کی بیعت کی اور وہ کوفہ پر والی ہوئے، ابوسرایہ نے وہاں درہم پر اپنی تصویر لگائی، پھر وہاں سے لشکر لے کر بصرہ گئے، پھر بغداد پر قبضہ کرنے کا سوچا، مدائن اور واسط پر قبضہ کیا پھر اپنے اعمال و والی حجاز و یمن اور اہواز بھیجے، اور پھر وہ کمزور ہوئے آخر میں حسن بن سہل نے اس کو قتل کیا اس کا سر مامون کو بھیجا اور اس کے جسد کو جسر بغداد پر لٹکایا۔

ہر ثمہ :۔

ہر ثمہ بن اعین جس نے مامون کو حکومت دلانے میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا اوراس کے بعد بھی اس کی حکومت میں اٹھنے والی شورشوں اور فتنوں کا سد باب کیا تھا۔ مامون کے وزیر فضل بن سہل اوراس کے بھائی فضل بن سہل کی کارگزاریوں کی وجہ سے ان کا اقتدار اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ حکومت کے سیاہ وسفید پر قابض ہو چکے تھے،اور ملک کے حالات مامون تک پہنچنے نہیں دیتے تھے، یہ دونوں عجمی تھے اور ہر ثمہ عرب تھا اسے ان کا اقتدار پسند نہیں تھا۔اس نے مامون کو ان کے خطرے سے آگاہ کرنا چاہا اور حالات سے آگاہ کریں کہ فضل بن سہل نے انہیں اندھیرے میں رکھا ہے یہ جو کچھ ہو رہا ہے مامون کواس کی خبر نہیں ۔فضل نے مامون کے پاس اس کی شکایت کی جب ہر ثمہ پہنچا تو فضل نے ہر ثمہ کو خط لکھا کہ آپ واپس چلے جائیں لیکن ہر ثمہ نے انکار کیا وہ ڈر گیا۔فضل نے اس کی آمد سے مامون کو مطلع نہیں کیا لیکن مامون کو خبر ہوئی کہ وہ آیا ہوا ہے تو مامون نے پوچھا ہر ثمہ کیوں آرہا ہے تو فضل فوراً مامون کے پاس گیا۔ ہر ثمہ کو گمان ہوا کہ مامون ان کی بات سنیں گے مگر مامون نے ان کی بات نہ سنی اور ہر ثمہ کو زندان میں ڈالا اور انہیں مار دیا۔اس طرح مامون ایک بڑے قائد لشکر سے محروم ہوا یہ تھی فضل ابن سہل کی خیانت جب بغداد والوں کو خبر ہوئی کہ ہر ثمہ کے ساتھ کیا ہوا ہے اس خبر نے وہاں کے حالات خراب کر دیئے مگر فضل نے مامون سے یہ حالات چھپائے وہ لوگ منصور ابن مہدی کے پاس گئے اور کہا: ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں مامون کو ہم خلافت سے اتارتے ہیں آپ حسن ابن سہل کی جگہ امیر ہو جائیں ہم اس مجوسی کی امارت پر راضی نہیں ۔انہوں نے اس کو قبول کیا اور حسن ابن سہل کو نکال دیا۔ یہاں سے فتنہ وفساد پھیل گیا چوری، ڈاکہ اور قتل وغارت گری بڑھتی چلی گئی اور مامون کو اس کی کچھ خبر نہ تھی۔ ہر

چیز ان سے پوشیدہ رکھی گئی اور یہ فضل ابن سہل کی کارکردگی تھی۔ مامون نے اپنے گھر میں آل علی سے محبت کی تربیت لی تھی پہلے اس نے جعفر ابن برمکی کے ہاتھوں تربیت پائی پھر فضل ابن سہل کے پاس یہ دونوں شیعہ تھے ان کا خیال تھا کہ اولاد علی، بنی عباس سے زیادہ خلافت کے حقدار ہیں تو انہوں نے ولی عہد امام رضا کو انتخاب کیا گمان ہوتا ہے کہ یہ بھی فضل ابن سہل کے مشورے سے ہوا ہے کیونکہ اہل فارس کو یہ پسند تھا کہ امام مسلمین علوی ہوں چنانچہ مامون نے اس بیعت کو تمام اسلامی ملکوں میں پھیلایا۔

وفات مامون:۔

مامون الرشید روم کے شمالی شہر ''طرطوس'' میں جنگ کے غرض سے گئے تھے، ان کو وہاں بخار ہوا، بخار نے انہیں مہلت نہیں دی اور جمعرات ۱۸ رجب ۲۱۸ھ کو وفات پائی۔ اُسے وہیں طرطوس میں دفن کیا گیا۔ مامون کی عمر اس وقت ۴۸ برس تھی وہ بیس سال پانچ مہینہ بیس دن خلافت پر رہے۔ مامون الرشید کے ولی عہد معتصم کو ایک غیر طبعی اور غیر روایتی طریقے سے ولی عہد نامزد کیا گیا ان کے فرزند بالغ و رشید تھے قائدین لشکر اور وزراء نے بھی بیٹے کی نامزدگی کا مشورہ دیا لیکن اس نے اپنے بھائی معتصم کو بنایا جبکہ عام لوگوں حتیٰ قائدین لشکر کی بھی خواہش تھی کہ انہی کے بیٹے عباس کو بنائیں لیکن وہ نہیں مانے بنی عباس میں مامون کو بہت بڑا سیاست مدار اور سیاسی بصیرت والا شخص گردانا جاتا ہے مؤرخین کو یہاں مامون کی سیاست کی تحلیل کرنا چاہئے کیا مامون کی یہ سیاست اچھی تھی یا غلط اس کی کوئی خاص افادیت نظر نہیں آتی کیونکہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلا۔

۱۔ معتصم انپڑھ تھے اس لئے ہارون نے ان کا نام ولی عہدی میں نہیں رکھا۔

۲۔ کہتے ہیں مامون سلاطین عباسی میں عالم و مدبر حکیم تھے اس سربراہ

امپراطور مسلمین نے کیسے ایک جاہل انسان کو انتخاب کیا۔

۳۔ چنانچہ خود معتصم کو یہ احساس اس وقت ہو گیا جب کسی والی کو ایک خط بھیجا تھا جو اس والی کو بھی سمجھ نہیں آیا تو بے ساختہ کہنے لگا سلطان جاہل، کاتب جاہل، ملک کیسے چلے گا معتصم سوائے محاذ جنگ کے اندرون دار الخلافہ ناکام رہے۔

۴۔ بعض مؤرخین کافرین جو ایمان باللہ نہیں رکھتے تھے اللہ کو مدبر کون ومکان نہیں سمجھتے تھے ان کا خیال ہے کہ جب ایک انسان کو اقتدار مل جائے تو نسل درنسل سلطنت ملتی رہتی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے سورہ عمران کی آیت ۲۶ میں آیا ہے اللہ جس سے چاہے سلطنت چھین لیتا ہے اور جسے چاہے دے دیتا ہے ہارون رشید نے جس بیٹے کو نامزد نہیں کیا تھا اسے سلطنت مل گئی معتصم نے اپنے بھائی کو چھوڑا بیٹے کو دی اس کی نسل میں نہیں گئی اللہ کبھی مومنین سے چھین کر کافرین کو دیتا ہے کبھی کافرین سے چھین کر مومنین کو دیتا ہے۔ مامون کا اپنے بیٹے کی بجائے بھائی کو دینا اس جرم و اقدام کی تلافی تھی کہ اس نے اقتدار کی خاطر اپنے بھائی کو قتل کیا تھا اس کو دھونے کے لئے یہ اقدام کیا ہوگا۔

مامون خلفاء بنی عباس میں علم وادب اور سیاست مداری میں سب سے بہتر سمجھا جاتا تھا اس نے ابتدائے حکومت میں امام رضا کو اپنا ولی عہد بنایا اور جن اہداف کو نظر میں رکھا اس بارے میں ہم نے اس کے عزائم بحث ولی عہدی میں بیان کردیئے ہیں۔

مامون کے وفات پاتے ہی معتصم کی بیعت ہوئی معتصم رائے میں استحکام رکھتا تھا وہ ایک شجاع اور جرأت مند انسان تھا۔ اس کے القاب میں سے ایک مثمن تھا۔ مثمن کہنے کی توجیہات میں کہتے ہیں کہ یہ بنی عباس کا آٹھواں خلیفہ ہے جس وقت اس نے خلافت سنبھالی اس وقت اس کی عمر

اٹھارہ سال تھی ان کی خلافت آٹھ سال آٹھ مہینہ تھی اس نے ۴۸ سال کی عمر میں شعبان کے مہینہ میں وفات پائی جو کہ آٹھواں مہینہ ہے۔اس نے آٹھ بیٹے اور آٹھ بیٹیاں چھوڑی ہیں اور آٹھ جنگیں لڑی ہیں اور آٹھ ہزار درھم چھوڑے ہیں۔

۸۔ معتصم باللہ:۔

نام ابراہیم کنیت ابواسحاق محمد بن ہارون الرشید ماں کا نامماردہ جواُم ولد تھیں۔ ۱۷۹ھ میں پیدا ہوا مامون سے ۹ سال چھوٹا تھا، علم و ہنر سے بے بہرہ انسان تھا، بچپن سے ہی پڑھنے سے بیزار تھا ہارون نے اسے پڑھانے کے لئے ایک استاد معین کیا تھا۔

تعلیم سے نفرت کرنے والا خلیفہ:۔

خلفائے بنی امیہ وعباس اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت اور مختلف فنون سکھانے کیلئے معلم و مربی متعین کرتے تھے۔ یہ سلسلہ تمام سلاطین کے دور میں جاری رہا یہاں تک کہ ہارون کا دور آیا۔ اس نے بھی اسی روایت کو جاری رکھتے ہوئے اپنے بچوں کیلئے ایک معلم کا تعین کیا تھا۔سلاطین کی اولاد کا معلم معمولی نہیں ہوتا تھا بلکہ اس دور کے نامور و نابغۂ عالم اولاد سلاطین کے استاد ہوتے تھے اس وقت عام لوگوں کے بچوں کو تعلیم دینے والوں کو معلم کہتے تھے لہٰذا یہ نام خلفاء، وزراء اور امراء کے بچوں کو سکھانے والوں کے لئے چھوٹا پڑ گیا یہاں سے کلمہ معلم کی جگہ مؤدب استعمال کرنا شروع ہو گیا یہاں اس مناسبت سے استفادہ کرتے ہوئے اس کلمہ کے پس منظر کو بھی بیان کرتے جاتے ہیں۔کلمات عرب کی دو صورت ہوتی ہیں ایک مادہ ہوتا ہے، اس کلمہ کا مادہ ’’د۔ا۔ب‘‘ ہے داب ’’قوم‘‘۔ایک صیغہ ہوتا ہے کتاب تاریخ آداب عرب ج ا ص ۲۲۳ پر آیا ہے یہ کلمۃ ادب عرب جاہلیت

میں استعمال نہیں ہوتا تھا دور رسالت و راشدین میں بھی استعمال نہیں ہوتا تھا یہ دور بنی امیہ میں استعمال ہوا یہاں معاویہ نے قرآن کے مردود شعر و شعراء کو دوبارہ مخاصمۃ اسلامی میں بلایا تاکہ شعراء امیر المومنین کی شان میں شعر گوئی کریں یہاں سے یہ روایت پڑی کہ بچوں کو شعر سکھاتے تھے بچوں کو پڑھانے والوں کو مؤدب کا لقب دیتے تھے۔

ایک دن ہارون اپنے بیٹے معتصم کو دیکھنے گیا۔ اس سے پوچھا بیٹا تمہار استاد کہاں ہے تو وہ کہنے لگا شکر ہے اس سے نجات ملی بلکہ اس سے جان چھوٹ گئی۔ ہارون کہنے لگا تم علم سے اتنی نفرت کرتے ہو تو یہ کام چھوڑ دو۔ اس وجہ سے ہارون نے اسے ولی عہدی میں شامل نہیں کیا لیکن مامون نے اپنے بیٹے کو چھوڑ کر ان کو خلافت کے لئے نامزد کیا وہ خلیفہ بن گیا ایک دن کسی ایک علاقے سے ایک گزارش آئی اس میں ایک لفظ ایسا تھا کہ معتصم کو اس کا معنی نہیں آیا وزیر سے پوچھا اس کا کیا معنی ہے وزیر کو بھی نہیں آیا تو معتصم نے کہا اس مملکت کا کیا حشر ہوگا جس کا سلطان اور وزیر دونوں ان پڑھ ہوں لیکن وہ شجاع اور دلیر انسان تھا جب غصہ آتا تھا تو اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی تھی بنی عباس میں شجاعت اور دلیری میں اس سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا اس کی انگوٹھی کا نقش: ''**سل اللہ یعطک**'' تھا۔

لیکن تقدیر نے اس ان پڑھ کو خلیفہ بنایا معلوم نہیں علم و عقل میں مغرور خلیفہ نے قائد عسکری کو اپنا خلیفہ کیوں بنایا البتہ معتصم عباسی کی نیک نامی اور کارناموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے محبوس خاتون کو صلیبیوں کے زندان سے آزاد کرایا تھا یہ انپڑھ اور علم سے محروم خلیفہ ایک مسلمان خاتون کی خاطر ہزاروں کے لشکر کو روم تک لے گیا اور اپنی ناموس کو طاقت سے چھڑا کر واپس لائے، لیکن اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس مملکت کے رہبران سیاسی و مقتدر باہر چیخنے والے اقتدار کے بھوکوں کو لے آتے ہیں جو ملک

کے گوشہ و کنار میں کسی نہ کسی لڑکی یا خاتون کے اغیار کے ہاتھوں اغواء یعنی اسیر ہونے کی خبریں سنتے ہیں لیکن ان کے بال بھی نہیں ہلتے ہیں وہ اس کا انتقام خواتین اسیر کرنے والوں سے لینے کی بجائے اسمبلی میں اسلام مخالف آئین پاس کراتے ہیں یہ ہے اس وقت کے مسلمانوں کا المیہ۔

شاید اسی وجہ کے تحت ان کو خلیفہ بنایا گیا تھا چنانچہ ان کی پوری زندگی کفر و الحاد، زنادقہ وملحدہ اور صلیبیوں سے جنگ میں گزری ہے تاریخ میں صاحبان حاملان علم سے زیادہ حاملان شجاعت نے اپنے وطن کے لئے زیادہ خدمات سرانجام دی ہیں صاحبان علم نے نہ صرف اپنے وطن سے زیادہ دوسروں کے وطن کے لئے خدمات پیش کی ہیں بلکہ اپنے وطن کے ساتھ خیانت کی ہے۔ معتصم کا سب سے پہلا جہاد زنادقہ سے ہوا جہاں ۲۱۸ ھ میں ہمدان اصفہان والے بابک خرمی کے مذہب میں داخل ہوئے۔ جنگ زنادقہ میں معتصم نے اپنے لشکر کی قیادت حیدر بن کاؤس لقب افشین کو دی بابک خرمی نے ۲۰۱ھ سے تحریک الحاد شروع کی تھی ہر آئے دن اس کے الحاد میں شامل ہونیوالوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی ۲۰ سال سے زیادہ میدان جنگ میں رہنے کے بعد ۲۲۳ھ میں افشین نے بابک خرمی اور اس کے بھائی کو اسیر کرکے سامراء میں معتصم کے حضور میں پیش کیا معتصم افشین سے انتہائی خوش ہوگئے تھے اپنے بیٹے واثق کو ان کا استقبال کرنے پر مامور کیا شہر کو خوب سجایا اور خوشیاں منائیں بابک سے مسلسل جنگ میں رہنے اور کامیابی کا جشن منانے کے بعد معتصم نے ملحدین و صلیبین سے لڑنے کے لئے تمام سربراہان لشکر کو اپنے حضور میں طلب کیا تمام قسم کی ادویات، آلات اور سامان جنگی کا اہتمام کیا جس کی کوئی مثال سابق زمانے میں نہیں ملتی اس طرح روم کی طرف روانہ ہوگئے عموریہ کو فتح کیا۔

بنی امیہ، بنی عباس یا بنی عثمانیوں نے جس فرض اسلام کو دیگر واجبات پر

ترجیح دی اور مقدم رکھا اور جو اسلام و مسلمین کی سربلندی کا سبب بنا ہے وہ فریضہ جہاد ہے۔جس کا مظاہرہ منصور دوانیقی سے لیکر معتصم عباسی تک رہا اسی لئے وہ خلفاء محترم رہے۔

قرآن وسنت میں جہاد اساس وستون اسلامی ہے۔نماز کے بعد جہاد کا ذکر آتا ہے۔روئے زمین کے تمام انسانوں تک کلمہ توحید پہنچانے کا عمل جہاد کہلاتا ہے۔چاہے یہ اللہ کے منکروں سے ہو یا اسکی الوہیت اور ربوبیت میں انحراف رکھنے والوں سے ہو۔اسکے علاوہ جہاد عزت مسلمین کی ضمانت ہے جسے چھوڑنے کے بعد نہ اسلام کا نام بلند ہوگا اور نہ مسلمانوں کے گھر محفوظ رہیں گے انکی عزت غارت گری میں جائے گی۔اگر اسلامی سرحدوں پر مسلمان جنگ نہیں لڑیں گے تو دشمن انکے گھروں میں گھس آئے گا۔ابتداء اسلام میں ہم دیکھتے ہیں مکہ جو دشمن نبی کریمؐ تھا وہاں یاران محمد بھی تھے۔لیکن اس وقت چونکہ رسولؐ اللہ کو جہاد کا اذن نہیں ملا تھا تو مشرکین کے حوصلے بلند تھے وہ مغرور تھے چنانچہ انہوں نے آپؐ اور آپؐ کے اہل خانہ کو محصور کیا' آخر میں آپؐ کے قتل پر اتر آئے۔ جب رسولؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو انہوں نے مدینہ میں بھی پیغمبرؐ کا پیچھا کیا اور جنگ بدرواحد واحزاب میں نبی کریمؐ کے مقابلے پر اتر آئے۔حضرت کا فرمان ہے: اگر تم جہاد نہیں کرو گے تو دشمن تمہیں مارنے کے لیے تمہارے گھر آئیں گے۔ چنانچہ جب حضرت علی کے لشکر نے لڑنے سے کوتاہی اور سستی برتی تو لشکرِ معاویہ نے عراق کے اطراف پر حملہ کیا، انہیں ذلیل کیا،عورتوں کے زیوارت تک چھینے گئے اور غارت گری کی۔

جہاد ستونِ اسلامی ہونے کی وجہ سے خلفاء راشدین نے بغیر کسی تردد اختلاف کے اسے جاری رکھا،آپس کے اختلافات کے باوجود سب دشمن سے جنگ میں متحد تھے۔دور حضرت عثمان میں مسلمان افریقہ وایشیاء تک

پھیلی وسیع سلطنت قائم کئے ہوئے تھے۔ خلفائے راشدین کے بعد خلفائے بنی امیہ وعباسیہ جن کا دور معاویہ سے شروع ہوکر واثق باللہ تک ہے ان کا بھی ناقابل ترک فریضہ نماز کے بعد جہاد تھا۔ ان خلفاء کے بھائی بیٹے ہمیشہ محاذ جنگ پر رہتے تھے لیکن جس دن سے مسلمانوں نے جہاد میں سستی اور کوتاہی برتی تو انکا زوال شروع ہوگیا یہاں تک کہ دشمن اس حد تک جری ہوگیا کہ اب وہ قرآن سے آیات جہاد کو نکالنے کا مطالبہ کرر ہا ہے۔ قارئین وہ لقمہ کس قدر کڑوا اور زہریلا ہوگا جو اس مطالبے کو مان کر کھایا جائے گا۔ جب جہاد سے دست بردار ہونگے، دشمن سے مشورے لیں گے تو اس بے پناہ اسلحہ کا کیا فائدہ ہوگا۔ جہاد ہمیشہ مسلمان ہی کرتا ہے۔

معتصم عباسی کے قائدین لشکر:۔

تاریخ الدولۃ الاسلامی تالیف مستشرق بولونیہ بوجینا غیانہ ستیجفسکا ص ۲۵۷ ''محارۃ من الازھر''

دور سابق میں نظام عسکری کے متعدد قائد ہوتے تھے ہر ایک کا علاقہ جدا جدا اور الگ ہوتا تھا، اور خلیفہ ان سب کے اوپر حاوی ہوتا تھا، مامون کے دور میں مامون نے عرب لشکر سے ہٹ کر غیر عرب لشکر کو اپنے قریب کیا جو اس کیلئے ناگزیر تھا، جب معتصم کا دور آیا تو اس میں غیر عرب لشکر میں اضافہ ہوتا گیا، اس لشکر میں ترک غلاموں کی اکثریت تھی، رفتہ رفتہ لشکر سے عربوں کا خاتمہ ہوا، اور قائدین لشکر نے ترک فوجیوں پر زیادہ توجہ دی، انھیں انعامات دیئے اور سونے کے دھاگے سے بنے قیمتی لباس بھی دیئے، ان کیلئے الگ سے ایک چھاؤنی سامراء میں بنوائی۔ خلیفہ کون بنے گا کون نہیں یعنی خلافت کے مستقبل کی ذمہ داری ان کے سپرد کی جو کہ معتصم کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ اس عسکری قیادت میں تین افراد بہت اہمیت کے حامل تھے۔

۱) افشین حیدر بن کاؤس جو ترکی کے علاقے اشروسنتہ سے تعلق رکھتا

تھا، معتصم کے دور میں یہ سب سے بڑا قائد لشکر تھا، اس کو بابک سے جنگ کیلئے بھیجا، جس پر اس نے غلبہ حاصل کیا، اس وجہ سے معتصم نے اسے بہت اہمیت دی اور انعامات سے نوازا اور اس کو عموریہ اور روم کے لشکر کا قائد بنایا۔

۲) دوسرا ایتاج تھا یہ خزریا کا غلام تھا، جسے ۱۹۹ھ میں خریدا، تین رجمنٹوں میں سے ایک کو اس کے سپرد کیا۔

۳) تیسرا اشناس تھا یہ ترک غلام تھا، معتصم نے اسے بھی خریدا تھا، اس کی شجاعت و بہادری کی وجہ سے اسے انعامات و ترقی دی اور اسے جنگ اموریہ میں سالار بنایا۔ معتصم نے حکومت کی لجام ان کے سپرد کی، یہ تینوں رجمنٹ غیر عرب تھیں، معتصم نے بنی عباس کے زوال کو اپنی گردن پر لیا، جو اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ چنانچہ اہل بغداد نے ان فوجیوں کی شکایت معتصم سے کی کہ اگر ان کو نہیں ہٹائیں گے تو ہم! معتصم نے کہا کیا کرو گے؟ لوگوں نے کہا ہم تیر سحر ماریں گے، یعنی صبح کے وقت بددعا کریں گے تو معتصم ڈر گیا اور لشکر کو سامراء منتقل کر دیا، معتصم نے ۲۲۷ھ میں سامراء میں وفات پائی۔ اس وقت تک لشکر کے غلبہ و قدرت میں بہت اضافہ ہو چکا تھا، ان میں سب سے زیادہ مقام اشناس نے حاصل کیا اور ۲۲۸ھ میں واثق نے اسے تاجِ سلطنت پہنایا، اس دن سے لشکروں کے قائدین نے جنگی قیادت کے ساتھ ساتھ داخلی امور کی بھی قیادت و ذمہ داری سنبھال لی، یہ تاریخ وہ تاریخ ہے جس میں پہلی مرتبہ خلفاء پر قیادت عسکری حاوی ہوئی۔

معتصم اور جہاد زنادیق وصلیب:۔

معتصم گرچہ حصول علم میں قاصر رہے لیکن یکے از ارکان شریعت اسلام جہاد و قتال زنادیق و صلائب میں اعلیٰ قیادت و صلاحیت اور جذبے کے حامل تھے تھکنے والے نہیں تھے ان کی زنادیق سے جنگ کا بڑا دشوار و طویل عرصہ کی جنگ بابل خرمی تھی ان کے ساتھ انہوں نے بیس سال

جنگ لڑی کتاب تاریخ دولۃ عباسیہ عصر پاس اول ص ۱۲۸ پر آیا ہے بابل خرمی نے ایک مذمت زندقہ کی اعلان کیا اسے اس میں بہت کامیابی حاصل ہوئی لاکھوں افراد جمع کیے جبال قوقان پر قبضہ کیا ہمدان واصفہان ان کے ماتحت تھے بزنطی صلیب ان کے معاون و مددگار رتھے ساتھ ہی اپنی کامیابی کے لئے خود بھی ایک محاذ جنگ کھولا معتصم نے دونوں محاذوں پر جنگ لڑی آخر میں بابک کوان کے عوض قائد افشین نے گرفتار کر کے اس دن اس نے بغداد میں ایک جیش بنایا بابک کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے زبان نکال دی جسم کو عبرت کے لئے شہر میں گھمایا اس کو درخت پر لٹکایا' معتصم نے اپنے بھائی کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے لشکر اور قائدین لشکر فارس وخراسان سے جان چھڑاتے ہوئے روکوں کوان کی جگہ جاگزین کیا۔

غیرت ناموس والا سلطان:۔

کہتے ہیں انسان مدنی الطبع ہے یعنی اس کی ذات کے خمیرہ میں گرائش دیگر انسان ہے اس گرائش سے انسان اپنے لئے جلب منافع دفع مضرات کرتے ہیں جب ہر انسان اپنے لئے جلب منافع اور دفع مضرات کرے گا تو وہ دیگران کو ملا کر مسائل حل کرینگے اس کا مطلب ہے طبیعی طور پر معاشرہ چند گروہوں میں بٹ جائیگا پھر تصادم ہوگا لہٰذا لوگوں کو زیادہ جمع کرنے کا کیا فارمولا ہوسکتا ہے غور کرنا شروع کیا چنانچہ عقلاء نے آخر میں تین فارمولے تلاش کیئے ہیں یہ تین فارمولے اپنی جگہ ایک فارمولے میں جمع ہوتے ہیں اسی کو عصبیت کہتے ہیں عصب کے معنی جیسا کہ مقائیس ج ۲ ص ۲۷۵ پر آیا ہے ''ع، ص، ب'' ربط شئی بشئی ایک چیز کو دوسری چیز سے جوڑنے کو عصب کہتے ہیں عقلاء نے اہم ترین رابطہ بتایا ہے۔

۱۔ رابطہ وطن ۲۔ رابطہ دم ۳۔ رابطہ دین

دنیا بھر کے انسانوں کو جب بھی کسی مصیبت کا سامنا ہوتا ہے وہ انہی

تین رابطوں میں سے ایک کو اٹھاتے ہیں۔امام حسین نے لشکر عمر سعد کو اللہ اور قیامت کی یاددلائی لیکن ان پر اثر نہیں ہوا، رابطہ دین ان پر اثر نہیں کر سکا وہ مصر رہے کہ امام سے جنگ کریں گے، آخر میں جب تمام انصار واعوان قتل ہوئے تو آپ نے لشکر عمر سعد سے خطاب میں فرمایا ''اگر تم میں دین داری نہیں،تم دین کو نہیں مانتے اللہ اور قیامت سے نہیں ڈرتے ہو تو تم عرب ہو اپنی غیرت و ناموس کا خیال رکھو''معتصم عباسی ان لوگوں میں سے تھے جو عزت وناموس کا خیال رکھتے تھے۔

معتصم کا دور جنگ وفتح کا دور تھا اس نے ہی اموریہ کو فتح کیا تھا ایک دفعہ بادشاہ روم مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نکلا اور ان کے ایک قصر کو غنیمت میں لیا جس کا نام ذبطرہ تھا اس میں موجود مردوں کو قتل کیا عورتوں اور بچوں کو اسیر کیا اسیر ہونے والوں میں سے ایک ہاشمی عورت تھی اس نے یہ فریاد کی ''وامعتصماہ''۔معتصم کو خبر ملی بادشاہ روم کا اقدام ان پر ناگوار گزرا اور انہوں نے اس ہاشمی عورت کی فریاد سنی اور اپنی مجلس میں کہا لبیک لبیک فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور چیخ وپکار بلند کی کہ چلو چلو اپنی سواری پر سوار ہوئے اپنے پیچھے زاد وراحلہ رکھا اور لشکر کو حکم دیا جا کر تبریز میں قیام کریں اور جنگی تیاری کریں جب لشکر جمع ہوا تیاریوں سے فارغ ہوئے تو جانے کے لیے آمادہ ہوئے قاضی گواہ رکھا کہ انہوں نے اپنی جائیداد و اموال کو تین حصوں میں وقف کیا ایک حصہ اللہ کے لیے ایک حصہ اپنی اولاد اقارب کے لیے ایک حصہ اپنے خدمت گزار کنیزوں اور غلاموں کے لیے رکھا پھر نکلا تو بعض اہل روم سے ملے ان سے پوچھا تمہارے نزدیک بہترین قصر کون سا ہے جو اہل رومیوں کے لیے عزیز ہو تو رومیوں نے کہا اموریہ ہے یہ ان کے شہر کی آنکھ ہے معتصم نے اسی کی طرف رُخ کیا اور اس شہر کا محاصرہ کرنے کے بعد اسے فتح کیا اس میں داخل ہوا اس میں موجود لوگوں کو قتل کیا اس کا

ایک لوہے کا بڑا دروازہ تھا جسے وہاں سے اتار کر بغداد لایا دارالخلافہ کے دروازوں میں سے ایک دروازہ قرار دیا جسے باب العامہ کہتے ہیں۔

معتصم، مامون کے دور میں شام اور مصر کا والی رہا پھر مامون کے بعد ۲۱۸ھ سے ۲۲۷ھ تک کرسی سلطان پر رہا، اس نے ۸ سال ۸ ماہ تک حکومت کی ان کے دور میں اندلس میں ''عبدالرحمان ثانی بن حکم'' امیر تھا مغرب اقصیٰ میں محمد ابن ادریس تھا ان کے بعد ان کے بیٹے تھے، افریقہ میں ''زیارت اللہ بن ابراھیم'' تھے۔ جبکہ مامون الرشید جنگ روم میں مقام طرطوس پر تھا معتصم ان کے ساتھ تھا۔ فضل نے بغداد میں معتصم کیلئے بیعت لی اور شہر کا نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لے لیا یہاں تک کہ معتصم وہاں پہنچا اور اسے فضل کی سرگرمیوں کا علم ہوا تو اس کو اپنا وزیر بنا دیا اور سلطنت کا نظم ونسق بھی اس کے سپرد کر دیا وہ دو سال تک وزارت پر رہا۔

جس وقت معتصم کے لئے بیعت لی گئی اس وقت وہ روم میں تھا معتصم کا پہلا وزیر فضل جو معتصم کے خلیفہ بننے سے پہلے اس کا کاتب تھا جب اسے مامون کی وفات کی خبر ملی اس وقت وہ بغداد میں تھا، مامون عباسی نے اپنے بھائی کو وصیت کی تھی مسئلہ خلق قرآن پر شدت سے عمل کریں چنانچہ ان کی وصیت پر معتصم نے امام احمد بن حنبل کو ۲۸ مہینے زندان میں ڈالا جب معتصم فوت ہو گیا، تو واثق نے ان کو زندان سے نکالا اور شہر سے جانے کا حکم دیا لیکن وہ گھر پہنچنے کے بعد وفات پا گئے۔

معتصم سے پہلے لشکر کی قیادت اہل فارس کرتے تھے جب معتصم کا دور آیا تو وہ ترکوں کو آگے لایا اور ان پر اعتماد کرنے لگا جن پر متعدد قیادتوں کی تزاحم شروع ہوئی خاص طور پر ہما ماوران کے حوالے سے بچیوں اور عورتوں کے ساتھ بدتمیزی شروع ہو گئی تھی یہاں سے اہل بغداد ان سے تنگ آچکے تھے چنانچہ شہریوں کے نمائندے نے معتصم سے لشکریوں کی بدتمیزی کے

بارے میں شکایت کی جس کی بنیاد پر انہوں نے شمال بغداد کی طرف ساٹھ میل کے فاصلہ پر ایک شہر دارالسلطنت بنایا۔

تعمیر سامراء عاصمۃ معتصم:۔

بغداد لشکر کی کثرت کی وجہ سے ایک فوجی چھاؤنی کی شکل اختیار کر گیا تھا جب بھی لشکر شہر کی قیادت سنبھالنے میں تعاون کرتے ہیں تو شہریوں کے لئے اچھا نہیں ہوتا یہ لشکر اپنی تلواروں اور نیزوں کے بل بوتے پر بہت مغرور ہو گئے تھے اور شہریوں کو اذیت و آزار پہنچاتے تھے جس سے شہری تنگ آ چکے تھے اور ان سے نجات کیلئے پریشان تھے کہ ان سے کیسے جان چھڑائیں۔ایک دن ایک بوڑھا معتصم عباسی کے پاس آیا اور کہا کہ امیر المومنین آپ اپنے لشکر کو یہاں سے نکالیں ورنہ، یہ کہہ کر بوڑھا خاموش ہو گیا معتصم نے کہا کہ تم مجھے دھمکی دیتے ہو، پھر اس نے بوڑھے سے اصرار کیا کہ ورنہ کا کیا مطلب، تو بوڑھے نے کہا ہم تیر سحر ماریں گے، معتصم کو بہت غور کے بعد سمجھ آیا کہ اس کا مطلب ہے صبح کو بددعا کریں گے، لہٰذا وہ ڈر گیا پھر اس نے بہت سوچ بچار کے بعد سامراء جو کہ بغداد سے ساٹھ میل دور تھا کو منتخب کیا اور اسے بہت خوبصورت بنایا، اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اس کا نام سامراء بن گیا یہ کلمہ راءمرہ کا مخفف ہے ”جس نے دیکھا خوش ہو گیا“۔غرض جب وہ سامراء آیا تو اپنے فوجی لشکر سے خود ڈر گیا جس کے بعد اس نے شام کے کسی علاقے میں سکونت اختیار کی۔

معتصم اور عید:۔[قصص العرب جاد مولیٰ ج ا شمارہ ۲۰]

حمدون بن اسماعیل ندیم کہتے ہیں ایک دفعہ عید کے موقعہ پر معتصم نے اپنے لشکر کو منظّم کیا اس طریقہ سے کہ جس کی سابق دور میں کوئی مثال نہیں ملتی اپنے محل سے عیدگاہ تک تقسیم بندی کی پھر ہر ایک جگہ پر ایک سرحد قائم کی اور

قائدین لشکر کو اسی ترتیب سے تعین کیا۔ عید سے ایک دن پہلے تمام قائدین لشکر حاضر ہوئے ظہر سے پہلے ایک صف میں جمع کئے۔ معتصم عیدگاہ جانے کیلئے اپنی سواری پر سوار ہوا ایک جگہ ابراہیم بن مہدی کے لئے معین کی جو مسجد خوارزمی کے بعد تھی۔ ابراہیم اور اس کے تابع لشکر وہاں صف میں کھڑے تھے ان کے ساتھ ہزار لشکر موالی نکلے ہر تین سو کے لشکر کیلئے الگ لباس معین کیا گیا تھا۔ چار ہزار مغرب والوں کے لئے اور کے لئے چار ہزار لباس تیار ہوئے۔

[فخری ص ۲۲۹]

معتصم پر لشکر ترک حاوی تھے دولۃ سلاجقہ تالیف علی محمد صلابی ص ۲۵ پر لکھتے ہیں سلاجقہ منسوب ہے دقاق سے یہ لوگ دقاق اور ان کا خاندان وقبیلہ کسی ترک بادشاہ کے خدمت گزار تھے اس کا نام یبغو تھا یہ ان کی اطاعت کرتے تھے سلجوق بن دقاق بھی یبغو کی خدمت کرتا تھا جس طرح پہلے دقاق کرتا تھا۔ سلجوق کی وفات کے بعد اسکی اولاد سیاست پر حاوی ہوئی۔

مامون نے اپنے بھائی معتصم کو خصوصی طور پر سفارش کی کہ لوگوں کو قرآن مخلوق ہے کے عقیدے پر مائل کرنا۔ امام احمد بن حنبل اس وقت زندان میں تھے جب معتصم کے لئے بیعت ہوئی تو احمد بن حنبل کو زندان سے لائے اور ان سے مناظرہ کے لئے مجلس رکھی گئی تین دن مناظرہ کرنے کے بعد انھوں نے انھیں اس قدر مارا کہ وہ بے ہوش ہو گئے حالانکہ وہ روزہ کی حالت میں تھے۔ امام احمد ۲۸ مہینہ مسلسل زندان میں رہے یہاں تک کہ معتصم وفات پا گئے انکی جگہ واثق آ گیا یہ بھی مامون اور معتصم کی سیرت پر رہا اور ان پر کسی مجلس میں جانے پر پابندی لگائی امام احمد اپنے گھر میں روپوش رہے حتیٰ نماز کے لئے بھی نہیں جاتے تھے۔ واثق کے مرنے کے بعد متوکل نے ان پر عائد پابندیاں ہٹائیں۔

خلیفہ ناخوندہ معتصم تعلیم سے بھاگتا تھا لیکن طاقت و قدرت کے مظاہرے میں بہت سخت تھا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے ایک سربراہ سیاسی کے لئے کن صفات کا حامل ہونا ضروری ہے۔ مؤرخین نے بادشاہوں کے محاسن بیان کرتے وقت زیادہ تر لکھا ہے کہ فلاں علم دوست تھا، فصیح و بلیغ تھا، جود وسخا کا مالک تھا۔ ہارون کی نظر میں بھی یہی تھا کہ ان پڑھ خلافت کے لئے موزوں نہیں ہے لیکن بنی عباس کے علماء اعلام کی نظر میں انپڑھ حکمران ہی موزوں سمجھے جاتے تھے اسی وجہ سے انپڑھ کو ولی عہد بنایا۔

عصر جدید میں کسی ان پڑھ کیلئے سربراہ کا عہدہ ظلم ہے۔ کیا سربراہ مملکت کو تمام علوم میں عالم ہونا چاہیئے بلکہ بعض علماء دین حتیٰ بعض مجتہدین کا نظریہ ہے مجتہد کو عام علوم وفنون فزکس و کیمسٹری، ریاضیات، اقتصادیات اور اجتماعیات میں بھی عالم ہونا چاہیے یعنی رہبر دینی کو ملت کے ہر فرد کے سوالات کا جواب آنا چاہیے لیکن اس کی دلیل وسند کیا ہے؟ کبھی نہیں بتایا ہے اسکی صفات میں کون سی چیزیں اہم ہیں؟ اس عہدے کے حوالے سے ہمیں دو ذمہ داریاں اہم ترین نظر آتی ہیں۔ ایک دشمن سے لڑے، سرحدوں پر نظر رکھے اور وہ طاقت ور اور شجاع ہو۔ دوسرا اسکی بنیادی صفت یہ ہو کہ وہ رعیت کے لئے رحمدل ہو اور انکا اپنے بچوں کی طرح خیال رکھے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں معتصم ان پڑھ تھا، ہمارے حکمران شاید اس پر اسکا مذاق اڑائیں کیونکہ وہ اندرونی و بیرونی درسگاہوں سے پڑھے لکھے ہیں لیکن جب پاکستان کی ایک مسلمان بیٹی قطع نظر اس کی غلطی کے ہونے یا نہ ہونے کے وہ کفر کی قید میں آئی، اس نے پاکستان کے غیرت مندوں سے فریاد کی تو اسکا مذاق اڑایا گیا لیکن جب معتصم کے دور میں ایک مسلمان عورت روم میں قید ہوئی اور اسے وہاں جب مارا پیٹا گیا تو اس نے ''وامعتصما'' کی فریاد بلند کی تو معتصم خود ایک لشکر کے ہمراہ روم کے اس علاقے پر حملہ آور ہوا اور اسے وہاں سے

نجات دلائی۔

یہاں ہمارے سامنے پڑھے لکھے اور ان پڑھ حکمران کا کردار موجود ہے کہ دونوں میں سے کس حکمران نے ذمہ داری پوری کی، آیا علم کارآمد ہے یا غیرت؟ حکمرانوں کی تاریخ میں پڑھے لکھے، دانشور دانشمند اور عاقل حکمرانوں کی فہرست بہت طویل ہے لیکن ان پڑھ نامور اور مشہور و نابغہ حکمرانوں کی فہرست بہت چھوٹی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان پڑھ حکمرانوں کے بعض اقدامات تاریخ میں سنہری حروف میں لکھے جاتے ہیں اور یہ چیز بے غیرت و بے حمیت پڑھے لکھے حکمرانوں کو احساس کمتری میں مبتلا کرتی ہے لیکن علماء اعلام اور مفکرین و مؤرخین اس پر بحث نہیں کرتے کہ کسی حکمران کے لئے کون کون سا علم اور دانش و فراست ضروری ہے اور کون سا علم اس کیلئے غیر ضروری اور فالتو ہے۔ اس وجہ سے بہت سے خلفائے بنی امیہ کی تاریخ شناسی میں بہت دشواریاں پیش آتی ہیں مثلاً عبدالملک بن مروان اپنے دور کے فقیہ و عالم اور قرآن کریم سے لگاؤ رکھنے والے خلیفہ تھے لیکن ان کی حکمرانی قرآن کے مطابق نہیں تھی۔ ایک اور مثال حجاج ابن یوسف کی ہے جو کہ اپنے دور کا شقی القلب اور ظالم و جابر اور مجرم انسان تھا لیکن تاریخ میں اس کی صفت میں یہ لکھتے ہیں کہ وہ حُسن قرأت قرآن رکھتے تھے گویا اس طرح سے تاریخ میں حکمرانوں کی حکمرانی سے غیر مربوط فضائل کو سامنے لاکر ان کی اس بنیادی دانش اور فہم و فراست کو نظر انداز کیا جاتا ہے کہ جو ایک مسلمان حکمران کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ یہ تاریخ پڑھنے والوں کے ساتھ ایک دھوکہ و فریب ہے۔ معتصم عباسی ان خلفاء میں سے ہے جو ان پڑھ تھے لیکن خلفاء کیلئے شجاعت اور غیرت و حمیت ایک بنیادی شرط ہے اور معتصم اس کے حامل تھے۔ لیکن اُس وقت سے اب تک کے بہت سے حکمرانوں کیلئے اس کی عزت نفس اور غیرت و حمیت و شرم و حیا

احساس کمتری کا باعث ہے۔

۹۔ واثق باللہ:۔

نام ''ہارون'' کنیت ابوجعفر بن معتصم بن رشید ۲۰ شعبان المعظم ۱۹۰ھ میں پیدا ہوا اس کی ماں کا نام ''قراطیس'' ہے جو ام ولد تھی، اپنے باپ معتصم کی وفات کے دن ۱۸ ربیع الاوّل ۲۲۷ھ کو خلیفہ بنا، اس کی انگوٹھی کا نقش ''لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ'' تھا ایک سال کے بعد ۲۲۸ھ کو اس نے آشناس الترکی قائد جیش کو امیر امراء کی خلعت پہنائی اس وجہ سے مملکت کا وسیع علاقہ فارس کے تمام ضد خلافت عناصر کے منظمات کی جولان گاہ بنا ہوا تھا ہر جگہ استقلال طلبی کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں جن میں طاہرین اور ساسانین پیش پیش تھے جبکہ سربراہ مملکت زیادہ تر وقت محفل غناء و شراب میں گزارتا تھا یہاں سے انہوں نے دین و ملک کو بچانے کی بجائے خود کو بچانے کے لئے سوچا ہے۔

واثق تمام خلفاء میں سب سے زیادہ غناء سے آشنا تھا اس کے پاس بہت سے اصوات والحان تھیں جن کی تعداد سو سے زیادہ تھی وہ شعر و اخبار کا راوی بھی تھا۔ زیادہ کھانا کھاتا تھا اس کا ایک دسترخوان تھا جو سونے کا تھا جس کے چار حصے تھے ہر حصے میں ۲۰ گوسفندوں کی ران رکھی جاتی احمد بن ہمدون نے کہا ہے ہارون بن زیاد مؤدب واثق کے پاس آیا اس نے ان کی حد سے زیادہ تعظیم کی کسی نے پوچھا یا امیر المومنین یہ کون ہے تو کہا اس نے سب سے پہلے میری زبان سے نام اللہ پڑھوایا ہے مجھے اللہ کی رحمت سے نزدیک کیا ہے۔

واثق نظریہ خلق قرآن میں اپنے باپ کا پیرو تھا۔ کہتے ہیں واثق نے اپنی موت سے پہلے اس نظریہ سے برگشت کیا کہتے ہیں ایک دن ایک بزرگ قیدی کو اس کے سامنے لایا گیا اس نے سلام کیا تو واثق نے اسکا جواب نہیں

دیا۔ شیخ نے کہا یا امیر المومنین آپ کا اندر کتنا برا ہے اللہ فرماتا ہے اس آیت کو پڑھا ﴿اور جب کوئی احترام کے ساتھ تمہیں سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقہ کے ساتھ جواب دو یا کم از کم اسی طرح ، اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ﴾ نساء ۸۶ نہ آپ نے بہتر انداز میں اپنایا نہ سلام کا جواب دیا تو واثق نے کہا وعلیکم السلام ۔اس نے پھر کہا ابن ابی داؤد سے پوچھیں مجھے ایک مسئلہ ہے مجھے اس کا جواب ملنا چاہیے کہا کیا ہے شیخ نے ابن ابی داؤد کی طرف رخ کر کے کہا جس مسئلہ کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں کیا رسولؐ نے ایسا فرمایا ہے اس نے کہا نہیں تو کیا ابوبکر صدیق ،عمر بن خطاب ،علی ابن ابی طالب یا عثمان نے کہا ہے تو اس نے نفی میں جواب دیا اس پر شیخ نے کہا جس چیز کی طرف رسولؐ نے دعوت نہیں دی خلفاء راشدین نے کچھ نہیں کہا تو آپ اس کی طرف لوگوں کو کیوں دعوت دے رہے ہیں اس کے بعد واثق نے شیخ کی زنجیر توڑنے کا حکم دیا۔ شیخ نے اس زنجیر کو اٹھایا اور اپنی آستین میں رکھا واثق نے کہا اس کا کیا کرو گے تو کہا وصیت کروں گا اگر میں مرجاؤں تو اس کو میرے کفن میں رکھنا تاکہ قیامت کے دن اس سے احتجاج کروں اور کہوں گا کہ اے اللہ اس ظالم سے پوچھیں مجھے کیوں پابند سلاسل کیا کیوں میرے اہل خانہ کو بغیر کسی جرم و خطاء کے ڈرایا دھمکایا۔ اس پر سب رونے لگے پھر واثق نے کہا انھیں معاف کریں تو شیخ نے کہا ہم نے آپ کو رسول کریم کے احترام میں معاف کیا اگر تم اس کے اہل ہو یہاں سے واثق نے اس عقیدہ سے برگشت کی اور اس کے ساتھ نیک سلوک کیا یہ شیخ ابو عبدالرحمٰن بن عبد اللہ بن محمد ازدی تھا۔ واثق علوین کے ساتھ نیک سلوک رکھتا تھا۔

اخبار دول ج ۲ ص ۱۰۶ پر آیا ہے خلیفہ واثق باللہ نے خود خلیفہ ہوتے ہوئے اپنی جانشینی کا انتخاب کیا اس کے لئے اس نے ترکی سے ایک شخص کو

منتخب کیا اور انہیں سونے کے جواہرات سے مزین و آراستہ تاج پہنایا، یہ پہلا شخص ہے جس نے خلافت کے متوازی ایک سلطان بنایا ہے یہاں سے خلافت کے متوازی ایک سلطان کا سلسلہ شروع ہوا۔

پہلی بار حکومت چلانے کے لئے اپنے باپ کے ایک غلام اشناس ترکی کو سلطان بنایا اس طرح واثق سب سے پہلا خلیفہ ہے جس نے مملکت چلانے کیلئے

سلطان رکھا، واثق نے مسئلہ خلق قرآن کے بارے میں اپنے دادا اور باپ معتصم کی سیرت وسنت کو جاری رکھتے ہوئے احمد بن نصر خزاعی کو اسی مسئلہ پر قتل کیا، ان کے سر کو نیزہ پر چڑھا کر گھمایا لیکن اس نے مرنے سے پہلے توبہ کی ۲۳۲ھ میں واثق نے وفات پائی وہ پانچ سال تک مسند خلافت پر رہا۔

دربار خلفاء میں غناء:۔

اخبار دول ج ۲ ص ۱۰۷ پر آیا ہے خلفاء میں سے سب سے زیادہ غناء کے واقف و عارف واثق باللہ تھے وہ ۱۰۰ آواز کے ماہر تھے۔ کتاب قصص العرب جاد مولیٰ ج ۴ ص ۱۰۶ پر آیا ہے شمارہ ۳۸ اور شمار ۳۹ پر مجلس غناء واثق کا ذکر آیا ہے۔

سلطنت:۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین سے لیکر واثق باللہ تک اندرون مملکت کا انتظام سلاطین کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ قیادت عسکری کو یہ پتہ نہیں ہوتا تھا کہ اندرون شہر میں کیا ہو رہا ہے اور شہر نشینوں کو پتہ نہیں تھا ان کے عزیز زندہ ہے یا مردہ چنانچہ سلیمان بن عبدالملک وفات کے موقعہ پر ان کا بیٹا محاذ روم پر تھا وہ ان کو نامزد نہیں کر سکے۔ وہ سالہا سال محاذ پر رہتے تھے۔ اس وجہ سے مملکت میں کوئی علیحدہ صوبے اور ریاستیں قائم نہیں ہوئیں بلکہ تمام انتظام داخلی سلطان کے تابع ہوتا تھا لہذا دور بنی امیہ

سے لے کر معتصم عباسی تک عسکری بغاوت پیش نہیں آئی بڑے سے بڑے لیاقت وصلاحیت رکھنے والے فوجی سربراہ بھی خلیفہ کے سامنے خاضع ہوتے تھے عسکری قیادت متوازی سلطنت یا برتری کا سلسلہ واثق باللہ سے شروع ہوا ہے۔ جب سے واثق باللہ نے داخلی نظم ونسق بھی عسکری قیادت کے ہاتھ میں دیا ہے یہاں سے مملکت کمزور ہونا شروع ہوئے اور دشمنان اسلامی کے حملے بڑھنا شروع ہوگئے قیادت عسکری کتنی ہی سیاستمدار کیوں نہ ہوملکی نظم ونسق نہیں سنبھال سکتا اگر سنبھالیں گے تو ملکی دفاع غیر محفوظ اور سرحدیں کمزور ہونگی فوج کی صرف ایک ہی خواہش ہونی چاہئے کہ دشمن کو سرحد کی طرف دیکھنے کا موقع نہ دے۔ تاریخ اسلامی میں ریاست اسلامی کی کمزوری اورسقوط ونابودی کے اسباب کواگر دیکھا جائے تو اس دن سے حساب کرنا ہو گا جس دن مملکت کو دوحاکموں سے چلانا شروع کیا گیا۔ ایک دن وہ جب حاکم ریاست اسلامی سے الگ عسکری سربراہ کو بھی حاکم بنایا گیا، اس دن سے خلافت زوال کی طرف بڑھنا شروع ہوئی، حاکم عسکری حقیقیت میں ایک مستقل طاقت کی شکل اختیار کر گیا جسکی وجہ سے دواطراف سے ضربت لگنا شروع ہوئی۔ پہلی ضربت حاکم اسلامی پر اس وقت لگی جس وقت اس سے قوانین کی قوت اجراء ونفاذ کو چھینا گیا اور دوسری ضربت مملکت میں فی سبیل اللہ سرخرو ہونے اور جذبے سے لڑنے والے مجاہدین پر لگی جو جہاد میں ایک دوسرے سے سبقت دکھاتے تھے وہ عیش ونوش اور دولت کے پیچھے بھاگنے لگے۔ غرض قائد عسکری کا حاکم بننا مملکت کیلئے بہت خطرناک ثابت ہوا۔ اگر عباسیوں کے زوال کے شروع ہونے کا دن دیکھنا چاہیں تو وہ یہی دن ہے۔ یہ دن واثق باللہ کے خلیفہ بننے کے بعد شروع ہوا جس نے قیادت عسکری کوسلطان مملکت کے طور پر تسلیم کیا اور اسی دن سے خلیفہ ناتوانی کی طرف بڑھا اور تنخواہ خوار عسکری بن کر رہ گیا۔

یہی دن تھا جب ۳۳۴ھ میں مستکفی باللہ نے احمد بن آل بویہ کو بغداد بلایا اور عسکری قیادت کو ان کے سپرد کیا ان کی سلطنت ۳۳۴ھ سے ۴۴۷ھ تک قائم رہی، آل بویہ غلات شیعہ میں سے تھے، انھوں نے فرقہ واریت کو مزید اٹھایا یہاں تک کہ ۴۴۷ھ میں طغرل بک کی قیادت میں سلاجقہ بغداد میں داخل ہوئے اور انھوں نے آل بویہ کی جگہ لی، ان کی حکومت ۶۵۶ھ تک زوال خلافت بنی عباس تک چلی۔ کہتے ہیں آل بویہ نے بہت سی ترقی اور اصلاحات کی ہیں لیکن انھوں نے جو فساد و فرقہ واریت کا بیج بویا، اسے آج تک کوئی اکھاڑ نہیں سکا۔

۱۔انھوں نے اصحاب اور معاویہ پر مجالس میں برملا لعنت کروائی اور دیواروں پر لعنت لکھوائی، جس سے بغداد میں فتنہ وفساد اور بدامنی پیدا ہوئی۔

۲۔۳۵۲ھ میں انھوں نے امام حسین کے نام سے مردوں اور سر برہنہ عورتوں کے مخلوط جلوس کی بدعت شروع کی۔

۳۔علماء شیعہ کی محافل ومجالس میں مناظرات کی بنیاد ڈالی گئی۔

اس دوران خلفاء کی مدت خلافت ا سال سے ۴ سال تک رہی، وہ اس سے زیادہ نہیں رہ سکے۔ واثق باللہ کے دور سے خلفاء کمزور اور ضعیف تھے اقتدار ترکوں کے ہاتھ میں تھا، وہ عسکری وفوجی قدرت وقوت کے حامل تھے یہ پوری مملکت پر حاوی تھے اور جس خلیفہ کو چاہتے اتارتے اور نیا خلیفہ لگا دیتے، لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ خلفاء نالائق تھے بلکہ وہ لائق و قابل تھے لیکن ان کی لیاقت اور قابلیت اپنی ذات تک کے لئے محدود تھی ، ان کی قابلیت کا فائدہ لوگوں کو نہیں ہوتا تھا، انھوں نے لوگوں کی خدمت نہیں کی، ہمیشہ قابل ولائق حکمرانوں کے دور میں ان کی خودغرضی کی وجہ سے رعیت بے بسی و بے چارگی میں وقت گزارتی ہے، پھر رفتہ رفتہ یہ حکومت کمزور ہوتی گئی، ترکی فوجیوں کی بداخلاقی، آمریت اور استبدادیت اسلحے

کے بل بوتے پر اپنے عروج پر تھی، ان سے اہل بغداد تنگ آ چکے تھے، اس دور میں لوٹ مار اور راہزنی اپنی انتہا پر پہنچی تھی، حتیٰ یہ فوجی رفتہ رفتہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے، اپنے موجودہ قائد سے تنگ ہوتے تو ایسے قائد کی تلاش کرتے جو ان کے موجودہ قائد کے ظلم و ستم کا انتقام لے۔ حکومت نا اہل ہوئی، امن و امان ختم ہوا، خبیث و نالائق لوگ منظر عام پر آئے، حکومت کے خلاف بغاوتیں شروع ہوئیں، ان میں مجوس و یہود حرکت میں آئے۔ غریب و نادار لوگوں کے دلوں میں مال دار و طاقت ور افراد کیلئے نفرت پیدا ہوئی، لوگ جھوٹے ہاشمی بننے لگے اور ایک دوسرے کو لوٹنے لگے، عورتوں کے زیورات چھیننے لگے اور ان سے بدتمیزی کرنے لگے خاص کر مسلمان عورتوں کو تنگ کرتے اور لوٹتے، یہاں سے تنگ آ کر خلیفہ آل بویہ کو لائے۔

۴۴۷ھ میں خلیفہ کی دعوت پر سلجوق طغرل بک بغداد میں داخل ہوا، ان کی حکومت ٦۵٦ھ تک یعنی عباسی حکومت کے خاتمے تک قائم رہی، انہوں نے ۲۰۹ سال تک حکومت کی، اس میں ۱۲ خلیفہ گزرے جن میں سے بعض کی خلافت ۷ سال اور بعض کی ۴۰ سال تک رہی۔ ان کی حکومت کو بہتر حکومت کہا جاتا ہے، مؤرخین ان کی حکومت کو عسکری حکومت ترکی و آل بویہ سے بہتر گردانتے ہیں۔

۲۴۷ھ سے ٦۵٦ھ تک بغداد میں امر و نہی اور تمام نظم و نسق حتیٰ خلیفہ کو بدلنے اور نیا خلیفہ لگانے کا اختیار فوجی قیادت کے پاس تھا۔ تین فوجی قیادتوں نے حکومت کی جن میں آل بویہ، ترک اور سلجوقی شامل تھے۔ یہاں اگر کوئی سوال پوچھے کہ خلافت بنی عباس کا زوال کب شروع ہوا تھا یا ان کے زوال کا مقدر کس کے قلم سے لکھا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس دن خلیفہ واثق نے خلافت اسلامی کی باگ ڈور اور نظم و نسق کے اختیارات سے دستبردار ہو کر اسے اپنے فوجی قائد اشناس کے سپرد کیا۔ فوجی قیادت جب

ملک کے نظم و نسق میں مداخلت کرتی ہے تو اس کا یہ نتیجہ حتمی ہوتا ہے، جس فوج کو یہود و ہنود و نصاریٰ سے لڑنا چاہیئے وہ اندرون خانہ رعیت سے لڑتی ہے، جس کے نتیجے میں ان کو رعیت کی نفرین ملتی ہے۔

جو لشکر عوام کی حمایت اور دعاؤں سے محروم ہوتا ہے وہ چاہے اپنی کتنی طاقت ظاہر کرے یا وہ کتنا ہی مسلح کیوں نہ نا کام ہوگا، خاص کر اسلامی ملکوں کی افواج جو دوسرے کی مخالفت لے کر ایک تو ملک کی حفاظت کی خاطر لڑے دوسرا اسلام سے دفاع کی خاطر لڑتی ہیں۔ پاکستان کی مسلح افواج اپنے عوام کی حمایت دوطرف سے لیتی ہیں ایک ملک دوسرا اسلام ہے لیکن بعض کو تشویش ہے کہ مسلح افواج بیرونی دشمن سے لڑنے کے لئے آمادہ ہیں اندرون ملک دہشت گردی سے لڑنے کے لئے بھی قدرت نمائی کرتی ہیں لیکن اسلام سے محاذ آرائی کرنے والوں کو کچھ نہیں ہوتا ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہم بندوق کی نوک والی استبدادیت کی بجائے لادینی، پدر مادر آزاد، ناموس و غیرت کو خیر باد کہنے والی اور ملکی خزانے سے سفر خرچ و جیب خرچ نکال کر مغرب وامریکا جا کر گانا گانے والیوں پر نچھاور کرنے والی جمہوریت کے حامی ہیں اور اس کے حق میں ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ کسی بھی ملک کی افواج کا اپنے محاذ سے شہروں کی طرف آنا اور شہری آسائشوں سے لطف اندوز ہونا درست نہیں کیونکہ اس طرح ان کا مجاہدانہ اور محافظانہ تقدس پامال ہوتا ہے اور وہ عوام کی دعاؤں سے محروم ہو جاتے ہیں، ان کا دل محاذ پر نہیں لگتا اور یوں اپنے ہی وطن اور عوام میں ان کی عزت و تکریم ختم ہو جاتی ہے حالانکہ وہ ان کی حفاظت و تحفظ کیلئے جان دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ہم استبداد کے خلاف نہیں لیکن فوجی استبدادیت کو قبول نہیں کرتے، ہم استبداد قانونی کے حامی ہیں، لیکن وہ قانون جو قوم پسند، مغرب پسند، الحاد پسند، دوہری شہریت والے، چور دروازے سے

اسمبلیوں میں آنے والے اور کلمہ وسورۃ نہ سنا سکنے والوں کا پاس کردہ ہو ہم اس قانون کے حامی نہیں ہیں، بلکہ قرآن وسنت نبی کریمؐ سے ماخوذ و استنباط کئے ہوئے اور ملک میں اعلیٰ پائے کی اسناد رکھنے والے دانشوروں، ماہرین اقتصادیات، ماہرین قانون اور ماہرین سیاسیات کے اتفاق سے طے پائے ہوئے قوانین کے داعی و حامی ہیں۔ہم بے غیرت و دھوکہ باز، آزادئ رائے اور خواہشات کے نام سے فحاشی وعریانی پھیلانے والی، آزادئ نسواں کے بل پیش کرنے والی جمہوریت کے بھی مخالف ہیں۔

تنزل کا دوسرا دن وہ تھا جب خلافت اسلامی کوسیکولرزم اور علمانیت میں منتقل کیا گیا۔ یہ دن ترکی میں خلافت عثمانیہ کے خاتمے اور اتاترک کے اقتدار سے شروع ہوتا ہے۔ مجھے صحیح علم نہیں کہ خلافت عثمانیہ کے خاتمے اور اتاترک کی حکومت کے قائم ہونے کے دن کو اہل ترکی خوشی کے دن کے طور پر مناتے ہیں یا نہیں، اگر مناتے ہیں تو اس سے زیادہ مصیبت کا دن کوئی اور نہیں ہوگا کہ مسلمان اپنے زوال اور نابودی کے دن کو خوشی سے مناتے ہیں لیکن ہمارے یہاں مسلمان اسلامی حاکمیت کے دن کو بہادر شاہ ظفر کی حکومت کے اختتام کو لیتے ہیں جب برطانوی استعمار نے اپنی حکومت قائم کی اور کفر والحاد اور سیکولرزم قائم ہوا، اس دن سے ہم سیکولرزم کے پرچم تلے ہیں لیکن ہمارے یہاں آئمہ، صوفیوں اور سیکولر حکمرانوں کی ولادت ووفات کے دن منائے جاتے ہیں، آئے دن چھٹیاں ہوتی ہیں اور اس ملک کے اسکالر اور روشن خیال انتہائی جذبے سے ان دنوں کو مناتے ہیں۔ مسلمانوں میں کسی دن کو خوشی کا دن قرار دینے اور اس دن اسراف وتبذیر، اقسام و انواع کی خرافات ولہولعب کے مظاہر کو ملک کی ترقی کا باعث سمجھتے ہیں۔ کسی دن کو مصیبت یا خوشی کے دن سے منانے کی کوئی منطق نہیں بنتی۔ اگر یہ جائز ہوتا تو اس دن کو سوگ منانا چاہیے تھا جب مسلمانوں میں عسکری حکومت اور

سیکولر حکومت کا قیام ہوا۔

تنزل کا تیسرا دن صوبائی خود مختاری دینے کا دن ہے۔ صوبائی خود مختاری کا اصلی و واقعی ترجمہ مرکز سے علیحدگی، حاکم کو بے دخل کرنے اور اپنی بادشاہت اور حاکمیت اعلیٰ قائم کرنے کی تمہید کا دن ہے۔ اسے ہمارے دانشور اور روشن خیال حلقے اپنے لئے باعث افتخار و عزت سمجھتے ہیں۔ تاریخ میں اگر اس کی شروعات دیکھنا چاہیں تو یہ ہمیں خلافت عباسیہ میں ملتا ہے۔ خلافت عباسی کا زوال اس دن سے شروع ہوا جب انہوں نے خوارزم شاہ کے استقلال کو تسلیم کیا۔ خوارزم نے اپنے استقلال کو قائم رکھنے کیلئے کفر و شرک کی حکومتوں کو خلافت اسلامی سے لڑنے کا مشورہ دیا۔ اس طرح خلافت عباسی کے آخری دور میں کئی استقلالی صوبے قائم ہوئے۔ ہر صوبے کا ایک سلطان ہوتا جو ہر معاملے میں خود مختار ہوتا تھا۔ انہی حالات نے ہلاکو کو جرأت دلائی اور وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوا اور اس نے صفحۂ ہستی سے خلیفہ و سلطان دونوں کو مٹا دیا۔

آج ہمارے بڑے بڑے سیاستدان، دانشور و مفکر فخر سے کہتے ہیں ہم نے صوبائی خود مختاری کا بل پیش کیا ہے حالانکہ یہ مملکت کی پراگندگی اور انتشار کا بل ہے۔

واثق نے ۲۴ ذی الحجہ ۲۳۲ھ کو مقامِ استسقاء میں وفات پائی۔ منجمین نے کہا آپ ۵۰ سال عمر کریں گے حالانکہ اُس کے بعد وہ دس دن بھی زندہ نہیں رہا اسکی خلافت ۵ سال ۹ مہینہ اور اس کی عمر ۳۲ سال تھی، واثق نے اپنے مرنے کے بعد خلافت کے لئے کوئی ولی عہد نہیں بنایا۔

۱۰۔ متوکل علی اللہ:۔

ان کا نام ''جعفر بن معتصم بن رشید لقب متوکل'' ہے ماں ''خوارزمہ شجاع'' ہے، انگوٹھی کا نقش ''المتوکل علی اللہ'' تھا۔ واثق نے کسی کو اپنا

ولی عہد نامزد نہیں کیا تھا کیونکہ ان کا بیٹا نابالغ تھا یا کوئی اور وجہ ہو بھائی کو نہیں کرنا چاہا تھا چنانچہ حکومت کے اکابرین احمد بن ابی داؤد، قاضی محمد بن عبدالملک، وزیر عمر بن فرج، احمد بن خالد وغیرہ جمع ہوئے اور نئے خلیفہ کے لئے نام پیش کئے، احمد بن ابی داؤد اور بعض دوسروں نے جعفر بن معتصم کا نام پیش کیا جو واثق کا بھائی تھا، محمد بن عبدالملک نے محمد ابن واثق کا نام تجویز کیا لیکن ان کے نام پر اس لیے اتفاق نہیں ہو سکا کہ وہ چھوٹا تھا جعفر بن معتصم پر اتفاق ہوا وہاں موجود لوگوں نے اس کی بیعت کی اور اسے متوکل کا لقب دیا پھر عام لوگوں نے بھی اس کی بیعت کی، یہ بیعت ۲۳۲ھ میں ہوئی اور ۲۴۷ھ تک متوکل کی خلافت قائم رہی۔ اس دوران اندلس میں عبدالرحمان بن حکم اور پھر اس کا بیٹا محمد والی رہے جبکہ مغرب میں محمد ابن علی ابن ادریس اور پھر ان کا بیٹا یحییٰ وہاں کے والی تھے افریقہ میں محمد ابن اغلب بن ابراہیم والی تھے اور پھر اس کا بیٹا والی بنا۔ متوکل کے دور میں یمن میں محمد بن عبداللہ بن ضیاد والی تھا اور پھر اس کا بیٹا ابراہیم والی بنا۔ خراسان میں آل طاہر سے محمد بن طاہر بن عبداللہ بن طاہر متوکل کے دور میں وزیر تھا۔ محمد بن عبدالملک الزیات جو کہ اس کے بھائی اور باپ کا وزیر رہ چکا تھا اس کو وزیر بنایا اور ان کے بعد محمد بن فضل بن جرجانی کو وزیر بنایا۔

جب خلافت پر بیٹھا تو اس نے معتزلہ کو کنارے پر لگایا سنت کو زندہ کیا بدعتوں کا خاتمہ کیا علماء کو قریب لایا۔ متوکل نے ۲۳۷ھ میں قبر امام حسین کو منہدم کرایا، اس کے گردونواح میں گھروں کو گرایا اور جس جگہ قبر امام تھی وہاں پر زراعت کرنے کا حکم دیا، زیارت سے منع کیا یہ حضرت علی سے بغض وعداوت رکھتا تھا اہل بغداد نے دیواروں پر اس پر لعنت لکھی۔ اس کے زمانے میں ۵۵ دن مسلسل بادسموم چلی جس سے تمام فصلیں جل گئیں متوکل اسے فال بد سمجھتے ہوئے ۲۴۳ھ میں دمشق منتقل ہو گیا۔ ۲۴۵ھ میں شدید

زلزلہ آیا پوری دنیا زلزلے کی لپیٹ میں آ گئی چشمے خشک ہو گئے۔

متوکل کا دور امام علی ہادی کا دور تھا آپ کے خلاف کسی نے شکایت کی چنانچہ وہ امام علی ہادی کو سامرہ لے گیا امام علی نقی بیس سال سامرہ میں رہے اور یہیں وفات پا گئے یہاں لانے کے بعد بھی امام کے خلاف شکایات کا سلسلہ جاری رہا اور کہا گیا کہ امام کے گھر میں اسلحہ ہے اور وہاں شیعوں کے خطوط آتے ہیں رات کو اچانک ان کے گھر پر حملہ کرتا تھا، وہاں امام کو سنگ ریزوں پر بیٹھ کر دعا میں مشغول دیکھتے ہیں، انہیں پکڑ کر رات کی تاریکی میں متوکل کے پاس لے گئے اس وقت وہ شراب پی رہا تھا۔ اس نے امام سے بھی شراب پینے کا کہا امام نے انکار کیا اور اسے عذاب آخرت سے ڈرایا اور غرور و تکبر سے باز آ جانے کا کہا یہاں تک کہ امام کے ناصحانہ انداز سے متوکل رو پڑا اور شراب اٹھانے کا حکم دیا، اس کے دور میں یحییٰ بن عمر علوی کو اسیر کیا گیا۔ اسی طرح اس کے دور میں ترک فوج کو تقویت ملی اور وہ حکومت پر غالب آ گئی، متوکل نے ان سے نجات حاصل کرنا چاہی لیکن ناکام رہا اس نے چاہا کہ ہر کسی کو دھوکہ دے لیکن ایسا بھی نہ کر سکا اسکے تمام حکومتی کارندے ترکوں کے ہاتھ میں کھیلتے تھے۔ متوکل کو حج پر جانے کا بھی شوق ہوا دوران سفر وہ ہر جگہ ترک افواج کو انتہائی کراہت سے دیکھنے لگا یوں اسے سامرہ چھوڑنا پڑا جو کہ اس نے رہائش کے لئے بنایا تھا چنانچہ وہ سامرہ سے دمشق چلا گیا، لیکن ترک بھی اس کے ساتھ دمشق پہنچ گئے پھر وہ سامرہ واپس آ گیا اور سامرہ کے پاس متوکلیہ کے نام سے ایک شہر بنایا پھر اسکے قتل ہونے کی افواہ پھیلائی گئی متوکل اپنے آباؤ واجداد کی طرح جدل و گفتگو کو پسند نہیں کرتا تھا بلکہ وہ تقلید اور سابقہ روایات و طور طریقوں کو باقی رکھنا پسند کرتا تھا لہٰذا وہ مامون اور واثق کے دور میں جو کچھ تھا وہ اسے ویسے ہی رکھنا چاہتا تھا گویا وہ بغیر کسی تبدیلی کے رسومات جاری رکھنا چاہتا تھا اس نے خلق قرآن کے مسئلے

کو بند کیا علماء و محدثین کو احادیث بتانے کی رغبت دلائی لوگ اس سے راضی وخوش ہو گئے گویا عام لوگ متوکل کے دور میں خوشی سے زندگی گزار رہے تھے اوراسکی خلافت کو اچھا سمجھتے تھے اس نے خلافت اپنے تینوں بیٹوں محمد منتصر، محمد معتز اور ابراہیم معتز میں تقسیم کر دی چنانچہ ۲۳۵ھ میں مملکت ۳ حصوں میں تقسیم ہوگئی، اس نے ہر بیٹے کو اپنی حکومت میں استقلال و استقرار کیلئے نسخے لکھے اور ہر بیٹے کو ایک نسخہ دیا۔ متوکل اپنے لہوولعب، شراب اور کباب کی محافل میں مستغرق رہتا تھا اس کی چار ہزار کنیزیں تھیں سب سے اس نے ہمبستری کی ایک کنیز ''قبیحہ'' ام ولد اس کی معشوقہ تھی اسی کے ساتھ وہ رات گزارتا تھا۔

اتراک (ترک) کے افراد نے محسوس کیا کہ متوکل ان کے ساتھ مکر و حیلے سے کام لے رہا ہے لہٰذا جس طرح انہوں نے اتیاج کو قتل کیا تھا اسی طرح متوکل کے قتل کی تیاریاں ہونے لگیں۔ بعض وزیر اسکے بیٹے منتصر کو اور بعض معتز کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ اتراک نے اس اختلاف کو غنیمت جانا اور منتصر کو پسند کرتے ہوئے اس سے دوستی کرنے لگے انہوں نے اسے خوف دلایا کہ خلافت اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی اور اسے اپنے باپ کو قتل کرنے کی تشویق دلائی چنانچہ ترکی کے دو آدمی قصر میں داخل ہوئے انہوں نے متوکل اور اس کے وزیر کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ ۲۴۷ھ میں رونما ہوا اس واقعہ کے ساتھ ہی ترکوں نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی کہ جن کے پاس نہ اخلاق تھا اور نہ دین، اس طرح خلیفہ کو قتل کرنے میں ولی عہد نے ترکوں کا ساتھ دیا اس مرتبہ خلیفہ کو قتل کرنے سے ترکوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ متوکل نے ۱۲ سال ۱۰ مہینے خلافت کی۔

۱۱۔ منتصر باللہ:۔

نام ''محمد'' کنیت ابوعبداللہ فرزند متوکل بن معتصم بن رشید، ان کی ماں

"رومیہ" کنیت اُم ولد تھی۔ ۲۲۲ھ میں سامراء میں پیدا ہوا اس کے والد متوکل نے ۲۳۵ھ میں ان کو ولی عہد بنایا، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد متوکل نے ان سے کہا کہ وہ ولی عہدی سے مستعفی ہو جائیں وہ ان کی جگہ دوسرے بیٹے معتز کو ولی عہد بنانا چاہتے ہیں لیکن منتصر تیار نہیں ہوئے تو متوکل نے ان سے نفرت کرنا شروع کی لوگوں کے سامنے ان کو تحقیر کرنا شروع کیا اس نے ترک فوجیوں سے مل کر متوکل کو قتل کیا۔ باپ کے قتل کے بعد یہ خلیفہ منتخب ہوا انگوٹھی کا نقش "انا من آل محمد، اللہ ربی" تھا۔ محمد بن متوکل کنیت ابوعبداللہ ہے اسکی ماں حبشی تھی اس کی خلافت کا اعلان رات کو اس وقت ہوا جب اسکے باپ کو قتل کیا گیا۔

محمد خوش چہرہ، متوسط قامت، خوشحال، صاحب عقل، کار نیک میں راغب انسان تھے۔ خاص کر علویین کے محسن تھے جبکہ اس وقت آل ابی طالب خوف و ہراس و مصیبت میں تھے، اس نے قبر امام حسین کو دوبارہ آباد کیا۔ اپنے باپ کے قتل کے بعد ۴ شوال ۲۴۷ھ میں سلطان منتخب ہوا، فوراً ہی فتح بن خاقان کو اپنے باپ کے قصاص میں قتل کیا۔ پہلے ترکوں سے محبت کرتے تھے اقتدار میں آنے کے بعد انھیں سبّ و شتم کرنے لگا انھیں قاتل خلیفہ کہا، احمد بن نصیب اور دو قائدین لشکر وصیف الترکی اور بغا الصغیر کو اپنے دو بھائی معتز اور موید کو ولی عہدی سے ہٹانے اور اپنے بیٹے عبدالوہاب کو ولی عہد بنانے پر زور دیا یہاں تک کہ وہ مان گئے۔ موید نے معزول ہونا قبول کیا جبکہ معتز نے انکار کیا لیکن موید کے سمجھانے پر راضی ہوا۔ منتصر ۵ ربیع الثانی کو چھ مہینے ایک دن کم خلافت پر رہنے کے بعد وفات پا گیا لیکن کیسے وفات پائے؟ اس میں اختلاف ہے۔ خلفائے بنی عباس میں صرف منتصر ہے جن کی قبر کو مکشوف رکھا گیا۔ منتصر عباسی گیارہویں خلیفہ بنی عباس بنے۔ ان کے ۲۴۷ھ سے ۳۳۴ھ تک بارہ خلیفہ گزرے ہیں منتصر سے

لے کر مستکفی تک بارہ خلفائے بنی عباس میں سے گیارہ خلفاء قتل ہوئے۔ منتصر سب سے ناتوان فوجی قیادت میں گزرنے والے خلیفہ تھے ان کے بعد ان کے چچازاد احمد بن معتصم ملقب مستعین باللہ بارہویں خلیفہ منتخب ہوئے۔

اقتدار بے پدر و مادر پسر والوں کی تلاش میں رہتا ہے:۔

حضرت علی نے فرمایا بہترین حکمران وہ ہے جس سے رعیت ڈرتی ہے رعیت کا حاکم سے ڈرنا دلیل ہے حاکم قانون کا پابند ہے بدترین حکمران وہ ہے جہاں حاکم رعیت سے ڈرتا ہے کہ کہیں رعیت ان کے خلاف نہ ہو جائے۔ تاریخ اقتدار میں دینداروں کا کردار کم رہا ہے اسی طرح دین و دیانت والے اقتدار سے بھی کرواہٹ رکھتے ہیں، عہدو پیمان اور شریعت ونجابت کو بھی نہیں جانتے ہیں۔ منصور دوانیقی نے اپنے چچا ولی عہد کو قتل کیا اپنے عزیز ولی عہد مہدی سے جھگڑا کیا کہتے ہیں اس کے مشیر نے بچایا۔ معتصم عباسی نے اپنے محسن مامون کے بیٹے کو زندان میں ڈالا، متوکل عباسی کو اس کے ولی عہد بیٹے نے مروایا۔ یہاں سے اقتدار کے لئے عزیز واقارب کا قتل مچھر مارنے جیسا ہوگیا، عصر حاضر میں باپ کو قتل کرنے والوں سے اقتدار کی خاطر دوستی کرلی جاتی ہے، ہندوؤں اور مسیحیوں سے دوستی کر کے اسلام و مسلمین سے خیانت کرنے میں ہر آئے دن اسلام کو پیچھے چھوڑنے پر اصرار کر رہے ہیں ہمارے ملک میں افراط وتفریط ہرج ومرج اور پریشانیوں کی بنیادی وجہ حکمرانوں کی بے پدری بے پسری بے وطنی اور بے دینی ہیں۔

۱۲۔ مستعین باللہ:۔

احمد بن محمد معتصم، ان کی ماں ام ولد نام ''مخارق'' تھا، منتصر کو قتل کرنے

کے بعد ترکوں نے ان کے بھائیوں کے انتخاب سے ڈر کر ان کو انتخاب کیا۔ مستعین نے اپنے فوجی قائد اتاش کو وزیر بنایا اور تمام امور ان کو تفویض کیے نیز اپنے بیٹے عباس کی تعلیم و تربیت بھی ان کے ذمہ لگائی، جس کی وجہ سے فوج کے دیگر قائدین کو حسد ہو گیا۔ انہوں نے مستعین کی سیاست پر تنقید کی تو مستعین ڈر کر سامراء سے بغداد منتقل ہوئے، فوج نے ان سے معذرت کی لیکن وہ نہیں مانے تو فوج نے بغداد میں آ کر زندان سے معتز اور ان کے بھائی موید کو چھڑایا۔ احمد بن محمد نے لمبی آستین پہننے کی سنت کو رواج دیا۔ کہتے ہیں یہ تین میٹر آستین رکھتا تھا ٹوپی کو چھوٹا کیا پھر اس نے اپنے آپ کو خلافت سے معزول کیا اور معتز متوکل کے لئے خطبہ دیا گیا، مستعین کو قصر حسن بن وہب واسط میں منتقل کیا گیا اس کے لئے نگہبان لگایا اور اسے اور اس کے وزیر کو قید کر دیا گیا وہ نو مہینے قید رہا اس کے بعد اسے زہر دے دیا گیا۔ ۲۵۲ھ میں اس کا سر معتز باللہ کے پاس لایا گیا جب وہ قمار بازی میں مصروف تھا اس نے کہا مجھے فارغ ہونے دو شطرنج ختم ہونے کے بعد اسکی طرف دیکھ کر کہا اسے دفنا دو اس کی خلافت دو سال ۹ مہینے رہی یہ ۳۱ سال کی عمر میں مر گیا۔

۱۳۔ معتز باللہ:۔

نام ''محمد'' کنیت ابو عبداللہ بن متوکل بن معتصم بن رشید، ۲۳۲ھ میں پیدا ہوا ان کی ماں کا نام ''قبیحہ'' ام ولد ''جاریہ رومیہ'' تھیں۔

۱۹ سال کی عمر میں خلیفہ بنا جب مستعین باللہ کو ۲۵۲ھ میں خلافت سے معزول کیا تو محمد بن متوکل کے لئے بیعت لی گئی اس وقت تک بنی عباس میں اس سے پہلے اتنی کم عمری میں بیعت لینے والا کوئی خلیفہ نہیں بنا، صاحب حسن خلق و حسن سیرت تھا، معتز پہلا شخص ہے جس نے خلیفہ کی سواری پر سونے کی زین لگانے کو رواج دیا۔ اس کی خلافت کے دور میں سلطان ''آشناس

''مر گیا جسے واثق نے سلطان بنایا تھا اس کے پاس ۵ لاکھ دینار تھے اس پر معتز نے قبضہ کیا اور اس کی جگہ پر محمد بن عبداللہ بن طاہر کو سلطان بنایا پھر ان کو معزول کر کے اپنے بھائی کو سلطان بنایا ان کے سر پر سونے کے جواہر سے مزین تاج رکھا اور دو تلواریں دیں پھر اسے ہٹا کر بغا الصغیر شرابی کو تاج سلطانی پہنایا۔

معتز ترکوں سے مغلوب و مقہور تھے ترکوں کے بعض گروہ ان کے پاس آئے اور ان سے کہا یا امیر المومنین ہماری دولت ہمیں دے دیں تا کہ ہم تمہارے لئے صالح بن وصیف کو قتل کریں معتز صالح بن وصیف سے ڈرتا تھا۔ چونکہ معتز اس سے ڈرتا تھا اس نے ماں سے کہا انھیں مال دے دیں لیکن ماں نے انکار کیا پھر ان لوگوں نے صالح بن وصیف کو لیکر اس کے گھر پر ہجوم کیا اور اسے مارا پیٹا اس سے کہا خلافت سے خود کو ازل کرو پھر محمد بن واثق کو بغداد سے بلایا خلافت اس کے سپرد کی اور اس کی بیعت کی۔ پھر معتز کو حمام میں قید کیا اور پانی سے منع کیا بالآخر وہ وہاں ہی شعبان ۲۵۵ھ کو مر گیا۔ ان کی ماں پکڑی گئی تو اس نے رہائی کیلئے صالح بن وصیف کو کثیر مال دیا صالح نے جب اتنی دولت دیکھی تو اس پر لعنت بھیجی کہ اپنے بیٹے کو دولت کیلئے قتل کروایا۔ اس کے بعد اس نے تمام مال پر قبضہ کیا اور اسے مکہ بدر کیا معتز نے چار سال چھ مہینے خلافت کی۔

۱۴۔ مہتدی باللہ:۔

محمد بن ہارون ابن عم معتز، ان کی ماں ام ولد تھی نام ''وردہ'' تھا ۲۰۹ھ میں سامراء میں پیدا ہوئے کنیت ابو عبداللہ تھی وہ بغداد میں رہتے تھے کیونکہ معتز نے انہیں بغداد میں تبعید کیا تھا جب قائدین لشکر معتز پر ناراض ہوئے تو ان کو بغداد سے لایا گیا تو معتز نے بیعت لینے سے انکار کیا، یہاں تک کہ معتز کو جب سامنے لایا گیا تو مہتدی نے اٹھ کر معتز کو خلیفہ کہہ کر سلام کیا اور اسکے

پہلو میں بیٹھا۔ یہاں تک گواہان کو لایا گیا جنہوں نے معتز کے فسق و فجور پر گواہی دی اور کہا کہ وہ خلافت نہیں چلا سکتے ہیں معتز نے بھی اعتراف کیا پھر لوگوں نے مہتدی کی بیعت کی ان کی بیعت ۲۵۵ھ میں ہوئی۔

جب وہ خلیفہ بنے تو آلات لہو وغناء اور محافل سماء وغناء اور شراب سب کو بند کیا مغنیات کو بغداد سے نکلنے کا حکم دیا منکرات کو ختم کرنے کا حکم دیا کھلے عام لوگوں کے سامنے بیٹھتے تھے لوگوں کے شکوہ شکایت سنتے رفع مظالم کرتے تھے، انہوں نے کہا میں اللہ سے شرم کھاتا ہوں کہ بنی عباس میں عمر بن عبدالعزیز جیسا خلیفہ نہیں آیا۔ پابند صوم وصلاۃ تھے رمضان میں افطار خالی روٹی سرکہ زیتون سے کرتے، دفتروں کی سختی سے نگرانی کرتے، بہت سے رؤسا کو انہوں نے تازیانے مارے، امراء ان کی سختیوں سے شکایت کرتے تھے انہوں نے باکیان کو لکھا ترک کے دو امراء موسیٰ یا مفلح میں سے کسی ایک کو قتل کرے اور خود پورے ترک پر امیر ہو جائے باکیان نے موسیٰ کو بلا کر کہا میں اس پر خوش نہیں ہوں ان کا رویہ ہم سب سے ایسا ہے۔ یہ سب ان کے پاس آئے اور خلیفہ کے ساتھ مقابلہ کیا اس نے ایک دن میں ترکوں کے چار ہزار افراد کو قتل کیا۔

یہاں تک خلیفہ کے لشکر نے شکست کھائی انھوں نے رجب ۲۵۶ھ میں وفات پائی انہوں نے ۱۵ دن کم ایک سال حکومت کی ان کی عمر ۴۲ سال تھی۔

۱۵۔ معتمد علی اللہ:۔

ان کا نام ”احمد“ کینت ابو العباس یا ابو جعفر بن متوکل بن معتصم ہے، ان کی ماں کا نام ”فیتان“ ہے، ۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے ان کی انگوٹھی کا نقش ”المعتمد علی اللہ“ تھا اپنے چچازاد بھائی مہتدی کی وفات کے بعد خلیفہ بنا۔ ۲۳ رجب ۲۵۶ھ میں اس کی بیعت ہوئی۔ اس کی خلافت کا طویل دور

۲۷۹ھ تک قائم رہا اور اس نے بائیس سال ۱۱ ماہ ۲۷ دن خلافت کی۔
جب مہتدی کو معزول کیا گیا تو اس وقت معتمد زندان میں تھا اسے نکال کر اس کی بیعت کی گئی معتمد لہو ولعب میں محو اور رعیت سے روگرداں تھا لوگوں نے اسے ناپسند کیا اور اس کے بھائی طلحہ کو امیر بنایا اس کے دور خلافت میں بصرہ میں داخل ہوا انہوں نے وہاں ویرانی و بربادی قتل و غارت گری کی ان کے درمیان بہت بڑی جنگ ہوئی جب تھوڑی دیر وقفہ ہوا تو ایک دیوار گرنے سے بہت سے لوگ مرے۔ زنجیوں کے ساتھ جنگ جاری رہی۔ اس میں زنج کے سرکردہ زنج منہوس جس کا نام بحبوس ہے جو دعویٰ کرتا تھا کہ اللہ نے اسے رسول بنا کر بھیجا ہے وہ غیب جاننے کا دعویٰ بھی کرتا تھا اس نے ایک لاکھ سے زائد لوگوں قتل کیا وہ منبر پر جاتا اور عثمان، علی، معاویہ، طلحہ و زبیر اور عائشہ سب کو سبّ کرتا تھا۔ جب اس کو قتل کر کے اس کا سر بلند نیزہ پر بغداد میں لایا گیا تو بغداد شہر کو سجایا گیا لوگوں نے خلیفہ کیلئے دعا کی شعراء نے ان کی مدح کی لوگ اپنے شہروں میں واپس گئے اس سال حجاز عراق میں عجیب سی قحط سالی آئی ایک کلو گندم پچاس دینار کی ہوگئی۔ ۲۶۵ھ کو لشکر روم نے دیار بکر پر حملہ کیا۔ اسی سال عربوں نے کعبہ کے استار پر حملہ کیا، ۲۷۸ھ میں قرامطہ نے کوفہ میں خروج کیا۔ معتمد ۲۷۹ھ کو اچانک مر گیا۔

۱۶۔ معتضد باللہ:۔

احمد بن طلحہ بن متوکل بن معتصم اس کی ماں کا نام صواب تھا جو رومیہ تھی ذی القعدہ ۲۴۲ھ میں پیدا ہوا جس دن اس کے باپ معتمد نے وفات پائی اس دن اس کے لئے بیعت لی گئی۔ اپنے امور خلافت میں مستقل تھا صاحب رعب و صاحب عقل تھا۔ شیر سے تن تنہا مقابلہ کرتا تھا اپنی ہدایت اور احکامات میں مستقل تھا اسکا دور پر امن اور راحت سے گزرا بہت سے ٹیکسوں سے چھوٹ دی عدل و انصاف کو رواج دیا، مظالم کو رعیت سے دور کیا اسے

سفاح ثانی کہتے تھے قتل متوکل کے بعد جو اضطراب پیدا اسے اُس نے ختم کیا۔

اپنے باپ معتمد کا معاون و مدد گار تھا اپنے باپ کی وفات کے بعد خلیفہ بنا اس کی وفات ۲۸۹ھ میں ہوئی اس نے ۹ سال ۹ ماہ ۳ دن خلافت کی اس کے زمانے میں اندلس میں عبداللہ بن محمد والی تھا۔اس نے اپنے پہلے سال میں کتب فروشوں کو کتب فلسفہ فروخت کرنے سے منع کیا قصہ گویان اور منجمین کو راستوں میں بیٹھنے سے منع کیا اس نے وصول خراج کو نیروز و مہرمان میں لینے سے منع کیا اس کے دور میں عراق میں قرامط نکلے انہوں نے تمام محرمات کو حلال قرار دیا تھا۔

۲۸۵ھ میں ایک خط اردبیل سے آیا چاند گرہن شوال میں ہونے والا ہے دنیا عصر تک تاریک ہو جائے گی ایک تاریک آندھی چلی جو رات کی ایک تہائی تک چلی پھر ایک زلزلہ آیا جس نے پورے شہر کو ہلایا ایک لاکھ پچاس ہزار آدمی مرے اسی سال رے کے دریا میں پانی خشک ہوا طبرستان میں پانی کا قحط ہوا کہتے ہیں پانی تین رتل ایک درہم میں فروخت ہوتا تھا قحط سالی آئی تو لوگوں نے مردار کھانا شروع کیے۔اس سال معتضد نے مکہ میں دارندوہ کو گرا کر مسجد میں شامل کیا اس سال آسمان پر ایک سرخی نمودار ہوئی۔۲۸۶ھ کو بحرین میں ابوسعید قرمطی نے حجر اسود کو اکھاڑا اسکے لشکر اور خلیفہ کے درمیان جنگ چھڑی قرمطیوں نے بصرہ پر حملہ کیا اور خلیفہ کے لشکر کو کئی بار شکست دی۔معتضد کا اپنی بعض بری عادات کے باعث مزاج خراب ہو گیا اس نے یکم ربیع الآخر ۲۹۰ھ کو وفات پائی۔

مسعودی لکھتے ہیں لوگ اسکی موت کے بارے میں شک کرتے تھے طبیب کو لایا گیا، وہ ان کی رگ کو دیکھنے لگے تو اس نے آنکھ کھولی، طبیب نے اپنا پاؤں مارا تو اس نے اپنا پاؤں مارا جس پر طبیب مر گیا پھر معتضد بھی اسی

وقت مرا، اس وقت اس کی عمر ۴۶ سال تھی اس کی خلافت نو سال نو مہینہ رہی اس نے چار بیٹے اور گیارہ بیٹیاں چھوڑیں۔

۱۷۔ مکتفی باللہ۔

علی بن احمد بن موفق بن متوکل، اس کی ماں ''جیجک'' ام ولد ترکیہ سے تھی اپنے باپ معتضد کے مرنے کے بعد باپ کی وصیت کے مطابق یہ ۲۲ ربیع الاوّل ۲۸۹ھ کو خلیفہ بنا اور ۲۹۵ھ تک خلافت پر رہا اس کا دور خلافت چھ سال ۶ ماہ ۱۹ دن پر محیط تھا اس کے دور خلافت میں مغرب میں ''یحیٰی ابن ادریس بن عمر'' والی تھا، مکتفی کے دور میں قرامطہ نے شام، عراق اور بحرین میں اپنی تخریبی سرگرمیاں تیز کر دیں مسافروں کو راستے میں لوٹتے اور قتل و غارت کرتے تھے قرامط نے ۲۸۹ھ سے ۲۹۰ھ تک ملک میں قتل و غارت گری کا بازار گرم رکھا تھا۔ ۲۹۴ھ میں خراسان اور عراق کے حاجیوں کا راستہ روک کر انہیں لوٹ لیا اور اکثر حاجیوں کو قتل کر دیا۔ خلفاء میں علی کے نام سے یہ اور علی بن ابی طالب ہیں۔ جب خلافت اسے ملنے والی تھی تو وہ بغداد سے باہر رقہ میں تھا وہاں سے بغداد آیا اور راستہ میں دجلہ سے گزرتے ہوئے حکم صادر کیا کہ جن کے حقوق ہیں انھیں واپس کریں نیک سیرت پر رہے۔ انکے دور میں بغداد میں ایک شدید زلزلہ آیا اسی طرح ایک طوفان آیا جس سے کھجور وغیرہ کے درخت گر گئے۔ ۲۹۰ھ میں دجلہ میں سیلاب آیا جس سے بغداد ڈوب گیا۔

سولی نے لکھا ہے جب مکتفی کا احتضار قریب آیا تو وہ کہتے تھے مجھے کسی چیز پر افسوس نہیں سوائے اس کے کہ میں نے سات لاکھ دینار مال مسلمین سے خرچ کئے میں اس سے بے نیاز تھا مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے اس بارے میں سوال ہو گا میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں یہ ایک نوجوان

خلیفہ تھا مکتفی نے ۳۴ سال کی عمر میں ۱۲ ذی القعدہ ۲۹۵ھ کو وفات پائی۔

۱۸۔ مقتدر باللہ۔

مکتفی باللہ کے بعد ''جعفر بن احمد المعتضد'' بلقب مقتدر باللہ، مکتفی کا بھائی خلیفہ بنا اس کی ماں ''شغب'' ام ولد تھی یہ ۲۸۲ھ میں پیدا ہوا اور اپنے بھائی مکتفی کی وفات کے بعد خلیفہ بنا، مکتفی نے مرنے سے پہلے کسی کو اپنا ولی عہد نہیں بنایا تھا، بعد میں وزیروں میں سے عباس بن حسن، ابو عبداللہ محمد بن داؤد جراح، ابوالحسن محمد ابن عبداللہ، اور علی بن محمد بن فرات اور علی ابن عیسیٰ نے مشورہ کیا، محمد ابن داؤد نے عبداللہ بن معتز کو خلیفہ بنانے کا کہا اور ''بن فرات'' نے ''جعفر ابن مقتدر'' کا نام پیش کیا لیکن وہ کم سن تھا اور اس کی عمر صرف ۱۳ سال تھی وزیر عباس ''بن فرات'' کے مشورے سے متفق ہو گیا اور ''جعفر بن مقتدر'' کو بطور خلیفہ منتخب کر لیا اور اس کی بیعت کر لی لیکن اس کی کم سنی کی وجہ سے لوگ اس پر راضی نہ ہوئے پھر قائدِ لشکر عباس بن حسن کے ساتھ مشورہ کے بعد مقتدر کو معزول کر دیا گیا اور عبداللہ بن معتز کو خلیفہ بنا دیا، کیونکہ مقتدر کے ساتھ لشکر والے تھے چنانچہ یہ لوگ اسلحہ اور لشکر کے ساتھ عبداللہ بن معتز کے گھر چلے گئے انہیں دیکھ کر ابن معتز اور وزیر محمد بن داؤد چھپ گئے تو مقتدر نے لشکر کے ذریعے باقی لوگوں پر قبضہ کر لیا اور ان سب کو قتل کر دیا اور ابن فرات کو اپنا وزیر بنا دیا۔ مقتدر علی بن معتز سے صلاح و مشورہ کرتا تھا۔

جیسا کہ تاریخ قیوم جلد ۵ ص ۲۲۰ پر آیا ہے کہ بنی عباس میں اس وقت یہ سب سے کم عمر خلیفہ تھا۔ یہ چودہ سال کی عمر میں مکتفی باللہ کے بعد خلیفہ بنا۔ اس نے ایک قصر تعمیر کرایا' اس وقت بادشاہ روم نے اپنا سفیر ایک وفد کے ساتھ اس کے پاس بھیجا، خلیفہ اس وقت قصر کی تزئین و آرائش کرانے میں مصروف تھا۔ لہٰذا وفد کو نئی جگہ پر توقف دی گئی۔ جب انہیں قصر میں بلایا گیا تو

اس جگہ سے قصر تک راستے میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار سوار و پیادہ فوجیوں کو رکھا گیا اس راستہ کو قیمتی پتھروں کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ اسی طرح دجلہ کو عبور کرنے کے لئے انواع واقسام کی مزین کشتیاں استعمال کی گئی تھیں۔ دجلہ سے قصر تک کئی توقف گاہیں بنائی گئی تھیں۔ استقبال کرنے والوں کو ایک خاص طریقے سے ترتیب دیا گیا تھا' سونے چاندی سے آراستہ گھوڑوں پر فاخرہ لباس پہنے ہوئے سواروں کے ذریعے استقبالیہ دیا گیا۔ ان کے بعد نوکروں اور ملازمین کا گروہ تھا جن کے ہاتھوں میں ڈھول، دف اور تلواریں تھیں۔ پہلا حاجب سونے اور چاندی میں ڈوبا ہوا تھا۔ سفیر روم پر اتنا رعب طاری ہوا کہ اس نے سمجھا شاید کہ یہی خلیفہ ہے پھر وفد کو ایک وزیر کی قیام گاہ پر رُکوایا گیا تو پھر سفیر نے سمجھا کہ شاید یہ بادشاہ ہے اس سے کہا گیا کہ یہ بادشاہ نہیں وزیر ہے۔ پھر آگے ایک جگہ پر لے جایا گیا کہ جہاں ایک درخت چاندی کا بنایا گیا تھا جو پانچ لاکھ درہم سے بنا ہوا تھا، اس درخت پر چاندی کے پرندے بھی بنائے گئے تھے۔

یہ اس خلیفہ کی زندگی کے تعیّش بھرے لمحات کا ایک گوشہ تھا۔ اس کو مستعصم باللہ کے حوض کے نیچے دبے سونے سے ملائیں اور متوکل عباسی کے نئے قصر کا اضافہ بھی کریں اسی طرح خلیفہ ہارون الرشید کا کہنا تھا کہ بادل اس کی سلطنت سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ان کے انتہائی تعیّش کے بعد ان کے سقوط و زوال میں کیوں دیر ہوئی یہ اپنی جگہ ایک سوال ہے جس کا جواب فرمان امیر المومنین علی ہے کہ اگر ظالم کو مہلت دی جاتی ہے تو وہ ظلم کے حساب سے فرار حاصل نہیں کرسکیں گے سونے چاندی سے مجسم درخت دشمنوں سے نہیں لڑتے دشمن سے انسانوں نے لڑنا ہوتا ہے۔

مقتدر کی قرامطہ سے جنگ:۔

مقتدر کے زمانے میں رئیس قرامطہ ''ابوسعید حسن بن بہرام جنابی'' کو

۳۰۱ھ میں قتل کر دیا گیا تو انہوں نے اس کے بعد اس کے بیٹے "ابو طاہر سلمان سعید جنابی" کو رئیس قرامطہ بنایا وہ بار بار بصرہ پر حملہ آور ہوتا تھا، ۳۱۱ھ میں وہ آٹھ ہزار نفوس پر مشتمل لشکر لیکر بصرہ میں داخل ہوا اور وہاں قتل عام کیا وہ وہاں سترہ دن تک رہا اس دوران مال و دولت، بچے عورتیں غرض جو کچھ اس کے ہاتھ لگا اس نے لوٹ لیا اور بحرین واپس چلا گیا پھر حاجیوں کی گزرگاہ پر جا کر حاجیوں کا راستہ روک لیا ان کے مال و دولت کو لوٹا اور اکثر حاجیوں کو قتل کر دیا اور قتل سے بچ جانے والے حاجی یا تو بھوک پیاس سے مر گئے یا انہیں اسیر کر لیا گیا۔ مقتدر نے اسے خط لکھا کہ اسیروں کو چھوڑ دو تو اس نے مقتدر سے بصرہ اور کوفہ کی حکومت مانگی لیکن مقتدر نے اس کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا پھر وہ کوفہ میں داخل ہو گیا اور لشکرِ خلیفہ پر غلبہ حاصل کر لیا چھ دنوں تک وہ کوفہ میں رہا وہ دن کو کوفہ میں رہتا اور رات کو سونے کے لئے واپس لشکر میں جاتا تھا وہ جو کچھ وہاں سے اٹھا سکتا تھا اٹھا لیا اور واپس بحرین چلا گیا۔ ۳۱۵ھ میں ابو طاہر دوبارہ کوفہ کی طرف آیا اور خلیفہ نے جو کچھ وہاں تیار کر کے رکھا تھا اس پر قبضہ کر لیا قرامطہ کی مسلسل فتح و کامیابی کیوجہ سے اکثر لوگوں نے قرامطہ کو اپنایا۔ ۳۱۷ھ میں حج کے موقعہ پر ابو طاہر مکہ چلا گیا وہ ۸ ذوالحجہ کو مکہ میں پہنچا اور کعبہ و مکہ کا ذرہ برابر بھی احترام نہیں کیا تمام حجاج کرام کو لوٹ لیا اور مسجد حرام میں جتنے حاجی تھے ان سب کو قتل کر دیا خانہ کعبہ کے دروازے کو اکھاڑ دیا اور حجر اسود کو اکھاڑ کر بحرین بھیج دیا اور حاجیوں کے قتل کے بعد بہت سے حاجیوں کو آب زم زم کے کنویں میں پھینک دیا اور بہت سوں کو مسجد حرام میں دفنا دیا پھر شہر مکہ کے تمام گھروں کو لوٹ لیا اس نے مکہ مکرمہ کی حرمت کو جس بیدردی اور ظالمانہ انداز سے پامال کیا اس کی تاریخ میں نہ تو پہلے مثال تھی اور نہ ہی بعد میں ایسی کوئی مثال ملتی ہے یہاں تک کہ جب عبید اللہ فاطمی کو پتہ چلا کہ لوگ اس ظلم و ستم اور

کافرانہ رویے کیوجہ اسمٰعیلی فرقہ سے بدظن ہو کر ہمیں کافر کہنے لگے ہیں تو اس نے حجر اسود کو واپس لا کر اپنی اصلی جگہ پر لگایا، کعبہ پر پردہ چڑھایا اور غارت گری اور لوٹ مار سے حاصل کیا گیا مال و سامان واپس لوٹانے کا حکم دیا اور کہا اگر تم میرا یہ حکم نہیں مانو گے تو میں تم سے دنیا و آخرت میں بری ہوں چنانچہ اس طرح حجر اسود بھی اپنی اصل جگہ پر واپس لایا گیا اور لوگوں کا لوٹا ہوا مال بھی واپس کر دیا گیا۔ مقتدر کو اپنے دور حکومت میں دو مرتبہ معزول کیا گیا آخر میں اس کو قتل کر دیا گیا اس کی عمر ۳۸ سال تھی، اس کی مدت خلافت ۲۵ سال تھی۔

۱۹۔قاہر باللہ:۔

نام ''محمد'' کنیت ابو منصور بن معتضد بن موفق بن متوکل ان کی ماں ام ولد ''بربریہ'' تھی ان کا نام ''فتنہ'' تھا، اپنے بھائی مقتدر کے قتل کے بعد ۲۸ شوال ۳۲۰ھ کو خلیفہ بنا یہ ایک غصہ والا خونخوار اور برے کردار کا حامل تھا۔ ہاتھ میں ایک عصا رکھتا تھا۔ اس کا نقش خاتم ''یا عملی اختم بخیر عملی'' تھا جب خلیفہ بنا تو آل مقتدر کو گرفتار کیا اور انھیں دردناک سزا دی اور اپنے بھائی مکتفی باللہ کے بیٹے کو گرفتار کیا اسے ایک گھر میں رکھا اس پر دیوار کھینچی یہاں تک وہ اس میں مر گیا۔

مقتدر کی ماں کو بھی گرفتار کیا ان سے مال طلب کیا جو اس کے پاس نہیں تھا ان کو بھی مارا اور الٹا لٹکایا۔ اس نے کہا افسوس میں تمہاری ماں نہیں ہوں کتاب الٰہی میں تم میرے بیٹے نہیں ہو تو مجھے اسطرح سے عقاب دیتے ہو میرے پاس کوئی مال نہیں وہ اسی اذیت میں مر گئی۔ ابن مقلہ اسکا کاتب تھا جو بہت جود و سخاء کا مالک تھا جس نے خط کوفی کو رائج خط میں تبدیل کیا تھا۔ اس نے قاہر کو زندان میں ڈالا تھا کتاب تاریخ مسعودی میں آیا ہے ابن مقلہ نے قاہر کو گرفتار کیا اسے دردناک عذاب دیا خلافت سے معزول کیا اس سے

کہا تمام مال ہمارے حوالے کرو اس نے دروازہ کھول کر بھاگنا چاہا مگر اسے گرفتار کر کے دار الخلافہ لے گئے وہاں اس کی آنکھیں نکالیں اور بعد میں قتل کر دیا گیا۔ ۵ جمادی الاوّل ۳۲۲ھ کو خلافت سے معزول ہوا اس کی خلافت کی مدت ایک سال چھ ماہ چھ دن بنتی ہے۔ (اخبار دول ج ۲ ص ۱۴۱)

۲۰۔ راضی باللہ:۔

ابو العباس محمد بن جعفر المقتدر ''الراضی باللہ'' ان کی ماں ام ولد تھی اس کا نام ''ظلوم'' تھا یہ ۲۹۷ھ کو پیدا ہوا ۵ جمادی الاول کو ۳۲۲ھ کو خلیفہ بنا جب قاہر کو قتل کیا گیا تو لشکر نے ابو العباس احمد اور اس کے والد جو زندان میں تھے انھیں وہاں سے نکالا اور انہیں خلیفہ کے عنوان سے سلام کیا اور انہیں خلافت کے منصب پر بٹھا دیا اور اسے راضی کا لقب دیا اور تمام سربراہان لشکر نے اس کی بیعت کی۔

راضی کے دور خلافت میں اضطراب بڑھ گیا بغداد میں برسر اقتدار افراد حکومتی مناصب کیلئے ایک دوسرے کے مقابلے میں مکر و فریب سے ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ اس سے بنی عباس کی حکومت رفتہ رفتہ کمزور ہوتی گئی لیکن عبد الرحمٰن ناصر نے ہمت سے کام لیا اس طرح مغرب میں بھی حکومت عبیدی (فاطمیہ) قوی ہوگئی جو بعد میں مصر پر مسلط ہوئی۔ اس وقت روم نے ارادہ کیا کہ حکومت اسلامی کو ٹکڑے ٹکڑے کرے، اہل بغداد ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں انھیں باہر کی کوئی خبر نہیں تھی۔ ان کے پاس سب سے اہمیت والی بات راضی کی حکومت تھی اس کے وزیر ابن مقلہ اور حاجب محمد بن یاقوت کی بات مانی جاتی تھی۔ ۳۲۳ھ کو وزیر بن مقلہ نے دیکھا کہ ابن یاقوت ملک پر مسلط ہو رہا ہے اور اس کی حکومت پورے ملک میں جڑ پکڑ رہی ہے اس طرح اس کیلئے کچھ نہیں بچ رہا تو اس نے راضی سے مل کر سازش کی، ابن یاقوت کو پکڑ لیا اسے اور اس کے بھائی مظفر بن یاقوت کو زندان

بھیجا۔ محمد بن یاقوت زندان میں مر گیا وزیر ابن مقلہ نے اس کے بھائی کو رہا کر دیا اور اس سے عہد و پیمان لیا کہ اس کے ساتھ خیانت نہیں کرے گا اس کے خلاف کوئی سازش نہیں کرے گا۔ مظفر نے سمجھ لیا ابن مقلہ نے اس کے بھائی کے خلاف سازش کی تھی تو اس نے لشکر سے اتفاق کیا کہ مقلہ کو گرفتار کریں، اور راضی نے بھی اسے پسند کیا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن ابن عیسیٰ نے اپنے بھائی علی ابن عیسیٰ کو وزیر بنایا جب عبدالرحمٰن نے دیکھا فساد بڑھ رہا ہے تو وہ وزارت سے دستبردار ہو گیا اس طرح حالات بگڑ گئے اور محمد ابن رائق جو خراج بغداد بھیجتا تھا وہ بند کر دیا۔ بریدی جو والی اہواز تھا اس نے خراج بھیجنے سے انکار کیا آل بویہ فارس پر غالب آ گئے۔ راضی نے سلیمان ابن حسن کو وزیر بنایا عہد راضی میں مصر میں دولت اخشید یہ قائم ہوئی محمد اخشید بن شخص مولا آل طولون کی حکومت قائم ہوئی اس کی حکومت مصر میں ۳۵۸ھ سے شروع ہوئی پھر فاطمین نے حکومت حاصل کر لی۔ اخشید کے خاندان سے یہ لوگ بادشاہ رہے:

۱۔ محمد اخشید بن طغج ۳۲۳ھ سے ۳۳۴ھ تک،
۲۔ ابوالقاسم انوجور بن اخشید ۳۳۴ھ سے ۳۴۶ھ تک،
۳۔ ابوالحسن علی بن اخشید ۳۴۶ھ سے ۳۵۵ھ تک،
۴۔ ابوالمسک کافور مولی اخشید ۳۵۵ھ سے ۳۵۷ھ تک،
۵۔ ابوالفوارس احمد بن علی بن اخشید ۳۵۷ھ سے ۳۵۸ھ تک۔

راضی کے دور خلافت میں اضطراب بڑھ گیا داخلی جنگ کا سلسلہ شروع ہوا جہاں امراء ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے باہر سے رومیوں کا ہجوم تھا اندر میں فرقہ ''حنابلۃ'' نکلے جو خدا کے لئے جسمانیت کے قائل تھے، اس دور میں قرامطہ کے درمیان میں جنگ وقتال شروع ہوئی وہ ایک دوسرے کے دست و گریبان ہو گئے۔ اس کے زمانے میں مغرب میں عبیدا

للہ مھدی وفات پا گیا اس کی جگہ پر ابولقاسم حاکم بنا، اس کے بعد اس کے بیٹے قاسم محمد نے مصر پر حملہ کیا لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکا۔

۲۱۔ متقی باللہ:۔

''ابراھیم المتقی باللہ بن المقتدر بن ابی احمد الموافق طلحہ بن متوکل'' ماں ام ولد ''حلوب'' ۲۰/ربیع الاول ۳۲۹ھ کو خلیفہ بنا، ۳۳۳ھ تک خلافت کی ان کے دور میں عنان حکومت ان کے وزیر ابن عبداللہ کوفی کے ہاتھ میں تھی خلیفہ برائے نام تھا اور کوئی مداخلت نہیں کرسکتا تھا۔

اخبار دول ج ۲ ص ۱۴۸ ابراہیم بن اسحاق بن مقتدر ان کی ماں حلوب تھی اپنے بھائی راضی کی موت کے بعد ۴۴ سال کی عمر میں وفات پائی وہ دیندار انسان تھے پابند صوم وصلاۃ وتہجد تھے شراب نہیں پیتے تھے ان کا صرف نام تھا تدبیر کسی اور کی تھی ۳۳۳ھ کو بغداد میں قحط سالی آئی ایک من گندم ۱۱۶ دینار تک پہنچی قحط کی وجہ سے لوگ مردار کھاتے تھے توزون الترکی بغداد پر مسلط ہوئے اور متقی کو خلافت سے عزل کیا، ان کی آنکھ نکالی اور خلافت ان کے چچازاد بھائی مستکفی کو دی اور انھیں ایک جزیرہ میں جلاوطن کیا۔ اس نے وہاں وفات پائی انہوں نے تین سال گیارہ مہینہ خلافت کی۔

۲۲۔ مستکفی باللہ:۔

نام عبداللہ بن علی المکتفی ملقب بہ ''بنمستکفی باللہ'' اپنے چچازاد متقی باللہ کو معزول کرنے کے بعد ۳۳۳ھ میں خلیفہ منتخب کیا گیا۔ مستکفی ۲۹۲ھ کو پیدا ہوئے خلیفہ منتخب ہوتے وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ اس کی ماں ام ولد نام ''املح الناس'' رومیہ تھیں جب خلیفہ منتخب ہوا تو پورے اختیارات اور تدبیر مملکت ''توزون الترکی'' کے حوالے کردیئے اس کے دور میں آل بویہ بغداد میں داخل ہوگئے تو خلیفہ نے مملکت ان کے سپرد کردی اور امور مملکت چلانے

کی اجازت دی اور اس کا نام سکّہ پر جاری کیا اور حکم دیا کہ نماز جمعہ کے خطبے میں ان کا ذکر کریں۔

متقی کے معزول ہونے کے بعد ۳۳۴ھ میں خلیفہ بنا مستکفی برائے نام خلیفہ تھا جبکہ اختیارات آل بویہ کے ہاتھوں میں تھے۔ اس طرح احمد بن بویہ معزالدولہ کے دور میں عراق میں داخلی جنگ شروع ہوئی، چیزیں مہنگی ہونا شروع ہوئیں، ملازمین کو تنخواہ ملنے میں دشواری ہوگئی، لوگوں سے مالیات لینے میں سختی کی گئی بہت سے ادارے بند ہوگئے۔ اخبار دول ج ۲ ص ۱۵۰ پر لکھتے ہیں معزالدولہ کو خبر ملی کہ مستکفی باللہ انھیں مارنے کی تیاری کر رہا ہے وہ مستکفی کے پاس گئے ان کے ہاتھ کو چوما تو انہوں نے ان کے لئے کرسی دی وہ کرسی پر بیٹھے اتنے میں دو دیلمی آئے اور دونوں نے اپنے ہاتھ مستکفی کی طرف دراز کیا اور مستکفی نے سمجھا کے ان کے ہاتھ کو بوسہ دینے کیلئے کر رہے ہیں لیکن دونوں نے ان کا ہاتھ کھینچا اور ان کو گرایا ان کے عمامہ کو ان کے گردن میں لٹکایا اور کھینچا انھیں خلافت سے معزول کیا ان کے دونوں آنکھوں کو نکالا اس طرح بغداد میں تین خلیفہ اندھے کیے گئے دارالخلافہ خالی ہوا اس خلیفہ نے معزالدولہ کے گھر میں ۳۴۳ھ میں ۴۶ سال کی عمر میں وفات پائی ان کی خلافت ایک سال چار مہینہ رہی۔

آل بویہ نے ۳۳۴ھ سے ۴۴۷ھ ایک سو تیرہ سال حکومت کی تفصیل آخر میں ملحقات عسکری قیادت میں دیکھیں۔

۲۳۔ مطیع للہ:۔

نام قاسم بن المقتدر ان کی ماں ام ولد تھیں ان کا نام ''مشغلہ'' تھا مطیع باللہ ۲۹۱ھ میں پیدا ہوا جس دن ان کے چچا زاد مستکفی باللہ کو خلافت سے عزل کیا اسی دن ان کے لئے بیعت لی گئی اس کی انگوٹھی کا نقش ''المطیع للہ'' تھا ان کے دور میں تدبیر مملکت معزالدولہ کے ہاتھ میں تھی خلیفہ کے

لئے ہر دن کا نفقہ معزالدولہ کی طرف سے روزانہ ایک سو دینار خرچہ دیا جاتا تھا۔ان کی خلافت کے پہلے سال بغداد میں قحط سالی آئی،حتیٰ لوگ مردار کتے کھانے لگے لوگ راستوں میں مرنے لگے کتے انسانوں کے جسموں کو کھاتے تھے ۔پوری جائیداد چند روٹی کیلئے فروخت ہوتی تھی،چھوٹے بچوں کے جسم کے کباب کر کے کھاتے تھے ۔۳۳۹ھ میں ''حجر اسود'' کو واپس لایا گیا،۳۴۴ھ میں مصر میں زلزلہ آیا۳۴۶ھ میں دریا میں پانی بے حد نیچے تک کم ہوا۔جس سے جزائر پہاڑ نکلنے لگے،۳۵۲ھ میں یوم عاشورا منایا گیا۔۳۵۳ھ میں معز الدولہ نے عاشورا کیلئے عمومی تعطیل کا اعلان کیا۔عورتوں کو سر برہنہ جلوس میں جانے کیلئے گھروں سے نکالا گیا یہ پہلا دن ہے کہ جب بغداد میں امام حسین پر رونے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔مطیع کے معزول ہونے اور موت میں دو مہینہ کا فاصلہ تھا اس کی عمر ۶۳ تھی اس کی خلافت ۲۹ سال اور چار مہینے تھی۔۳۶۳ھ کو مطیع کو فالج ہو گیا ان کی زبان بند ہو گئی معزالدولہ کے حاجب سبکتگین کو بلایا کہ مطیع کو خلافت سے عزل کریں اور خلافت کو ان کے بیٹے عبدالکریم کو دیں اسے طائع کا لقب دیا گیا۔پھر ۳۶۴ھ میں دیر عاقول میں وفات پائی۔

۲۴۔طائع باللہ:۔

نام ابو بکر یا عبدالکریم بن المطیع ،ان کی ماں کا نام ''بزار'' تھا انگوٹھی کا نقش ''الطائع للہ'' تھا اس کے دور خلافت میں مکہ اور مدینہ میں خطبہ بنی عباس کے نام سے بند ہوا اور معزالدولہ عبیدی کے نام سے شروع ہوا۔اس کے دور میں عضدالدولہ بغداد پر مسلط تھا طائع نے انہیں خلعت بادشاہی اور تاج سلطانی گردن بند پرچم دیا اور اپنے باپ کی جگہ پر منسوب کیا یہ یکم شوال ۳۹۳ھ کو انتقال کر گیا۔اس کی مدت خلافت ۱۷ سال اور ۹ مہینے تھی ۔جس دن اسکے باپ کو خلافت سے معزول کیا اس دن ان کے لئے بیعت لی

گئی۔ تند و تیز صاحب قوت شجاعت جوان مرد سخی انسان تھا لیکن ملوک کے سامنے بے بس تھا۔ مملکت پر عزالدولہ بن بویہ مسلط تھے، عضدالدولہ نے عزالدولہ کے خلاف قیام کیا، عزالدولہ کو قتل کیا پھر سولی پر چڑھایا۔ اس پر خلیفہ طائع نے انھیں خلعت سلطانی اور تاج سلطانی دیا اور انھیں دو پرچم دیئے اور اپنے آباء کی جگہ پر منسوب کیا۔ جب عزالدولہ الملک تخت پر بیٹھا تو وزیر ابی طاہر کو معزول کیا۔ عضدالدولہ کی وفات کے بعد اس کے بھائی صمصام الدولہ کو رکھا۔ انھیں شمس الملت کا لقب دیا اور سات خلعتیں دیں ۳۷۶ھ میں شرف الدولہ جو صمصام الدولہ کا بھائی تھا اس نے ان پر حملہ کیا اور غالب آیا صمصام الدولہ کی آنکھ نکالی اور شرف الدولہ بغداد میں آئے اور خلیفہ ان سے تہنیت کے لئے گئے اور انھیں سلطنت کا عہد دیا۔ ۳۷۹ھ میں شرف الدولہ بھی مر گیا اس نے اپنے بھائی ابی نصر کو جانشتن بنایا۔ خلیفہ نے انھیں خلعت دی اور انھیں بہاؤالدولہ اور ضیا الملت کا لقب دیا۔ ۱ شعبان ۳۸۱ھ میں بہاؤالدولہ نے طالع کو خلافت سے معزول کیا، انھیں ایک چادر میں لپیٹ کر لے گئے، پابند سلاسل و زنجیر کیا یہاں تک ۳۹۳ھ کو وفات پائی اس طرح ۱۷ سال نو مہینہ سلطنت کی اور ۳۷ سال عمر میں وفات پائی۔

۲۵۔ قادر باللہ:۔

احمد بن اسحاق بن مقتدر نام احمد کنیت ابو العباس ۳۳۶ھ میں پیدا ہوا، اس کی ماں یمنی تھی، انگوٹھی کا نقش ''القادر باللہ'' تھا اس کے چچا طائع کو معزول کرنے کے بعد خلیفہ برائے نام بنایا گیا۔ اپنی جگہ مقہور و مغلوب تھا قادر باللہ تہجد گزار کثیر صدقات کرنے والا دیندار انسان تھا لیکن وہ سلطان کے سامنے مقہور و مغلوب تھا وہ ذی القعدہ ۴۲۲ھ کو ۸۱ سال کی عمر میں وفات پا گیا۔

۲۶۔قائم بامر اللہ:۔

نام عبد اللہ کنیت ابو جعفر بن القادر باللہ، نصف ذی القعدہ ۳۹۱ھ میں پیدا ہوئے ، ماں کا نام ''بدرالدجیٰ یا قطر الندیٰ'' ام ولد آرمنیہ سے تھی۔ خوبصورت' دیندار زاہد و عالم تھے اللہ پر یقین غیر متزلزل رکھتے تھے' کثیر صدقہ کے ساتھ عدل و انصاف قضاء حوائج الناس کو مقدم رکھتے تھے' حاجت مندوں کو محروم و مایوس نہیں کرتے تھے خلفائے عباسی میں نیک خلفاء میں سے تھے۔ نقش خاتم ''القائم بامر اللہ'' تھا، اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی وصیت کے مطابق ۴۲۲ھ میں خلیفہ بنا، ۱۳ شعبان ۴۶۷ھ تک خلافت پر رہا، ارسلان ترکی نے اسے گرفتار کر کے عانۃ نامی جگہ پر زندان میں بند کیا۔ ۴۴ سال ۲۵ دن خلافت کی اس کی خلافت کے دوران عراق میں سلطنت جلال الدولہ بن بہاء الدولہ کے پاس تھی، جلال الدولہ اور ترکوں کے درمیان جنگ ہوئی ،اسی دوران ۴۳۵ھ کو اس نے وفات پائی تو اس کے بعد اسکے بھائی کا بیٹا ''ابو کالیجار'' سلطان بنا، وہ حالت جنگ میں ہی رہا، اس کیلئے بھی حکومت میں استقرار نہیں آیا وہ ترکوں سے جنگ میں مصروف رہا، یہاں تک ۴۴۰ھ میں وفات پائی، ابو کالیجار کی وفات کے بعد اس کے بیٹے ابونصر خسرو فیروز نے سلطنت سنبھالی یہاں تک بغداد میں طغرل بک ۴۴۷ھ میں داخل ہوا۔ ترک طغرل بک کے داخل ہونے کے بعد ابو نصر کو سلطنت سے ہٹایا اسے سلطنت سے ہٹانے کے بعد سلطنت آل بویہ عراق سے ختم ہوگئی کہتے ہیں کہ ان کی حکومت عراق کے لئے شر تھی اگر کوئی نیکی دیکھنے میں آئی تو عضد الدولۃ کے دور میں تھی جو کہ تیسرے بادشاہ کا دور تھا۔ آل بویہ کے بعد سلجوقیوں کی حکومت آئی۔

[اخبار دول ج ۲ ص ۱۶۰] عبد اللہ ہمیشہ عدل و انصاف صراط مستقیم پر قائم تھے یہاں تک الپ ارسلان ترکی نے اسے گرفتار کیا اور انھیں ''غانہ''

میں جلا وطن کر کے حبس کیا۔ خلیفہ نے اپنے اوپر گزرنے والے مظالم لکھ کر مکہ بھیجے اور اسے کعبہ میں لٹکایا اس خط کا مضمون ہے ''الیٰ اللہ عظیم من المسکین عبدہ اللھم '' اس دوران طغرل بک نے ارسلان ترکی کو شکست دی اور اسے قتل کیا اور خلیفہ کو اپنی جگہ دوبارہ واپس لایا۔ جب عبداللہ واپس اپنے گھر پہنچے تو وہ سجادہ نماز سے الگ نہیں ہوئے اور ہمیشہ قیام میں مصروف رہے، جس جس نے انھیں اذیت پہنچائی تھی انھیں معاف کیا جوان کے گھر سے غارت کر کے لے گئے تھے، ان سے صرف قیمتیں وصول کیں اور کہا اسے ہم نے اللہ پر چھوڑا ہے۔ ان کے دور ہی میں آل بویہ کا خاتمہ ہوا اور سلجوقیہ نے قبضہ لیا۔ ان کے دور میں مصر میں قحط سالی مہنگائی آئی جو سات سال تک چلی یہاں تک ایک انسان نے دوسرے انسان کو کھایا ایک روٹی کی قیمت پچاس دینار ہوگئی۔ کتے پانچ دینار اور بلی تین دینار میں فروخت ہونے لگے۔ کتاب برات زمان سے نقل ہے ایک عورت اپنے جواہرات اور زیورات ایک ڈبہ میں لے کر بازار آئی اور اسکے بدل میں طعام مانگا لیکن کسی نے نہیں پوچھا تو وہ اسے وہاں ہی پھینک کر گھر واپس آئی کہ جب اسکی یہ قیمت ہے تو مجھے کیا فائدہ۔ اس دور میں بغداد میں ایک بچی پیدا ہوئی جس کے دو سر اور دو گردنیں تھیں۔ اس دور میں ۴۶۰ھ میں ایک زلزلہ آیا جس سے ویرانی پھیل گئی اور پچیس ہزار افراد مارے گئے۔ ۴۶۱ھ میں جامعہ دمشق جل گیا اور ۴۶۵ھ میں سلطان الپ ارسلان قتل ہوا۔ ان کی جگہ پر ان کے بیٹے ملک شاہ جلا الدولہ آگئے۔ ۴۶۶ھ میں بغداد میں دجلہ میں سیلاب آیا لوگ کشتیوں میں سوار ہو کر اسے پار کرتے۔ خلیفہ نے ۱۳ شعبان ۴۶۷ھ میں ۴۵ سال حکومت کرنے کے بعد ۷۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔

۳۳۴ھ سے ۴۴۷ھ کے دوران یعنی ۱۱۳ سال آل بویہ نے حکومت کی جن کی تفصیل کتاب کے آخر میں آئے گا اس دوران بنی عباس کے خلفاء

برائے نام تھے وہ یہ ہیں۔
(۱) مستکفی باللہ (۲) مطیع باللہ (۳) طائع باللہ
(۴) قادر باللہ (۵) قائم باللہ شامل ہیں۔

ان پانچ خلفاء کے دور میں آل بویہ نے بغداد پر حکومت کی اور یہ برائے نام خلیفہ رہے۔

۲۷۔ مقتدی بأ مراللہ۔

نام عبداللہ کنیت ابوقاسم بن محمد بن قائم باللہ، ماں ام ولد نام ''ارجوان'' اس کی انگوٹھی کا نقش ''المقتدی بامراللہ'' تھا، عمر ۳۳ برس تھی ان کی خلافت ۱۶ سال رہی۔

جس دن ان کے والد قائم بامراللہ نے وفات پائی اسی دن ان کے لئے بیعت لی گئی۔ یہ بھی ایک دیندار نیک انسان تھے، بلند ہمت والے تھے۔ان کی خلافت محترم و پسندیدہ تھی۔ان کے دور میں تمام فاحشہ عورتوں کو بغداد سے نکالا گیا، حماموں میں بغیر لنگی داخل ہونے پر پابندی لگائی، حماموں کے اوپر لگائے گئے برج کو گرایا گیا۔ان کے دور میں سلطان ملک شاہ سلجوقی نے خلیفہ کو لکھا بغداد میرے حوالے کریں آپ جہاں جانا چاہیے چلے جائیں۔خلیفہ پریشان ہوئے ایک مہینہ کی مہلت مانگی۔اس نے کہا میں ایک گھنٹہ بھی مہلت نہیں دے سکتا خلیفہ نے وزیر سلطان کو بلایا اور ان سے دس دن کی مہلت مانگی۔ پھر مقتدی نے جبہ سوء کو پہنا، روزہ رکھا جب افطار ہونے لگا تو وہ مٹی پر بیٹھا اور نماز پڑھی اور سلطان کے خلاف بدعا کی، ملک شاہ سلجوقی سلطان دسویں دن مر گیا تو اسے لوگوں میں خلیفہ کی کرامت شمار کیا۔خلیفہ نے ان کے بیٹے محمود کو جو اس وقت ۵ سال کا تھا اس کو ناصر دنیا و دین کا لقب دیا پھر خلیفہ دوسرے دن اچانک مر گئے کہتے ہیں ان کی زوجہ نے انہیں زہر دیا تھا۔جس وقت وہ مرے ان کی عمر ۳۳ سال تھی ان کی

خلافت سولہ سال تک رہی۔

۲۸۔ مستظہر باللہ:۔

نام احمد کنیت ابوالعباس ''مستظہر باللہ بن مقتدی بامر اللہ'' اپنے باپ کی وفات کے بعد خلیفہ بنا جس وقت ان کی عمر ۱۶ سال تھی۔ کہتے ہیں مستظہر باللہ بنی عباس کے بہترین خلفاء میں سے تھا، خوش اخلاق نیک کردار' علماء دوست، جودوسخاء کا حامل تھا۔ لوگ اسکی عزت واحترام کرتے تھے محتاج مندوں کو واپس نہیں کرتا تھا، کسی کی بھی چغلخوری کو نہیں سنتا تھا غرض مند انسانوں سے نرمی کرتا تھا۔ اس کا دور خلافت خوشی اور امن کا دور تھا رعیت کو تکلیف پہنچانے والوں کا احتساب کرتا تھا چاہے وہ کتنی بڑی ہستی کیوں نہ ہو۔ ان کے دور میں ۴۸۹ھ میں تمام ستارے برج ہود میں جمع ہوئے۔ تو منجمین نے کہا طوفان نوح جیسا طوفان آئے گا اتفاق ہوا حجاج دار مناقب میں جمع تھے ایک سیلاب آیا جس نے انہیں غرق کیا۔ ۴۹۰ھ میں سلطان ارسلان سلجوقی کو قتل کیا گیا تو ان کی جگہ سلطان برکیہ روق سلطان بنا۔ ۴۹۲ھ میں فرانسیسیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا چندین مہینہ محاصرہ کرنے کے بعد ستر ہزار سے زیادہ لوگوں کو قتل کیا مقتولین میں علماء عباد زہاد لوگ تھے، اسی طرح قبور کو منہدم کیا۔ یہودیوں کو اپنی کنیساء میں جمع کیا ان کو جلایا گیا فرار ہونے والے جب بغداد پہنچے تو انھوں نے ان واقعات کو نقل کیا تو سب رونے لگے۔ بادشاہ اور سلاطین میں اختلاف ہوا اور فرانسیسی شام پر مسلط ہوئے۔ ۵۱۲ھ میں مصحف عثمانی جسے اونٹ کے چمڑے پر عثمان بن عفان نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا کو مدینہ طبریہ سے جامع دمشق منتقل ہوا کیونکہ کفار سے خطرہ تھا لوگ اس قرآن کو لینے کے لئے باہر نکلے اور اس کو خزانہ شرقیہ مقصوریہ میں رکھا گیا۔ ۵۱۲ھ میں بدھ کے دن ۱۶ ربیع الآخر کو

خلیفہ نے ۲۵ سال خلافت کرنے کے بعد ۵۱ سال کی عمر میں وفات پائی۔

۲۹۔ مسترشد باللہ۔

نام ''فضل'' کنیت ابومنصور مسترشد باللہ بن مستظہر باللہ ماں ام ولد ''لبانہ'' تھی، ربیع الاول ۴۸۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے باپ کی وصیت پر اس کے مرنے کے بعد ۲۶ ربیع الآخر ۵۱۲ھ میں خلیفہ منتخب ہوا، یہاں تک ۱۷ ذولقعدہ ۵۲۹ھ میں اسے قتل کیا گیا وہ ۱۶ سال ۷ مہینے ایک دن خلافت پر رہا اس کی عمر ۴۴ سال تھی۔ اسکی خلافت کے دوران سلطان محمود بن محمد ملک شاہ تھا اس کا چچا سلطان سنجر بن ملک شاہ خراسان میں اور ماوراء نہر میں تھا وہ اس زمانے میں سلجوقی کی حکومت تھی اس کی اپنے بھائی کے بیٹے محمود کی سلطنت پر نظر لگی اس نے چاہا کچھ علاقے ان سے واپس لے چنانچہ اس نے لشکرکشی کی اور اسے شکست دی چنانچہ خلیفہ نے بھی خطبہ سلطان سنجر کے نام سے دینے کا حکم دیا اس طرح محمود فرار ہو گیا لیکن سنجر کی ماں کی سفارش پر سنجر نے وہ علاقے محمود کو دوبارہ واپس کر دیئے پھر محمود اور مسعود دونوں بھائیوں کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔

محمود نجیب، فصیح و بلیغ انسان تھا وہ اہل بیت سے محبت و دوستی رکھتا تھا وہ چاہتا تھا اہل بیت کی عظمتوں کا ذکر کیا جائے لیکن موت درمیان میں حائل ہوئی اور اسے ایسا کرنے کا وقت نصیب نہ ہو سکا۔

(اخبار دول ج ۲ ص ۱۶۸) مسترشد مرد شجاع تھے صاحب بلند ہمت شہامت رکھتے تھے۔ امور خلافت کو مرتب اور مراسم دین کو زندہ کئے ہوئے تھے میدان جنگ میں خود قیادت کرتے تھے۔ ابن جوزی لکھتے ہیں بغداد میں چندین بار زلزلہ آیا لوگ فریاد کرتے تھے تو سلطان سنجر نے اپنے برادرزادہ مسعود سے کہا اس وقت اولاد کو اس کتاب کے سامنے کھڑا ہونا چاہیے یعنی امیر المومنین کے سامنے حاضر ہو جائیں اور ان کا احترام کریں اور ان سے عفو

ودرگزر کی درخواست کریں ہمارے پاس آسمان سے اللہ کی نشانیاں واضح ہوئی ہیں جس کو دفع کرنے کیلئے ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں ہے ہم اللہ کی طرف سے غفلت میں رہے۔

۳۰۔راشد باللہ:۔

نام منصور کنیت ابوجعفر منصور بن متوفی ۵۰۲ھ۔ان کی ماں ام ولد تھی، اس کے باپ نے ۵۱۳ھ میں ولی عہد مقرر کیا تھا۔باپ کو قتل کرنے کے بعد ۵۲۹ھ میں خلیفہ بنا۔وہ فصیح وبلیغ اچھے کردار کے انسان تھے عادل خلیفہ تھا اور شر سے کراہت کرتا تھا ۔ جب سلطان مسعود بغداد واپس آیا تو راشد بغداد سے فرار ہو کر موصل گیا تو مسعود نے فقہاء علماء کو جمع کیا اور ان سے پوچھا راشد نے ظلم کیا ہے لوگوں کے اموال چھینے ہیں، وہ شراب پیتا ہے ایسے حالات میں اس کی امامت صحیح ہے یا نہیں اگر خلیفہ کا فسق ثابت ہو جائے تو سلطان کے لئے جائز ہے کہ اس کو معزول کر کے بہتر کو لائے اس پر علماء نے فتویٰ دیا چنانچہ ان کو عزل کر کے ان کے چچا محمد بن مستظہر کی بیعت کیا ان کو لقب ''المقتضی لامر اللہ'' دیا گیا، وہ اپنے باپ کا ولی عہد تھا باپ کے مرنے کے بعد ۲۷/ ذالقعدہ ۵۲۹ھ کو خلیفہ بنا اسکی رسم بیعت میں ۲۱ اولاد خلیفہ موجود تھے جب اس کی حکومت کو استقرار ملا تو اس نے ارادہ کیا کہ کھوئی ہوئی سلطنت کو واپس لے لہٰذا سلجوقین سے اتفاق کیا مسعود سے لڑیں اور ان کو سلطنت سے ہٹائیں یہ خبر جب مسعود کو ملی تو وہ ایک لشکر لے کر آیا اور بغداد کا محاصرہ کیا امراء خلفاء سے الگ ہو گئے تو مسعود نے فقہاء اور قاضیوں کو جمع کیا اور ان سے پوچھا اور رائے لی خلیفہ نے انہیں عہد و پیمان دیا ہے جس دن سلطان کے خلاف لشکر کشی کرینگے وہ خلافت سے معزول ہونگے چنانچہ فقہاء اور قاضیوں نے حکم خلع خلیفہ صادر کیا۔

(اخبار دول ج ۲ص) ذی الحجہ ۵۳۰ھ کو خلیفہ اور ملک سلجوقی کے

درمیان اختلاف ہوا تو ملک مسعود ایک لشکر لے کر نکلے تو خلیفہ راشد بغداد سے موصل گئے سلطان مسعود بغداد میں داخل ہوئے اور رعیت کو اپنے حق میں لیا دارالخلافہ کو غارت کیا قاضیوں کو لایا راشد کی خلافت میں اشکال شکوک وشبہات پیدا کیے اسے بدکردار ثابت کیا انہوں نے خون بہایا ہے فعل منکرات انجام دیا ہے اس پر لوگوں سے گواہی لی قاضی نے حکم دیا کہ وہ خلافت سے مخلوع ہے۔ ۱۰ ذی القعدہ ۵۳۰ھ کو اس کو خلافت سے عزل کیا راشد وہاں سے فرار ہوا خود کو بیمار دکھایا ان کو بعض لوگوں نے آ کر وہیں قتل کیا اس وقت ان کی عمر ۳۰ سال تھی انہوں نے ایک سال خلافت کی۔

۳۱۔ مقتضی لامر اللہ:۔

نام محمد کنیت ابوعبداللہ الحسین المقتضی لامر اللہ بن المستظہر لامر اللہ، جسے سلطان مسعود نے خلافت کیلئے انتخاب کیا ان کی بیعت ۸/ذی الحجہ ۵۳۰ھ کو ہوئی اس نے ۵۵۵ھ تک خلافت کی اس طرح اس نے ۲۴ سال خلافت کی جب سلطان نے خلیفہ کی بیعت کر لی تو خلیفہ نے اسے اپنا داماد بنایا۔ سلطان نے اپنی بہن فاطمہ کو ان کے عقد میں دیدیا تاکہ خلیفہ انہیں عزل نہ کرے۔ اس دوران خلیفہ راشد نے دوبارہ خلیفہ بننے کی کوشش کی اس نے ملک سلطان داؤد بن سلطان محمد سے اتفاق کیا لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئے۔

سلطان مسعود اپنے مخالفین کی اکثریت کے باوجود اقتدار پر رہا یہاں تک کہ اس نے ۵۴۷ھ میں فات پائی، اپنے اور اپنے بھائی کے بیٹے ملک شاہ بن سلطان محمود کو بادشاہ بنایا۔ سلطان مسعود خوش اخلاق سخی انسان تھا وہ عفیف دیگر بادشاہوں کی بہ نسبت اچھا تھا۔ مسعود کی وفات کے بعد خلیفہ مقتضی مستقل ہوگیا، بغداد میں موجود سلاجقہ کے لشکر کو نکال دیا اور ان کے مال کو اپنے قبضے میں لیا لوگوں کو جمع کیا لشکر کو منظّم کیا پورے عراق پر مسلط

ہو گیا، خلیفہ اپنی جگہ مستقل ہو گیا خود لشکر کے ساتھ نکلا۔ سلطان محمد بن محمود نے کوشش کی لیکن زندگی نے اسے مہلت نہ دی اور اس نے ۵۵۴ھ میں وفات پائی ان کے بعد خلیفہ بغیر سلطان رہے۔

۳۲۔ مستنجد باللہ:۔

نام یوسف کنیت ابومظفر مستنجد باللہ بن مقتضی لامر اللہ ۵۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد ۲ ربیع الاول ۵۵۵ھ میں خلیفہ منتخب ہوا، ۹/ربیع الآخر ۵۶۶ھ میں وفات پائی۔ اس کی خلافت ۱۱ سال ۷ دن رہی وہ بنی عباس کے نیک خلفاء میں سے تھا۔ مالیات ختم، اور ظلم کا خاتمہ کیا، وہ لہو ولعب، فتنہ وفساد کرنے والوں کے خلاف سخت کاروائی کرتا تھا۔ مفسدین کا پیچھا کرتا تھا، ایک دفعہ ایک مفسد کو گرفتار کر کے زندان بھیجا، خلیفہ کے پاس اس کے اقارب ہزار دینار لائے تاکہ زندان سے اس کو چھڑائیں خلیفہ نے کہا مجھ سے دس ہزار دینار لے لو اور ایک خبیث انسان کو لاؤ تاکہ میں اس کے شر سے اس ملک کو بچاؤں، اس طرح اس کو چھوڑنے سے انکار کیا۔ ان کے دور میں کسی اور قسم کی سلطنت نہیں تھی وہ پہلے دن سے مستقل تھا۔ ۵۶۶ھ میں وفات پائی۔

۳۳ مستضیء باللہ:۔

نام حسن کنیت ابومحمد حسن بن مستنجد باللہ اپنے باپ مستنجد باللہ کی وفات کے بعد ۵۶۶ھ میں خلیفہ بنا۔ ''مستضیء'' عادل اچھے سیرت و کردار کے مالک انسان تھے بذل وعطاء و بخشش کے مالک تھے۔ ان کے دوران خلافت میں لوگوں نے امن وسکون، چین کی زندگی گزاری امن وسکون کے حوالے سے ان جیسا دور کسی خلیفہ کا نہیں گزارا۔ حلیم و فرمانبردار بخشنے والا تھا، پسندیدہ زندگی گزاری، پسندیدہ حالت میں ۵۷۵ھ کو وفات پائی۔

اس کی مدت خلافت ۹ سال ۷ ماہ رہی۔اس کے دور میں خلافت فاطمیہ کا خاتمہ ہوگیا اور سلطنت ایوبیہ آئی جسے صلاح الدین ایوبی نے ۵۶۷ھ میں قائم کیا۔اس کے دور میں مرد بزرگ محمود نورالدین زنگی صاحب آثار باقیہ نیک خصلت مجاہد فی سبیل اللہ صاحب سیرت جمیلہ کی حکومت حرمین شریفین، یمن، مصر اور سوریا میں حکومت قائم ہوئی۔اس کے نام پر خطبہ دیا جاتا تھا سیرت خلفائے راشدین اور ''عمر بن عبدالعزیز'' کے بعد ان جیسا کوئی نہیں گذرا، وہ عدل وانصاف کے علمبردار تھے۔

۳۴۔ناصرالدین اللہ:۔

اس کا نام احمد کنیت ابوالعباس احمد ناصرالدین اللہ بن مستضی بن مستنجد تھی، ۱۰ رجب ۵۵۳ھ کو پیدا ہوا۔اس کی ماں ترکیہ ''زمرد'' تھی۔اپنے باپ کی وفات کے بعد ۲۳ سال کی عمر میں ۲/ذالقعدہ ۵۷۵ھ کو خلیفہ بنا۔بنی عباس میں سب سے زیادہ دور خلافت اس کا تھا اس نے ۴۶ سال، ۱۰ مہینے اور ۲۸ دن خلافت کی۔پوری زندگی عزت واحترام سے گزاری اور دشمنوں پر تسلط حاصل کیا۔ناصرالدین نے خلافت پر بیٹھنے کے بعد عدل کو رواج دیا شراب، آلات لہو ولعب کو توڑا۔مہنگائی کا خاتمہ کیا لوگ بغداد کی طرف متوجہ ہوئے رات گئے تک بازار کھلے رہتے تھے۔اسکا جاسوسی کا نظام بہت وسیع تھا کہ لوگوں کا یہ عقیدہ بنا کہ وہ علم غیب جانتا ہے ان کے لئے غیبی خبریں کشف ہوتیں ہیں۔اپنے دور خلافت میں عزت وجلال میں رہا، دشمن کو شکست دی کسی نے اسکے خلاف بغاوت نہیں کی، وہ تمام مکر وفریب سے پہلے متوجہ ہوتا تھا جس پر دوسرے متوجہ نہیں ہوتے تھے۔وہ بادشاہوں کے درمیان جدائی ڈالتا جسکا انھیں پتہ نہیں چلتا تھا۔مذہب امامیہ کی طرف گرائش رکھتا تھا ابن جوزی نے اس سے پوچھا پیغمبر کے بعد سب سے افضل کون ہے تو اس نے کہا پیغمبر کی بیٹی جس کے عقد میں ہو۔کسی کی ہمت نہیں

ہوئی کہ کہے ابو بکر افضل ہیں۔

اس کی خلافت میں مملکت اسلامیہ کی سیاسی صورت حال کچھ اس طرح سے تھی کہ اندلس شمال افریقا میں دولۃ الموحدّین تھا، مراکش میں ۵۹۱ھ کو حکومت مرینیۃ قائم ہوئی، مصر، یمن، سوریا میں ایوبی کی حکومت، موصل، سنجار، ترک، روم میں سلاجقہ حکومت کرتے تھے۔ دور ناصر میں سلاجقہ کا عراق میں دور اس وقت ختم ہوا جب ۵۹۰ھ کو ارطغرل بن الپ ارسلان خوارزم علاؤالدین تکش کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس نے خلیفہ کو بغداد میں اس کے نام کا خطبہ دینے کا پیغام بھیجا جس پر خلیفہ راضی نہیں ہوا تو وہ غصے میں آیا، خوارزم نے خلیفہ سے جنگ کی جس سے دونوں میں عداوت بڑھ گئی۔ جس کے نتیجے میں منگول کے مملکت اسلامی میں داخل ہونے کا سبب بنا۔ اس کے دور کو تاریخ اسلامی کا بدترین اور تاریک دور اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں طائفہ منگول نے اسلامی حکومتوں کی طرف نظر اٹھائی۔ منگول کے ایشیا، یورپ میں حکومت بنانے کے خواب کا سبب چنگیز خان اور خوارزم شاہ تھے۔

اس کے دور میں ایک بار منجمین نے کہا بہت بڑا طوفان آنے والا ہے جس پر لوگ زمین میں مورچے بنانے کے بعد زاد راہ جمع کرنے لگے۔ اس کی پیشنگوئی ۹ جمادی آلاخر کو تھی لیکن اس دن کچھ بھی نہیں ہوا، نہ ہوا چلی، نہ چراغ بجھے، چنانچہ شعراء نے اس کے بارے میں شعر پڑھے۔ اس کے دور میں صلاح الدین نے بیت المقدس کو فتح کیا اور بہت سے شامی علاقے جو مسیحیوں کے قبضے میں چلے گئے تھے ان سے واپس لئے۔ ناصر الدین اللہ نے آخر رمضان ۶۲۲ھ کو ستر سال کی عمر میں وفات پائی اسکے جنازے کو لوگوں نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا۔

۳۵۔ ظاہر بامر اللہ:۔

نام محمد کنیت ابونصر بن محمد ظاہر بامر اللہ بن محمد بن ناصر ان کی ماں ام ولد

نام اسماء تھا وہ ۵۷۱ھ کو پیدا ہوئے۔ ان کے باپ کے مرنے کے بعد ان کے لئے بیعت لی گئی ان کی نقش حاتم ظاہر بامر اللہ تھا۔ ابن اثیر نے کامل میں لکھا ہے جب ظاہر اقتدار پر آئے عدل وانصاف کا مظاہرہ کیا۔ عدالت عمر خطاب اور عمر بن عبدالعزیز کو زندہ کیا بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز کے بعد محمد بن ناصر جیسا کوئی خلیفہ نہیں آیا تو یہ درست ہوگا۔ لوگوں سے لئے گئے اموال غصبی کو واپس کیا۔ خراج کو رسم قدیم کی بنیاد پر لینے کا حکم دیا جو کچھ زیادتیاں ان کے باپ نے کیں اس کے ازالے کا حکم دیا، معاف کرنے کا حکم دیا۔ زندانیوں کو آزاد کیا قاضی کے لئے دس ہزار دینار معین کیا تاکہ محصورین کو دے دیں۔ عید الضحیٰ کی رات کو علماء صلحاء کے لئے ہزار دینار دیا۔ اپنے باپ کے بعد ۶۲۲ھ کو خلیفہ بنا، آخر رمضان ۶۲۳ھ تک خلیفہ رہا۔ جب یہ خلیفہ بنا تو عدل واحسان کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ اسکے بارے میں کہا گیا کہ اس نے خلفاء راشدین کی سیرت کو زندہ کیا۔ خلفاء راشدین کے بعد اس جیسا عادل نہیں آیا۔ عدل وانصاف میں ہر دن بہتری آنے لگی۔ لیکن پانی سر سے گزرنے کے بعد، مملکت مفاد پرستوں کے درمیان تقسیم ہونے کے بعد صالحین کی قیادت زیادہ کارآمد نہیں ہوئی، چنانچہ امیرا لمومنین علی بن ابی طالب کو جب اقتدا ملا تو اس وقت دشمن بعید وقریب سب اس منصب پر قبضہ کرنے دھکا لگانے کے لئے چوکنا تھے، علی کی عدالت سے امت محروم رہی ہے۔ بدقسمتی سے ایسے عدل وانصاف پر مبنی خلیفہ کا سایہ گورا نہیں کیا اور خلیفہ نے ایک سال کے بعد وفات پائی۔ بعضوں کا کہنا ہے حاجب نے ان کو قتل کیا ان کی خلافت ۹ مہینہ کچھ دن رہی۔ ۱۳ رجب ۶۲۳ھ کو وفات پائی۔

۳۶۔ مستنصر باللہ:۔

منصور کنیت ابو جعفر منصور مستنصر باللہ بن ظاہر۔ منصور بن ظاہر باللہ

ان کی ماں زہرہ کنیز ترکیہ تھی، ۵۸۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کی انگوٹھی پر مستنصر باللہ لکھا ہوا تھا۔ ۶۲۳ھ میں اپنے باپ کی وفات کے بعد خلیفہ بنا اور ۲ جمادی الآخر ۶۴۰ھ کو وفات پائی۔ اس کی خلافت ایک مہینہ کم ۱۷ سال رہی، مستنصر شہامت وسخاوت میں تندو تیز ہوا کی مانند تھا، اس نے مدرسہ مستنصریہ کی بنیاد رکھی۔ بغداد میں فقراء نشین مہمان خانے بنائے، اپنے باپ کی سیرت پر چلے۔ عدل وانصاف کو ہر جگہ رواج دیا جس جس کے مظالم کی شکایت ملتی ان کا بروقت ازالہ کرتے۔ اس کے دور میں بادشاہ منگول چنگیز خان ۶۲۴ھ کو واصل جہنم ہوگیا، اس کی جگہ پر خراسان اور ماورائے نہر اس کا بیٹا تولی خان بادشاہ بنا۔ اسنے اپنے گردونواح کے علاقے کو اپنے قبضے میں لیا تھا جبکہ ممالک اسلامی کے بادشاہان لہوولعب میں مصروف تھے۔

منصور جب خلیفہ بنے تو رعایا میں عدل وانصاف کو رواج دیا اہل علم و دین کو نزدیک کیا مساجد و مسافر خانہ راستوں کو تعمیر کیا۔ نصرت اسلام کے لئے سرحدوں کو محکم کرنے کیلئے، قلعوں کو فتح کرنے کے لئے لشکر بنانے پر توجہ دی۔ لوگ ان کی مدح وتعریف میں محو ہوئے۔ دجلہ کے مشرق کی طرف ایک ایسا مدرسہ بنایا جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی تھی۔ بہت لشکر بھرتی کیا بہت باہمت شجاعت اقدام والے تھے۔ جب تتار نے اس طرف توجہ کی تو ان سے طاقت وقدرت سے مقابلہ کیا اور ان کو بھاری شکست دی۔ ۱۰ جمادی الآخر ۶۴۰ھ ۵۲ سال کی عمر میں وفات پائی انھوں نے ۱۷ سال حکومت کی۔

۳۷۔ مستعصم باللہ:۔

ان کا نام عبداللہ کنیت ابواحمد فرزند مستنصر تھا ماں کا نام ''ہاجر'' تھا۔ مستعصم ۶۰۹ھ میں پیدا ہوا، انگوٹھی کا نقش ''المستعصم باللہ'' تھا۔ وہ اپنے

باپ مستنصر باللہ کے وفات کے بعد ۳۰/ جمادی الآخر ۶۴۰ھ کو خلیفہ منتخب ہوا۔ متدین، نرم مزاج، شہوات سے پاک، حافظ قرآن اور نیک انسان تھے۔ اگرچہ مستعصم اپنی جگہ نیک انسان تھے لیکن وہ اپنی رائے اور قوت میں کمزور اور مملکت چلانے کے معاملے میں ناتجربہ کار، کم علم تھا، وہ لوگوں کے نزدیک پسندیدہ آدمی نہیں تھا۔ بیرونی حقائق سے ناواقف ہونے کے باعث خائن وزیر اس پر غالب تھے جو جاہل، نادان اور پست انسان تھے، جن کی خیانت سے بغداد مسلمانوں کے ہاتھوں سے خارج اور ہلاکو جیسے انسان کے قبضے میں آیا۔ مستنصر باللہ کی وفات کے دن ان کی بیعت ہوئی اپنے وزیر موید الدین علقمی پر بہت زیادہ اعتماد کرتے تھے، اس وزیر نے خلیفہ کے ساتھ مکر کیا اور مخفی طور پر تتار کا حامی اور ناصح رہا اور اسے بغداد پر قبضہ کرنے کی طمع دیتا رہا۔ تاکہ خلیفہ آل علی سے منتخب ہو جائے جب تتاروں کی آمد کی کوئی خبر ہوتی تو خلیفہ سے چھپا کر رکھتا جبکہ تتاروں کو بغداد کے حالات سے واقف و آگاہ رکھتا۔

اس نے تتاروں کو وعدہ وعید دی اور بغداد میں ان کا جانشین بنانے کی درخواست کی ان کی آمد سے پہلے اس وزیر نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ لشکر کے رواتب میں کمی کریں، اور بچت کرنے کیلئے لشکر کی تعداد کو کم کریں۔ ابن اثیر نے اپنی کتاب کامل میں ج ۹ ص ۳۲۸ھ میں بغداد میں تاتاریوں کی آمد کو ایک مصیبت کبریٰ پیش کیا۔ ایسی مصیبت تاریخ اسلام میں دیکھنے میں نہیں آئی تھی بلکہ خلافت کے آغاز سے لے کر اس وقت تک اس جیسا حادثہ وجود میں نہیں آیا اس حادثہ کی آگ کی چنگاریاں اور اس کے ضرر اعداد و شمار میں نہیں آئے۔

اس وزیر نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ ہلاکو سے مصالحت کریں اور آپ خود ان سے ملنے چلیں، مجھے خبر ملی ہے ہلاکو اس حوالے سے رغبت رکھتا ہے آپ

اس سے کہیں وہ اپنی بیٹی امیر المومنین کے بیٹے ابی بکر کے عقد میں دے اور آپ کو منصب خلافت پر برقرار رکھیں گے۔ جس طرح آپ کے ابا و اجداد کو سلاطین سلجوقیہ نے رکھا تھا اس میں مسلمانوں کے خون کی محافظت ہے اور ہم بھی بعد میں کچھ کر سکیں گے میری رائے ہے کہ آپ خود نکل جائیں۔ خلیفہ نے عمامہ پہنا اور ہاتھ میں ایک عصاء لیا ایک لشکر علماء، فضلا کو لے کر ان کے استقبال کے لئے نکلے لیکن انھوں نے سب کو بے دریغ قتل کیا اور خلیفہ کو قید کیا۔ یہاں تک مسلسل چالیس دن قتل و غارت رہی دو لاکھ سے زائد اہل بغداد قتل ہوئے جو افراد کنویں میں یا نہروں میں چھپے تھے وہ بچ گئے۔ خلیفہ کو وہاں رکھا یہاں تک کوئی چیز کھانے کیلئے مانگتا تو اسے ایک برتن بھیجتے جس میں سونا چاندی جواہرات رکھے ہوئے تھے اور کہا یہ کھاؤ، کہا یہ نہیں کھایا جاتا تو انھوں نے جواب دیا جب یہ کھانے کی چیز نہیں تو کیوں انھیں جمع کیا تھا گویا تم نے یہ چیزیں ہمارے لئے جمع کی ہیں یا ہمارے ساتھ لڑنے کیلئے رکھا ہے۔ خلیفہ اور ان کے بیٹے کو بدھ کے دن ۲۴ صفر کو قتل کیا۔

مستعصم کے قتل کے بعد:۔

گرچہ ۶۵۶ھ میں بغداد میں مستعصم کے قتل کے بعد خلافت عباسی کا خاتمہ ہوا اور بغداد پر دور الحادی کا آغاز ہوا لیکن ۳ سال کے وقفے کے بعد ۶۵۹ھ میں مصر میں دوبارہ خلافت عباسی بحال ہوگئی۔ لیکن دنیائے دردمند اور اسلام دوست مفکرین کو یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ اس خلافت کی بساط کیوں برچیدہ ہوئی؟ اس خلافت کے زوال وسقوط و خاتمے کا سبب کیا ہے؟ تعجب اس بات پر ہے کہ اس وقت امت اسلامی نے کیوں لفظ خلافت کے احترام و تقدیس میں اس کی حمایت کی تھی اور اس کا زبانی دفاع کیا تھا؟ ورنہ یہ خلافت اس وقت شان و دبدبے کے حوالے سے ساقط ہو چکی تھی جب ۱۹۰ھ میں خلیفہ معتصم عباسی نے خلافت کے ساتھ ساتھ دور سلطانی کا آغاز

کیا تھا اور ترکی کے قائد لشکر اشناس ابوجعفر کو تاج سلطنت پہنایا تھا۔ سیکولرزم کا یہی حقیقی مفہوم و تصور ہے کہ جہاں سیکولرزم ہو وہاں مرکز قیادت دینی و دنیاوی کو جدا کرتے ہیں۔ آج جو سیکولرزم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس سیاہ دن کا آغاز ترکی میں قائم اتاترک سے نہیں بلکہ معتصم عباسی کے اس اقدام کے دن سے کرنا چاہیے اس دن سے خلیفہ برائے نام رہ گئے کیونکہ اس دن کے بعد سے جب سلطان خلیفہ سے ناراض ہوتے تو خلیفہ کی ٹانگ کھینچ کر اور انہیں گھسیٹ کر زندان بھیجتے اور کبھی انہیں زندان میں آداب سلطانی سکھا کر آزاد کرتے تھے اور دوبارہ بحال کرتے تھے اور کبھی وہیں لقمہ اجل بنا دیتے تھے۔ مصر میں قائم خلفائے عباسی برائے نام خلفاء تھے اور وہ حکومت سلاطین کے رواتب خور تھے۔ سوال یہ ہے کہ ہم مسلمان کسی چیز کی حقیقت و معانی کے پیچھے جانے کی بجائے کیوں شاعروں کی طرح لفاظی کرتے ہیں؟ لہٰذا خلافت کی بساط کی بر چیدگی و زوال ۱۹۰ھ میں معتصم عباسی سے شروع ہوا۔ اگر آپ اس حقیقت کے پیچھے جائیں گے تو خلافت کا زوال و برچیدہ ہونا اس دن سے شروع ہوا جب قابل ولائق وشائستہ، اسلام شناس اور پابند اصول وفروع افراد کی جگہ خلیفہ نے اپنی اولاد کو منصوب کرنا شروع کیا، اگر آپ سقوط خلافت کا دن منانا چاہتے ہیں تو ۵۷ھ میں معاویہ کی طرف سے یزید کو ولی عہد بنانے کے دن کو سقوط و زوال خلافت کے دن کے طور پر منانا چاہیے۔ اگر اس سے پیچھے جائیں تو اس کا آغاز اس دن ہوا جب مسلمانوں کے خلیفہ شرعی حسن بن علی کو نوک نیزہ پر خلافت چھوڑنے پر مجبور کیا گیا اگر آپ اس سے بھی پیچھے جانا چاہتے ہیں تو آپ کو جنگ صفین میں جانا چاہیے جہاں ندائے حرج و مرج کا اعلان کیا گیا۔ نہ تو کلمہ خلافت میں کوئی احترام و تقدیس ہے اور نہ کلمہ امامت میں۔ قدسیت و پاکیزگی نفاذ دین و شریعت میں ہے جہاں تک خلفاء کے احترام کی بات ہے تو اس سلسلے

میں یہ بات حق وحقیقت اور قرآن وسنت کے تحت ہے کہ احترام وتقدیس ان خلفاء کیلئے ہے جو دین وشریعت کی پاسداری کو اپنا فخر واعزاز سمجھتے ہیں اور جو بیت المال مسلمین سے کھیلے نہیں ہیں، جنہوں نے اپنے لیے مال ودولت کثیر اور جائیدادیں نہیں بنائیں، جنہوں نے خاندان کو سرمایہ دار نہیں بنایا اور شعراء پر مال نچھاور نہیں کیا، ایسے خلفاء یقیناً لائق صد احترام ہیں۔ خلفائے بنی امیہ وبنی عباس میں سے بعض ایسے خلفاء بھی ہو گزرے ہیں جن کو امیر المومنین کہنا کسی ناپاک ونجس چیز کو پاک وطاہر کہنے کے برابر ہے۔ ہمیں ہر حال میں شعراء اور ادیبوں کی طرح لفاظی سے دھوکا کھانے کی بجائے حقائق ومعانی کی طرف جانا چاہئے۔

زوال خلافت عباسین:۔

طویل وعریض عباسیہ کا زوال اہل فکر ودانش، علل واسباب کے متلاشی انسانوں کے لئے بہت سے سوالات کا سبب بنا ہے کہ ایک طویل وعریض عمیق مملکت محبوب مسلمین کا کیوں خاتمہ ہوا؟ اور ایک حکومت منفور الجنس و العقیدہ ان پر کیوں مسلط ہوئی؟ اس سلسلہ میں وارد سوالات کو جمع کرنا اور ان کے منطقی اور عقلی جوابات کو تلاش کرنا ہمارے لئے اسباق علم وفلسفہ تاریخ بنے گا۔

خلافتِ اموی کے سقوط کے بعد ۱۳۲ھ سے لے کر ساتویں ہجری کے دوسرے نصف میں جب یہ حکومت بہت ضعیف وناتواں' ناقابلِ استقامت ہو چکی تھی۔ ان کا دائرہ حکومت صرف عراق تک محدود ہو چکا تھا۔ عراق کے اردگرد مستقل صوبے خلافت سے آزاد' خودمختار قائم ہو چکے تھے۔ اگرچہ ان کے متوازی یا برابری میں خلافت کا نام استعمال نہیں کرتے تھے' بلکہ ہر ریاست اندر سے رقیب حریف صورت میں تھے۔ تاہم ان کے زیر اثر بھی نہیں تھے۔ خلافت ایک شکلی صورت تھی۔ خلافت جس شکل میں ہو مسلمان

اسے رمز وحدت سمجھ کر اسکا احترام کرتے تھے گرچہ اسلام کے حوالے سے اسکا کوئی کردار نہ ہو، وہ اسکی بقا کو اپنی بقاء سمجھتے تھے۔ جس طرح ملکہ برطانیہ ہر قسم کے اقتدار واختیار سے محروم ہے لیکن وہ اپنے آپ کو ایک رمزی کے طور پر اپنے لیے غنیمت سمجھتی ہے۔ بنی عباس کے آخری حکمران اس جلیل القدر نام کو اپنے لیے اٹھائے ہوئے تھے' گویا اسلام و مسلمین پر ان کا احسان ہے انہوں نے اس کو اتنی حد تک کھینچ لیا تھا۔ لیکن اس نام سے اسکا کسی قسم کا بھی ربط نہیں تھا، نہ ہی انکو یہ احساس ہو رہا تھا۔ کیونکہ انکا تمام ہم وغم، جمع مال تھا۔ حکومت جہاں تک پہنچتی ہے اس کو مال غنیمت سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو رعایا کا ذمہ دار نہیں سمجھتے تھے کہ ان کی بھی کوئی ذمہ داری ہے۔

زوال خلافتِ عباسی کے بہت سے اسباب ہیں ان میں سے ایک سبب خوارزمیوں اور خلافتِ عباسی کے درمیان اختلافات و تصادم ہے۔ خلیفہ ناصر دین اللہ نے انھیں دعوت دی کہ وہ بغداد میں موجود سلاجقہ سے ان کی جان چھڑائے گویا خلیفہ عباسی نے ایک بوڑھے دشمن کے بدل میں ایک جوان دشمن کو ترجیح دی ہے۔ لہذا خوارزمین جو بغداد میں سلاجقہ سے لڑنے آئے تھے۔ وہ اس پر قانع نہیں تھے کہ سلاجقہ کے املاک پر قبضہ کریں بلکہ ان کے خواہشات طمع و لالچ کی آنکھیں سلاجقہ کے بعد خود دار الخلافہ عباسی پر بھی تھیں۔ سلطان خوارزم علاؤالدین نے ۱۹ رمضان ۵۹۶ ہجری میں وفات پائی۔ اس سے خوارزم میں کوئی تغیر وتبدل نہیں آیا جب ان کا بیٹا علاؤالدین محمد ان کا جانشین ہوا ۶۹۶ ہجری میں سلاجقہ سے لڑنے کے لیے خلافتِ عباسی کے پاس جو کچھ ہے اسے لینے کے لیے دوبارہ بغداد آیا تو خلیفہ عباسی کچھ نہیں کر سکے۔ وہ مجبور ہوئے کہ اپنا پرانا طریقہ اپنائیں اور غوریین کو خوارزمیوں سے لڑنے کی دعوت دیں پھر اس نے غور کرنے کے بعد غرب ایران میں موجود مقامی حکمرانوں کو بھی خوارزم کے خلاف اکسایا۔

اس کے علاوہ اس نے جلال الدین حسن ثالث سے بھی معاہدہ کیا یہاں تک کہ اس نے مذہب اسماعیلی چھوڑ کر مذہب اہلسنت والجماعت کو اپنایا، اس کے بدل میں خوارزمین نے اپنی سلطنت کو پورے ایران تک بڑھایا اور کرمان پر بھی مسلط ہوئے۔ پھر مکران و ہند کو بھی اپنے قبضے میں لیا اور جو دولت غوریہ کے پاس تھی، اس پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس وقت خوارزم اپنی وسعت حکومت میں انتہائی وسیع درجے پر پہنچے تھے۔ چنانچہ سلطان خوارزمی ۶۱۴ھ ہجری کو ایک لشکر لے کر بغداد کی طرف متوجہ ہوئے۔ کہ خلیفہ عباسی ناصر دین اللہ کے نام کو ختم کریں انہوں نے اس سلسلے میں علماء ماوراء النہر سے فتویٰ لیا کہ خلیفہ عباسی مسند خلافت کے لیے اہلیت وصلاحیت کو کھو چکے ہیں اور خود کو حسین ابن علی سے منسوب سادات گردانا، اپنا نام علاؤالدین ابو مکارم محمد ابن علی ابی جعفر حسینی پیش کیا۔ ممبروں پر اپنے لیے خطبہ دیا اور سکہ پر اپنا نام لکھا۔ خلیفہ کے لئے گنجائش نہیں تھی کہ اس تحدی کا مقابلہ کرے لیکن جلد ہی وہ متوجہ ہوا اور خوارزمی بغداد پر حملہ کرنے سے عاجز رہے خوارزمیوں کے لشکر اسد عباس میں تھے کہ ایک تند و تیز ہوا چلی جس سے اس کے بہت سے لشکری ہلاک ہوئے۔ وہاں پہاڑوں پر مقیم کرد کی طمع بڑھ گئی اب خوارزم کے لیے کوئی چارہ نہیں رہا۔ اور وہ واپس اپنے وطن گئے۔ اسی طرح خلیفہ نے ہلاکو کو بھی مشورہ دیا تھا کہ وہ خوارزم کے ساتھ جنگ لڑے۔ اس تناظر میں اگر دیکھیں تو خلیفہ اور سلطان خوارزم دونوں کے پاس اصول ومقیاص کا فقدان تھا۔ مسلمانوں کو دبانے کے لیے کفر وشرک سے مدد لینے کے حامی بنے جو کہ سراسر نص قرآن سیرتِ رسول ﷺ کے خلاف تھے چنانچہ اس مملکت نے ویران ہی ہونا تھا۔

مستعصم باللہ کی نااہلی یا اس کے وزیر علقمی کی خیانت کی وجہ سے یہ اقتدار مسلمین کے انتہاء اور خاتمے کا سبب بنے اور اقتدار خاندان عباسی کا

تصور تاریخ قبرستان میں مدفون ہو گئے اور کفر والحاد امت کے سر پر جا گزیں ہوئے۔ یہ رائے سادہ سوچ کے حامل انسانوں کے لئے کافی ہے وہ اپنے لئے چند دن کا سوداو اعلان کرتے ہیں مرنے والوں کے لئے چند ہفتہ فاتحہ خوانی رکھتے ہیں لیکن بغداد میں مرنے والوں کی نہ سوگ منائی نہ فاتحہ رکھا گیا جیش فاتح اور ان کے ہمنواؤں نے شاید خوشی منائی ہو پس قصہ ختم ہو گیا۔ لیکن سقوط و زوال بے رحمانہ کے اسباب و عوامل کے متلاشی انسانوں کیلئے یہ قانع کنندہ جواب نہیں۔ ایک وسیع و عریض حکومت کو ختم کرنے اور ان پر مسلط ہونے کے لئے بہت سے اسباب و علل درکار ہیں وہ اسباب و علل بھی اپنی جگہ دیرینہ اور طویل مدت مراحل سے گزرنے کے بعد اس مرحلے پر پہنچے۔ محققین و مورخین نے اس سلسلہ میں حق و انصاف کا پاس رکھتے ہوئے اسباب و علل کو ان نکات میں جمع کیا ہے:

۱۔ وزیر مؤید الدین علقمی کی خیانت۔

۲۔ اطراف واکناف کے عالم اسلامی کے امراء سلاطین کی خیانت اور دیگر علماء شیعہ کی کفر دوستی سے ہوا۔

۳۔ نصاریٰ کی خیانت سے ہوا ہے۔

۴۔ مغلیوں کی سلطنت و حکومت کی طلبی سے ہوا ہے۔

۱۔ قیادت حکیمہ کا فقدان:۔ (کتاب المغل صفحہ ۲۰۸)

زوال و سقوط حکومتِ عباسی کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں۔ خلیفہ مستعصم باللہ قیادت و رہبری مملکت نہیں کر رہے تھے۔ یہ شخص کسی بھی حوالے سے اس مقام کے لیے مناسب نہیں تھا۔ اسے اپنے ملک و مملکت کو درپیش مسائل کا پتہ نہیں تھا اس کو یہ خبر دی گئی کہ لشکرِ مغل بغداد سے نزدیک ہو رہا ہے۔ تب بھی اس سے مزاحمت کے لیے مقابلے کے لیے تیاری نہیں کی اور نہ ہی وہ بیدار اور بلند ہمت انسان تھے۔ بلکہ وہ قیادت کے مسئلے میں قلیلِ

معرفت، تدبر و فراست سے انتہائی گرے ہوئے انسان تھے۔ مال سے بہت لگاؤ رکھتے تھے اہم امور کو بے اعتنائی سے گزارتے تھے بلکہ اس کو دوسروں پر چھوڑتے تھے۔ قیادت میں طاقت و قدرت کے فقدان کا پہلا سبب اس حکومت کے تمام امور وزراء پر چھوڑے ہوئے تھے۔ لیکن یہ سوال یہاں آجاتا ہے اس ضعف و ناتواں، نااہل کو اس منصب پر بٹھانے کا سرا کہاں ملے گا؟

جو لشکر ان کے پاس تھے اس میں مغلوں کے لشکر سے لڑنے کی طاقت و توانائی نہیں تھی مغل فتح و کامیابی و کامرانی کی ساتھ زندگی کی بہت نچلی سطح پر قانع تھے وہ خیمہ بستی میں رہتے تھے۔ جو چیز ملتی تھی کھاتے انھیں کسی خاص مصارف کی ضرورت نہیں تھی۔ جب کہ اسکے برعکس خلفاء عباسی کا لشکر عیش و نوش میں مستغرق لشکر تھا۔

خلافت عباسی کے سینتیسویں ۳۷ خلیفہ مستعصم باللہ کے بارے میں تاریخ خلفاء سیوطی، بدایہ ونہایہ، ابن کثیر وغیرہ میں آیا ہے یہ شخص پاک و پاکیزہ سیرت کا حامل تھا۔ ابن کثیر نے کہا ہے حسن وصورت کے ساتھ صحیح عقیدہ کا حامل تھا اپنے باپ مستنصر باللہ کے عدل کی پیروی کرتے تھے۔ کثیر العبادات والصدقات تھے، علماء کی تکریم کرتے تھے۔ اپنی ذات کی حد تک صالح تھے لیکن مملکت کو چلانے میں کسی شیخ، امین و مدبر، کے محتاج مند تھے جو عالم اسلامی پر قیادت و رہبری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوتا کہ جنگ کے موقع پر بروقت فیصلہ کریں، دشمنوں کے مقابلے کے لیے امت مسلمہ کی صفوں کو متحد کرے، تفرقہ وانتشار ختم کر کے دور پھینک کر پرچم وحدت کو بلند کریں آپ ایسے اصحاب سِر وبطانت کے محتاج تھے۔

لیکن ان کی بدقسمتی تھی کہ امت اسلامیہ کے طویل عرصہ اقتدار اسلامی سے لاتعلق رہنے کی وجہ سے ان کے گرد وپیش موجود رفقاء ان کی موت اور فناء

کے خواہشمند تھے جبکہ ان کے محافظین ان کو تنہا چھوڑے ہوئے تھے۔ خلیفہ اپنی جگہ شعائر دین کو بلند کرنے میں حسن نیت رکھتے تھے پابند صوم وصلاۃ وزکوۃ تھے فقراء وعلماء کو دوست رکھتے تھے لیکن وہ ہر لحاظ سے امت کی قیادت ورہبری کے لیے ضعیف اور کمزور تھے۔ انہیں صرف خلیفہ بننے کی حد تک تربیت دی گئی تھی انہوں نے زمام حکومت کو ۳۱ سال کی عمر میں سنبھالا اس وقت آپ شباب کے عالم میں تھے۔ اگر وہ اپنے بزرگان کی غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتے تھے تو وہ کر سکتے تھے وہ قبل از وقت اس عہدے سے برطرف ہو سکتے تھے اور اسے ایک صالح شخصیت کے ہاتھ سپرد کر سکتے تھے۔ وہ سوچتے تھے خلیفہ مسلمین راعی مسلمین کے لیے ضروری ہے کہ یہ سلسلہ ہمیشہ ایک خاندان میں ہو، اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت وسیرت میں حق خلافت وزعامت ایک خاندان تک محصور نہیں ہونا چاہیے تھا یہ امت پر چھوڑیں۔ مکافات عمل کا پھل آیا تھا، خلیفہ اپنی تمام اچھی خصلتوں کے باوجود اپنی رائے اور فیصلہ میں شجاعت مند نہیں تھا۔ دوسری طرف امت بھی خلیفہ کے تقدیس واحترام میں طاقت وقدرت کے ذریعے اس کو ہٹانا اپنے دین ومذہب اور امت کے خاطر ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کی سوچ ہی یہی تھی کہ ان کی کرنسی کی حفاظت کرنا ہی ہے۔ عین دین یہ ہی تھا کہ انہیں جوں کا توں برقرار رکھا جائے جس طرح آج کل کے علماء پرستوں کی یہی سوچ ہے کہ علما ہیں تو دین ہوگا، یہ نہیں سوچا یہ دین ہو تو علماء کا بول بالا ہوگا۔ ان کا دین یہی تھا اس خلیفہ کی تائید کریں لہٰذا خلیفہ نے اسلام ومسلمین کے مفاد کا سوچا اور نہ امت نے، یہاں راعی ورعیت اپنی بنیادی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہوئے یا کوتاہی برتنے کی صورت میں انہیں ایک بڑی قیمت ادا کرنا ناگزیر تھا، چنانچہ دونوں نے اپنی اس کوتاہی اور اس سستی کے سبب اپنی بربادی اور تباہی کو خرید لیا۔ امت اور اسلام دونوں کفر اور تاتاریوں کے سپرد

ہوئے، اس دور میں جنہوں نے موقع سے استفادہ کیا وہ منافقین اور مفاد پرست تھے جو ایسے موقع و محل کے انتظار میں تھے۔انہوں نے اپنے صحیح صلاح و مشوروں کو پس پشت ڈال کر بے چارے خلیفہ اور مسلمین کو دھوکا دیا۔

بنیادی عوامل جو کہ اس خلافت کے خاتمے کا سبب بنے:۔

۱۔حکومت عباسی میں عصبیت اسلامی کی کمزوری سے اس کا تصور کمزور ہوتا گیا۔

۲۔علویوں کی مزاحمت بڑھتی گئی۔

۳۔عہد و پیمان کمزور ہوتا گیا۔

۴۔بلاد اسلامی امراء کے ہاتھوں تقسیم ہوئے:

غرناطہ اندلس میں حکومت بنی نصر قائم ہوئی۔جن کا موسس محمد غالب باللہ بن یوسف بن نصر تھا۔یہ ۶۲۱ھ سے ۸۸۹ھ تک قائم رہی۔شمال افریقہ میں حکومت موحدین تھی، ان کے حاکم ابو حفظ عمر مرتضیٰ تھے جو عبد مومن کی نسل سے تھے، ان کا دورانیہ ۵۴۴ھ سے ۶۲۵ھ تک تھا۔ جزائر میں دولت زیانیہ تھی، وہ ۶۳۳ھ سے ۶۸۱ھ تک رہے۔تیونس میں دولت حفصیہ تھی، ان کے حاکم ابو عبداللہ محمد مستنصر باللہ تھے، یہ ۶۴۷ھ سے ۶۷۵ھ تک رہے۔ مراکش میں مرینیہ تھے، ان کے حاکم ابو یوسف یعقوب بن عبدالحق تھے، یہ ۶۵۱ھ سے ۶۷۵ھ تک رہے۔مصر میں دولت مما لک بحریہ تھی ان کے حاکم منصور نورالدین علی ابن معز عزالدین ایبک تھے، یہ ۶۵۵ھ سے ۶۵۸ھ تک تھے۔یمن میں حکومت رسولیہ تھی یہاں حاکم مظفر بن یوسف بن منصور عمر بن علی بن رسول ۶۴۷ھ سے ۶۷۴ھ تھی۔صنعاء میں زیدیوں کی حکومت تھی یہاں شمس الدین احمد ۶۵۱ھ سے ۶۸۰ھ تک رہے۔روم میں سلاجقہ کے رکن الدین خلیج ارسلان چہارم ۶۵۵ھ سے ۶۶۶ھ تک رہے۔ فارس میں تابکیہ ابی بکر ابن سعد بن زنگی، ۶۲۳ھ سے ۶۵۸ھ تک رہے۔

بولوورستان میں اتابکر وکلی بن حراع ۶۵۰ھ سے ۶۵۷ھ تک رہے۔ کرمان میں دولت قطلع خاتون ۶۵۵ھ سے ۶۶۱ھ تک رہی۔

۲۔ مصر، شام، حجاز، یمن یہ جگہیں کلی طور پر صلاح الدین ایوبی کے فرزندوں کے تسلط میں تھیں۔ ان کے پوتوں کے کردار بھی اپنے جد کی سیرت سے مختلف ومتضاد تھے۔ وہ لوگ بھی اقتدار کے لیے آپس میں دست وگریبان تھے اور بالآخر وسیع العریض سلطنت ایوبی ان کے درمیان تقسیم ہوئی۔ صلیبیوں کو دو جگہ بری طرح سے شکست دینے والے آج خود چھوٹی چھوٹی مملکتوں میں بٹے۔ شام مصر سے الگ مستقل حکومت بنی، اسی طرح حجاز، یمن، شام سے الگ ہوئے۔ خود شام بھی کئی ریاستوں میں تقسیم ہوا۔ فلسطین اردن سے الگ ہوا وہ زمین جو صلاح الدین نے صلیبیوں سے لی تھی۔ وہ دوبارہ انہی کے قبضہ میں چلی گئی۔

۳۔ مغرب اور اندلس: یہ جگہ مواحدین کے قبضے میں گئی سابق زمانہ میں یہ ایک بڑی قدرت مند وسیع حکومت تھی لیکن ابتدائی ساتویں ہجری میں یہ بھی اپنی آخری سانسیں لینے لگی۔

ان کے علاوہ چند اور وجوہات بھی تھیں۔

۱۔ مملکت اسلامی میں صالح، لائق قیادت کا فقدان۔

۲۔ مسلمانوں کے اندر سے فریضہ جہاد سے چشم پوشی۔

۳۔ عالم اسلام وحدت سیاسی کھو چکے اور ٹکڑوں میں مستقل حکومتیں قائم ہوئیں جبکہ خلافت صرف برائے نام تھی۔

۴۔ لشکر عباسی اپنی عدہ وعدد میں انتہائی ضعیف ناتوان، ناقابل مواجہ لشکر مغلیہ بنے ہوئے تھے۔

۵۔ عباسی حکومت فکر اسلامی، حتیٰ عصبیت اسلامی کھو چکی تھی، دنیائے کفر سے اس وقت تک مقابلہ کرنے، مزاحمت کرنے کی طاقت انکے پاس

عصبیت اسلام کی بنیاد پر تھی۔ اب ان کے پاس عصبیت اسلام نامی بھی کوئی چیز نہیں تھی بلکہ یہ وراثت خاندان کو بچانے کی حد تک پہنچے تھے۔ یہ اسے ایک مہمل انداز میں چھوڑے ہوئے تھے جیسے اپنے ایک آزاد کردہ غلام کو کسی شخص کے سپرد کیئے ہوئے تھے۔

٦۔عہد وعہود کا کوئی پابند نہیں تھا۔

۷۔ ہر جگہ سے پسپائی، عقب نشینی ان کے ضعف و ناتوانی کا سبب بنی۔

۸۔اب مراکز قوت خلافت عباسی نہیں تھے بلکہ الگ الگ امارات، ریاستیں تھیں، مسلمان علاقے اور مسلمان ایک دوسرے سے مربوط نہیں تھے بلکہ ایک دوسرے کی شکست کا نظارہ کر رہے تھے چنانچہ انہوں نے خوارزمیوں کی مغلیوں کے ہاتھوں شکست ہونے کیلئے دور سے نظارہ کرنے پر اکتفاء کیا۔

۹۔نصاری چھ سو سال تک مسلسل مسلمانوں کے مہزوم، اسلام کی مہزوم قوم تھی وہ اس وقت حلیف مغل اور سقوط حکومت عباسی کے خواہاں تھے۔

۱۰۔اس وقت زمام امور سنبھالنے والے حکام مسلمین خود خلافت عباسی کے سقوط کے خواہاں تھے ان میں براق حاجب حاکم کرمان اور اس کے اطراف والے اتابک، اقلیمی فارس کا حاکم بدرالدین ،لولو موصل کا حاکم، سلاطین سلاجقہ، جنوب ایشیاء اور علوی حکومت کے خواب دیکھنے والی جماعت، سب عباسی حکومت کے زوال کے خواہاں تھے۔

۱۱۔عیش ونوش اسراف وتبذیر امت اس حکومت کے زوال کا سبب بنی۔

۱۲۔اوضاع اقتصادی اور کساد بازاری زراعت، صنعت، پیداوار سب بدترین حالات کا شکار تھے اور عوام الناس ایک نئے تغیر وتبدیلی کے متمنی تھے۔

۱۳۔بغداد بدترین فرقہ واریت کا شکار رہا ہر آئے دن شہریوں میں

شیعہ و سنی کا فساد بڑھتا گیا۔

۱۴۔محمد بن محمد بن علی بن ابی طالب علقمی جو کہ وزیر معتصم تھا اس نے ہلاکو کو اسلامی مملکت میں داخل ہونے کی حوصلہ افزائی اور جرات وہمت دلائی، خلیفہ سے کہہ کر انہوں نے ایک سیاست خبیثہ کے تحت اپنے لشکر کو کم کیا ہے۔

۱۵۔اگر پانچویں صدی تک حکومت کے زوال ونیستی کے اسباب کو تلاش کریں تو اس کی برگشت مستعصم عباسی کی طرف جاتی ہے۔اگر اس سے پیچھے جائیں تو مملکت خلفائے عباسی کا نظم ونسق کبھی سلاجقہ، کبھی آل بویہ، کبھی ترک اور کبھی فارس کے حوالے کرنا بھی خلافت کے زوال کا ایک سبب ہے۔ جس دن سے خلیفہ نے عسکری قیادت کے قائد کو تاج وخلعت سلطانی پہنایا وہ دن بھی خلافت کے سقوط کا پہلا دن کہا جا سکتا ہے۔اگر اس سے پیچھے جائیں تو خلافت کے زوال کے اسباب معاویہ کے وہ اقدامات قرار پاتے ہیں جہاں انہوں نے مسلمانوں کے خلیفہ شرعی حضرت حسن کو لشکر کے اسلحے کی نوک پر خلافت سے تنزلی پر مجبور کیا اور اس سے پہلے حیلہ و بہانوں سے خلافت علی کو متزلزل کیا۔اگر آپ سقوط خلافت کے سلسلے میں زیادہ واضح و روشن سبب کے متلاشی ہیں تو جان لیں کہ اس کا سہرا بغیر کسی استثناء اموی، عباسی اور ہاشمی خلفاء میں سے ان تمام خلفاء کو جاتا ہے جنہوں نے مصلحت اسلام و مسلمین اور مصلحت مملکت سے زیادہ اپنی نفسانی خواہشات اور خاندانی ترجیحات کو ترجیح دی۔ان تمام خلفاء میں چاہے وہ اچھے تھے یا بُرے ، جو چیز مشترک تھی وہ ان کی یہ خواہش تھی کہ یہ خلافت ومنصب میرے بعد میرے خاندان میں ہی رہے چاہے خاندان سے باہر اس کے لئے زیادہ اہل وقابل افراد ہی کیوں موجود نہ ہوں ۔ چنانچہ جس دن سے خلیفہ نے اس جھنڈے کو اپنے خاندان میں گاڑا، اسی دن سے خلافت کا زوال شروع ہوا۔

اسباب سقوط وزوال حکومت عباسی۔

اسباب سقوط وزوال حکومت عباسی کا ایک سبب خلیفہ واثق باللہ دسواں خلیفہ عباسی کے اپنے دور اقتدار میں نظام انتظامی ودفاعی دونوں عسکریوں کے تصرف میں دیا۔ یہاں سے ہمارے ملک پاکستان کے حالات ناگفتہ بہ کا بھی ان سے موازنہ کرنا بے مناسب نہیں ہوگا کہ اس ملک میں بھی ایک عرصہ دراز سے ایسے ہی صورت حال کا سامنا ہے بعض کی نظر میں نامناسب ہی نہیں بلکہ ضروری ہی ہوگا، کیونکہ یہاں تدارک ممکن ہے، وقت گزاری نہیں ہے۔ یہاں یہ کہنا قطعا درست نہیں ہوگا اگر فوجی حکومت مداخلت نہ کرتے تو ہمارا ملک اس وقت کہاں سے کہاں پہنچا ہوتا۔ اس کا تجزیہ کرنے کے لئے کسی سیاسی پارٹی کے رہنما یا گرویدہ کو بلائیں یا باسی تجزیوں کو نئے تجزیہ کی صورت میں پیش کرنے کیلئے کسی کو تو نہیں کہیں گے، لیکن ہم یہاں مہندس ریاضی کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس کا تجزیہ کریں۔ ان دونوں یعنی سیاسی انتظامیہ اور عسکری قیادت میں ملک وملت کی قیادت کس کے ہاتھ میں دیں تو بہتر ہوگا؟

اس میں جائے شک وتردید نہیں مسلح افواج کے کاندھوں پر مملکت کی سرحدوں کی حفاظت سب سے زیادہ وزنی ہوتا ہے اس بوجھ کو ہلکا کرنا اس سے استراحت لینا دین وملک کے ساتھ ظلم وزیادتی اور خیانت عظمی تصور ہو گی۔ اس صورت میں ان کا داخلی نظام سنبھالنا قطعاً بطور یقینی ملک کے لئے ناقابل تلافی زیان وخسارے کا سبب بنتا ہے، یہ اپنی جگہ سو نہیں دو سو فیصد درست ہے۔ لیکن خود سرحدوں کی حفاظت پر توجہ مرکوز کر کے اندرون ملک کا نظام سیاسی چوروں کے لیے آزاد چھوڑنا کہ وہ خزانہ ملکیت کو جہاں کہیں نقل کرنا چاہیں، گوشہ وکنار میں آف شور بنائیں اپنے ملک کی داخلی صورت حال کو بھول جانا، نظر انداز، چشم پوشی کرنا بھی ایک بڑا جرم وخیانت ہوگا۔ اس

کے علاوہ ملک میں بھائی بھائی سے لڑانے ، آتش فتنہ وفساد پھیلانے کی آگ روشن کرنے کی سیاست کریں، قرضوں پر قرضہ حکومتی اخراجات میں ہر شش ماہی اضافہ کرتے جائیں اورامن عامہ تباہ کریں تو یہ چاک و چو بند دستے کس چیز کی حفاظت کریں گے؟ کس کام میں آئیں گے؟۔

۲۔ ہرایک مسلح افواج کی ذمہ داری تو بتاتے ہیں لیکن سیاسی انتظامیہ کی ذمہ داری کیا ہے یہ بتانے سے گریز کرتے ہیں۔ یہاں جمہوری حکومت کی کتب لغات اور سیاسی میں جو تعارف پیش کیا جاتا ہے وہ اور جو جمہوری حکومت کر کے دیکھا رہی ہے اس میں آپس میں تضاد نظر آتا ہے۔ جمہوری حکومت کی تعریف یہ کی گئی ہے ''عوام کی حکومت عوام سے عوام کے ذریعے'' لیکن یہاں جو چیز نظر آتی ہے وہ سیاسی پارٹیوں کے بعض ملکی اور بعض بین الاقوامی سند یافتہ ٹھیکیدار ہیں۔اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے ملک میں ہندو و مسیحیوں کے مسلمان ہونے پر پابندی، ازدواج کی عمر کو اسمبلی میں آگے بڑھائیں، نابالغ لڑکیوں کی زیادتی کو معمول بنائیں، مندر حکومت کے خرچ پر بنائیں۔ یہاں کے عوام سے جمع کردہ ٹیکس کے پیسوں سے ملک کو چلانے کا ٹھیکہ ان کو دیا جاتا ہے، یہاں ہر عام وخاص جانتے ہیں ٹھیکیدار کتنی دھاندلی کرتے ہیں، کتنے میں بناتے ہیں اور کتنے لوٹتے ہیں۔اس کا اندازہ وکی لیکس ،این اراو، پانامہ لیک، ڈاکٹر عاصم ، ایم کیو ایم میں اور اداروں جیسے ریلوے یا پی آئی اے میں سب نے دیکھا ہے۔ ملک لوٹنے کیساتھ آپ تو اسلام و مسلمین سے عداوت ودشمنی برتے ہوئے ہیں۔ ہر چند مہینے میں ملک کے خزانہ لوٹنے والے، نوش کرنے والے، ۹۸ فیصد مسلمانوں کا ٹیکس کھانے والے، ہندوں اور مسیحیوں کے حق میں مسلمانوں سے مقابلے ومزاحمت ،اہانت و جسارت کا برملاء ارتکاب کرنے والوں کی حمایت کرتے آئے ہیں۔ اگر مسلح افواج اس صورت سے شہریوں کو رہائی

دینے کیلئے مداخلت نہ کرتے ضرب عضب کا اعلان نہ کرتے دہشت گردوں کو کیفر کردار تک نہ پہنچاتے تو یہ ملک تاریخ کا پرانا شہر بنتا۔

اقتدار اعلیٰ پر جو شخص آ جائے اس کے اندر سے دین اور ضمیر نکل چکا ہو، چاہے وہ فوج کے نام سے ہو یا جمہوریت کے نام سے، صدر کے نام سے ہو یا وزیر اعظم، حزب اقتدار ہو یا حزب مخالف، ان کا کوئی دستور آئین نہیں ہوتا ہے۔ آرمی چیف کی مدت میں ترمیم کرنے کی مذمت کرنے والے آئین میں توسیع کر کے اقتدار پر آتے ہیں، اپنے چہیتوں کی مدت ملازمت بڑھاتے ہیں یا پھر عبوری خاص مدت کے لیے رکھتے ہیں۔ ان پر سورہ قصص آیت کی ۸۳ صادق آتی ہے ''یہ ملک وملت کی خاطر نہیں زروزیوارات کے خاطر آتے ہیں'' پاکستان میں بڑے بڑے جرائم معاف کرنے، لوٹے قرضے معاف کرانے جیسے اہداف ہوتے ہیں۔ بہر حال ۱۴۳۶ھ تا ۱۴۳۸ھ میں پاکستان کی مسلح افواج کے اعلیٰ قیادت آنیوالے سالوں میں آنے والوں کیلئے نمونہ رہیں گے۔ تمام قیاس آرائیاں پاش پاش کر کے کمال اطمینان سکون قلبی سرخروی میں عہدہ عزیز کو ضمیر وجدان کو عزیز سمجھ کر رخصت ہوئے، امید قوی ہے آئندہ کے قائد اپنے ہاں اور سیاسیوں کے ہاں ملک دوستی، ضمیر و وجدان کی پاسداری کا درس دیتے رہیں گے۔

بنی عباس ''رضا بہ آل محمدؐ'' کے نام سے خلافت کی کرسی پر قابض ہوئے اور گزشت زمان کے ساتھ عیش ونوش اور لذت وشہوت رانی میں مستغرق ہوتے گئے۔ غرور وتکبر، فضلیت و برتری، بزرگ نمائی اور شاہانہ انداز کی زندگی اور خود پرستی سے جلد ہی اسلام سے دور ہوتے گئے اور اسلام، قرآن اور سنت وسیرت پیغمبرؐ ان کیلئے ایک اجنبی شکل وصورت اختیار کر گئے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ اب آل محمدؐ کا نام لینے پر مطمئن نہیں تو ''معتصم'' فرزند ہارون رشید برادرِ مامون نے خلافت سنبھالنے کے بعد

اپنے لقب میں ''باللہ'' کا اضافہ کیا تا کہ لوگوں کو یہ سمجھا کر مطمئن کریں کہ ہم بلاوسطہ ''اللہ'' سے دستور لیتے ہیں اور ہماری وابستگی اللہ ہی سے ہے چنانچہ ان کے بعد قرآن اور سنت محمدؐ سے ہٹ کر اقتدار چلانے والوں نے یہی شعار اٹھایا کہ ہم خود بطور مستقل اللہ سے ہدایت لیتے ہیں یا اللہ نے امین موکل کیا ہے۔ چنانچہ انقلاب فرانس سے پہلے سلاطین مسیحی یہی کہتے تھے اس کو میوقراطی حکومت کہتے ہیں۔

شیخ محمد خضری اپنی کتاب دولت عباسیہ ص ۴۰۵ پر لکھتے ہیں ابن طباطبا نے کہا ہے مستعصم ایک نیک دین دار خوش طبیعت پاک زبان انسان تھے اللہ کی کتاب کا حافظ تھے اور خطات بھی ان کا اخلاق نیک تھا لیکن رائے میں کمزور قوت شجاعت میں ضعیف امور مملکت میں نا آگاہ لوگ ان کے بارے میں طمع خواہش رکھتے تھے لوگوں کے دلوں میں ان کی ہیبت نہیں ہوتی تھی وہ خود حقائق کے بارے میں اطلاع نہیں رکھتے تھے وہ اکثر و بیشتر گانا سنتے اور ہنسی مذاق میں وقت گزارتے تھے بعض اوقات کتاب خانوں مین ایسے بیٹھتے تھے ان کے ساتھی ان پر حاوی مسلط تھے سب جاہل پست عوام تھے جو سمجھدار جاننے والے شخص تھے وہ موئدالدین محمد بن علقمی تھے ان کا لوگوں میں بڑا مقام تھا اپنے دور کے عاقل انسان تھے مستعصم نے اس کا ہاتھ باندھا ہوا تھا اس کا قول مردود تھا وہ پس پشت رہنے کے خواہش مند تھے۔

مورخین لکھتے تھے بدقسمتی سے اس دور میں اہل سنت و شیعہ بغداد میں نزاع میں تھے اور یہ نزاع جنگ و جدال میں منتہی ہوتا تھا۔ وہ اپنے انجام حالات سے غافل تھے مستعصم کا وزیر اس وقت پریشان رہتا تھا کہ ان پر اہل سنت کا دباؤ تھا جو کہ اس شہر کی اکثر آبادی تھی۔ وزیر خلیفہ کو اس وجہ سے بری نظر سے دیکھتا تھا کیونکہ عباسی خاندان اہل سنت سے تعاون کرتا ہے اور شیعہ چاہتے تھے خلافت بیت عباسی سے نکلے، اتفاق سے مستعصم کی خلافت کے

آخری دنوں میں اہل سنت نے کرخ پر حملہ کیا، یہ محلّہ شیعوں کا تھا وہاں کے اہل کو ذلیل کیا، قتل میں اسراف کیا، ان کے گھروں کو غارت کیا اور یہ حکم اس وقت کے خلیفہ مستعصم کے ایک بیٹے نے دیا تو اس وقت مؤیدالدین نے ہلاکو کو دعوت دی کہ وہ بغداد میں آئے، ان کو طمع دی اور رغبت دلائی۔ مؤید الدین کی تمام تر خواہش کوشش یہ تھی کہ خلافت عباسی ختم ہو جائے ان کو یہ پروا نہیں تھی کہ خلافت عباسی کے سقوط کے بعد مملکت کس کے ہاتھ میں آجائے۔

یہ مراسلہ وزیر کی طرف سے ہلاکو کو بہت امید بخش اور تسلی دہندہ، ہمت افزاء، حوصلہ افزاء بنا کہ وہ اپنی خواہشات کو پورا کریں۔ اکثر مورخین اس سلسلہ میں ابن علقمی کو متہم کرتے ہیں یہاں تک ابن وردی نے تاریخ میں اس تہمت کی تائید میں لکھا ہے ''انہوں نے ایک خط ابن علقمی کو لکھا کہ کرخ جو غارت ہو گیا ہے وہ محترم ہے بساط نبوی کو چیدا کیا گیا، عترت علوی غارت ہوئی، ہاشمین کو اسارت میں لیا گیا''۔ ابن طباطبا علوی اس تہمت کو ابن علقمی سے رد کرتے ہیں اس نے تاریخ میں لکھا ہے لوگوں نے نسبت دی ہے کہ ہلاکو کے حملہ میں وہ شامل ہے حالانکہ ایسا نہیں اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ جب بغداد کو فتح اور خلیفہ کو قتل کرنے کی یقین دہانی کرائی تو تتاریوں نے مملکت کو اس وزیر کے سپرد کیا اور اس کے ساتھ نیک سلوک کیا اختیارات ان کے ہاتھ میں دیا؟ اگر انھوں نے خلیفہ کی حمایت کی ہوتی تو ہلاکو ان پر اعتماد نہیں کرتے۔

ہلاکو کا جیش ابرہہ آیا ۱۶ محرم ۶۵۶ھ کو بغداد پہنچا اور تمام جنگی سامان کو اتارا اس وقت خلیفہ کے پاس اس سیلاب کو روکنے کے کوئی وسائل نہیں تھے، اس نے صرف اندر سے تالا لگانے پر اکتفا کیا تھا لشکر ہلاکو نے بغداد پر حملہ کیا دس دن نہیں گزرے بغداد ان کے قبضہ میں آگیا۔ جب خلیفہ نے یہ دیکھا تو

وہ ہلاکو کے پاس گیا۔ ہلاکو نے ان کو کہا کہ بغداد کا ایک دروازہ کھولنے کی اجازت دیں، لوگ اس دروازہ سے اندر داخل ہو جائیں اور بغداد کو غارت کریں پھر حکم دیا خلیفہ کو حاضر کریں اس کے سامنے خلیفہ حاضر ہوئے خلیفہ نے ہلاکو کے سامنے جواہرات سے بھرے برتن رکھے تو ہلاکو نے اس کو اپنی امراء میں تقسیم کیا ۱۴ صفر ۶۵۶ھ کو وہ بغداد سے نکل گیا اور اپنے ساتھ خلیفہ کو لے کر گیا پہلے منزل پر اس کو اور اس کے بیٹے کو دیگر چھ آدمیوں کے ساتھ قتل کیا اس قتل کے ساتھ بغداد سے خلافت عباسی کا سورج غروب ہو گیا۔ مغل بغداد پر حاکم ہوئے شیعہ اور نصاریٰ کو تحفظ ملا اس دن سے بغداد دار الخلافہ کفر و الحاد ہو گیا۔

[تاریخ دولت اسلامیہ تالیف مستشرق بولونیہ، خریجہ جامعۃ الازھر ص ۳۶۰]

لکھتے ہیں کہ خاندان عباسی نے ۱۳۲ھ کو خلافت اسلامی سنبھالی اور ان کی خلافت نے ۶۵۱ھ تک دوام پائی۔ سب سے پہلا خلیفہ ابو العباس السفاح اور سب سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ ہے جسے ہلاکو کے سامنے اس کے حکم پر قتل کیا گیا۔ بنی عباس کو مشرق سے بلند ہونے والے سیاہ پرچموں نے خلافت پر بٹھایا اور یہی سیاہ پرچم دوبارہ مشرق سے آئے اور ان کی خلافت کا خاتمہ کیا اور بغداد کو ویران کیا۔ اس طرح اس وقت کی جنت نظیر دنیا ویران ہوگئی۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں مشرق سے ہی ان کی سعادت کا شمس طلوع ہوا اور اس ہی مشرق سے ان کے شقاوت بدبختی کے ستارے نکلے۔ یہ ۵۳۴ سال خلافت پر رہے ان کا یہ دورانیہ پانچ ادوار میں تقسیم ہوتا ہے۔

۱۔ ۱۳۲ھ سے لے کر ۲۳۲ھ تک: یہ ان کی خلافت کا اوج، سیادت اور آقائیت کا نمایاں مظہر تھا۔ پورے عالم اسلامیہ پر (سوائے اندلس کے) احاطہ رکھتے تھے۔ سب ان کے امر و نہی کے سامنے خاضع و خاشع تھے۔ اس دور میں تقریباً ۹ خلیفہ گزرے جن میں ابو العباس سفاح، منصور، مہدی، ہادی

، ہارون رشید، امین ، مامون، معتصم ، واثق رہے۔ان کی مدت خلافت ۱۰۰ سال تھی۔

۲۔۲۳۲ھ تا ۳۳۴ھ: یہ دور بھی تقریباً ۱۰۰ سال پر محیط رہی۔اس میں ان کی ہیبت وقدرت نے تنزلی اور پستی کی طرف رخ کیا۔ان کی عظمت وبزرگی میں کمی آنا شروع ہوئی۔اور مملکت اسلامی تقسیم ہونے لگی۔جو امراء اطراف میں ان کی نمائندگی کرتے تھے، وہ استقلال کا اعلان کر چکے تھے یہاں تک کہ سب مستقل ہوئے۔ان کے ہاتھ میں سوائے عراق فارس اور اہواز کے کچھ باقی نہیں رہے۔خود بغداد میں ان کے وزیر حکومت کرتے تھے۔

۳۔۳۳۴ھ سے ۴۴۷ھ: تک ۱۱۳ سال کی مدت بنتی ہے۔اس دور میں خلافت برائے نام تھی۔سلطنت حقیقی فارس، دیلمیوں کی تھی۔گویا خلیفہ ان کے تنخواہ خوار تھے، یہ لوگ خلفاء کے مراتب دیکھتے تھے کہ ان کا گزر اوقات کتنے میں ہوتا ہے۔ان کی کوئی حکومت نہیں تھی کوئی اختیار نہیں تھا خلفاء اپنی جگہ مطاع تھا۔یہ لوگ شیعہ غالی تھے حضرت علی کی فضیلت ہی ان کا دین تھا۔اس کے باوجود عباسی خلفاء کی بقا چاہتے تھے تا کہ ان کے ذریعے اپنا تحفظ کریں، لہٰذا جب وہ ان کی بقا کے لئے خطرہ بنتے تو انہیں قتل کرتے تھے یا معزول کرتے تھے۔اس دور میں پانچ خلیفہ مستکفی، مطیع، طالع، قادر اور قائم گزرے ہیں۔جن کی اوسط مدت خلافت ساڑھے بائیس سال رہی ہے۔

ایک طویل عرصے چھ سو سال تک خلافت اسلامی کو صرف خاندان ابی عباس میں محصور رکھنے اور اسکو تبرک کرنے کی منطق کس عقل، قرآن وسنت سے ماخوذ ہے ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کونسی قوی اور مستند دلیل پر یہ قائم ہے۔لیکن حیرت اور افسوس کی بات یہ ہے کہ موجودہ دور جمہوریت میں

بھی جمہوریت پرستوں نے پاکستان کے حکومتی وارث کو بھٹو کے خاندان سے جوڑا ہوا ہے۔عورت کی حکمرانی کے مخالف بھی ان کے حق میں ہیں ۲۵ سال کی شرط لگانے والے نے بھی ان کے بچے کو وارث بنایا ہوا ہے۔

۴۹۷ھ سے ۵۹۰ھ کا دور: اس دور میں حکمرانی سلاطین سلجوق کو حاصل تھی اور سلجوق خلفا کا احترام کرتے تھے اس دور میں سات (۷) خلفائے بنی عباس گزرے ہیں۔

۵)۔۵۹۰ھ سے ۶۵۶ھ کا دور: خلافت بنی عباس کے آخری خلیفہ معتصم باللہ کو خلافت حاصل تھی ''ہلاکو'' نے انہیں اور انکے بیٹوں کو قتل کر کے ہمیشہ کیلئے خلافت بنی عباس کا خاتمہ کر دیا۔عباسیوں کا پانچواں دور ۶۶ سال پر محیط ہے۔اس میں وہ کسی فوج کے زیر نگرانی نہیں تھے۔خود تنہا عراق کے حاکم تھے۔اس دور میں تتار حرکت میں آئے۔ترکمانستان سے اٹھنے والوں نے سیلاب مانند بلاد اسلامی کو نشانہ بنانا شروع کیا یہاں تک ہلاکو چنگیز خان کے پوتے کے ذریعے ۱۴ صفر ۶۵۶ھ کو خلیفہ مستعصم اور اس کے بیٹے کے قتل سے خلافت بغداد میں اپنے اختتام کو پہنچی لیکن یہاں سے فرار یا روپوش ہونے والے خاندان ۶۵۸ھ میں مصر آئے تو وہاں کے بادشاہ ظاہر بیبرس نے انہیں خلافت عباسیہ کی خلعت پہنائی یہاں تک بغداد کی مانند عزل نصب جیل قتل وغیرہ جیسے حالات رہے پندرہ افراد نے لباس خلافت پہن لیا۔آخری خلیفہ متوکل علی اللہ نے ۹۴۰ھ میں وفات پائی۔

یہ منطقی علاقہ جہاں سلاجقہ روم کی حکمرانی تھی۔سلاجقوں کی اصل رومی ترکیوں سے ملتی ہے۔سلاجقہ قدیم زمانہ سے میدان جنگ و جہاد میں آزمودہ گروہ تھے۔ان کا سابقہ دور قائد سلجوقی ارسلان سے ملتا تھا۔سلاجقہ پہلا بادشاہ ہے جنھوں نے فرقہ واریت کا فتنہ پھیلایا اور ان کے تصرفات سے بغداد میں موجود مکتبہ کو گرایا گیا جسے ابونصر ثابور نے بنایا تھا کہتے ہیں ۴۴۸ھ کو

ابو جعفر طوسی بغداد سے فرار ہوئے اور ان کے گھر کو لوٹا گیا ۴۴۹ھ میں ان کے گھر کو غارت کیا گیا۔ سلاجقہ کی حکومت ایران اور بغداد میں ۴۴۷ھ سے ۵۵۲ھ تک چلی۔ ملوک سلاجقہ نے بغداد میں کم قیام کیا وہ زیادہ تر ایران میں قیام کرتے تھے ان کا مرکز اصفہان تھا۔ ان کے دور حکومت میں الپ ارسلان نے مدرسہ نظام الدین کی تاسیس کی جو نظام الملوک سے مربوط تھے اور وزیر ارسلان تھے پھر ان کا بادشاہ ملک شاہ بنا۔ سلسلہ سلاجقہ ۴۵۷ھ سے ۲۷ھ تک مختلف جگہوں پر موجود رہا جسے ابن بطوطہ نے دیکھا ہے لیکن آج ان کا کوئی اثر نشانی نہیں ہے۔

زوال خلافت عباسی میں شیعوں کا کردار:۔

معروف و مشہور ہے خلافت عباسی کے زوال میں محمد بن احمد ملقب بہ علقمی کا کردار رہا ہے لیکن بعض نے اسے مسترد کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ بنیادی طور پر حملۂ ہلاکو میں یہ سب موئدالدین پر الزام تراشی ہے، وہ اس سے بری ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ واقعا خلافت عباسی کتنی ہی بری کیوں نہ ہو، مجرم کیوں نہ ہو، مسلمانوں کے حاکم تھے، انہی مسلمانوں نے ان کو سیدھا کرنا تھا، لیکن اسے سیدھا کرنے، متنبہ کرنے کی بجائے اس کا خاتمہ کرنے کیلئے کفر و شرک سے سہارا لینا اور کفر و شرک کو بسانا عقل و منطق و شریعت کے خلاف ہے لہٰذا علماء نے ایسے کردار سے سختی سے منع کیا ہے۔

ہم یہاں پر دیکھیں گے موئدالدین علقمی کے علاوہ دیگر علماء شیعہ کا اس میں کیا کردار رہا؟ کیا وہ غیر جانب دار رہے یا مثبت کردار کیا؟

ا۔ اس سلسلہ میں ایک قابل ذکر شخصیت نصیرالدین طوسی کی ہے کیونکہ وہ لشکر ہلاکو میں تھے۔ علی دوانی اپنی گراں قدر کتاب مفاخر اسلام ج ۴ ص ۸۴ میں خواجہ نصیرالدین طوسی کے عنوان پر لکھتے ہیں خواجہ نصیرالدین طوسی ہمارے بڑے دانشمندوں میں سے ہیں۔

۲۔ سید رضی الدین طوسی جو اس وقت بغداد میں تھے ان کا اس سلسلہ میں کیا کردار تھا؟

۳۔ ہلاکو نے بغداد میں داخل ہونے کے بعد شیعوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

دوانی صاحب مفاخر اسلام ج ۴ ص ۵۸ پر سید بن طاؤس کا ذکر کرتے ہیں، سید بن طاؤس صاحب کثیرہ علوم پر عبور رکھتے تھے اور صاحب تالیفات کثیرہ تھے۔ جوانی حلہ میں گزاری پھر وہ بغداد منتقل ہوئے اور بغداد میں زہرا خاتون دختر ناصر بن مہدی وزیر کے داماد بنے۔ ۱۵ سال انہوں نے بغداد میں توقف کیا وہ اس دوران موئد الدین ابن علقمی وزیر معتصم اور ان کے بھائی سے خاص گہرا رشتہ قائم ہوا۔ مستعصم عباسی نے ان کو مفتی اعظم کی پیشکش کی لیکن سید نے اسے مسترد کیا۔ مستعصم عباسی نے ان کو بہت پیشکش کی تھی لیکن سید نے سب کو مسترد کیا۔ مستنصر باللہ نے سید بن طاؤس سے پوچھا اگر آپ ہم سے منصب لینے سے اجتناب برتتے ہیں آپ سے پہلے سید مرتضی سید رضی وغیرہ نے جو منصب لیا ہے اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو سید بن طاؤس نے کہا کہ وہ لوگ سلاطین آل بویہ کے دور میں تھے لہٰذا انہیں اجازت تھی ان کے ساتھ کام کریں۔ حتیٰ انہوں نے کہا کہ ہمارے دربار میں بیٹھیں خلیفہ کی صحبت میں رہیں تو اس کو بھی انہوں نے مسترد کیا۔ مستنصر نے ۶۴۰ھ کو وفات پائی وہ نیک انسان تھے انہوں نے مدرسہ مستنصریہ بنایا تھا۔

ایک دن سید بن طاؤس نے مستنصر عباسی سے اجازت مانگی کہ وہ خراسان میں زیارت امام رضا کو جائیں گے انہوں نے اجازت دی وہ آمادہ سفر ہوئے تو اس وقت مستنصر نے ان کو پیغام دیا کہ ہم آپ کو اس لئے اجازت دیتے ہیں کہ اس سفر میں آپ ہم اور بادشاہان مغل کے درمیان

میانجی کریں سفارتی کام کریں آپس میں تعلقات وروابط کو بہتر بنائیں۔تو رضی الدین نے کہا مجھے اس میں کوئی کارنیک نظر نہیں آتا ہے بہرحال انہوں نے اس پیشکش کو بھی مسترد کیا اور وہ زیارت پر جانے سے بھی منصرف ہوئے۔آخر میں رضی الدین خلفاء کی پیشکش کو رد کرتے ہوئے بغداد چھوڑ کر حلہ روانہ ہوئے۔وہاں سے وہ کربلا گئے اور وہاں سکونت اختیار کی وہاں تصنیف وتالیف میں مصروف ہوئے۔

خواجہ نصیر الدین کے بارے میں مؤرخین علماء کا کہنا ہے کہ وہ طوس میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی خواجہ اپنے بچپن میں طوس میں رہے اور تعلیم وتربیت بھی وہیں پر حاصل کی۔ دوانی مفاخر اسلام ص ۹۱ پر لکھتے ہیں حسن صباح کے دور میں خواجہ نظام الملک سے حسد کرتے ہوئے نظام الملک کے ہم درس تھے۔حسن صباح، حکیم عمر خیام اور نظام الملک تینوں میں دوستی تھی، جب نظام الملک سلجوقی کے وزیر ہوئے تو نظام الملک نے حسن صباح اور عمر خیام کو اپنا رقیب حریف گردانا انھیں حکومت میں جگہ نہیں دی، ان کا احترام نہیں کیا، جس کے نتیجہ میں حسن صباح اور حکیم عمر خیام نظام ملک کے رقیب بنے تلخ زندگی گزاری۔حسن صباح نظام ملک سے انتقام لینے کا سوچ رہے تھے۔

ان دنوں میں مصر میں خلفائے فاطمی تھے جو خلفائے بنی عباس کے رقیب تھے۔حسن صباح اپنے لئے موقعہ ومحل و مقام بنانے کیلئے مصر میں خلفائے فاطمی سے ملنے گیا۔حسن صباح نے اپنے مطلب کو نکالنے کیلئے قلعہ الموت کو پناہ گاہ بنایا جو کہ قزوین میں تھا۔حسن بن زید علوی ''داعی کبیر مازندران'' تھے جو مرکز فعالیت ضد نظام الملک تھا جو خلفائے بنی عباس کے وزیر تھے۔

خواجہ قلعہ اسماعیلیہ میں:۔ [مفاخر اسلام ج ۴ ص ۹۱]

ملک شاہ سلجوقی کی حکومت وسلطنت کے دوران حسن صباح ایک مرد نابغہ روزگار، با ہوش و زیرک، مورد رشک و حسادت خواجہ نظام الملک طوسی قرار پائے۔ نظام الملک اپنے دور میں اندر سے حسن صباح اور حکیم عمر خیام سے حسد رکھتے تھے۔ قلعہ موت ۴۸۳ھ میں اس وقت تک سات بادشاہان اسماعیلی وہاں رہتے تھے۔ یہ جگہ پورے ایران وعراق میں سب سے زیادہ مستحکم تھے۔ حسن صباح نے اپنے پیروکاروں سے اس مدت میں اپنے مخالفین کو مروایا، قتل کیا، ان میں سرفہرست نظام الملک اوران کے بیٹے تھے۔ اور تنہا وہ ہی نہیں ان کے مال اوران کے مخالفین کے مال کو بھی غارت میں لے لیا۔ اس وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اس سے خوف و ہراس اور نفرت تھی اس طرح کہ خلیفہ وقت کو لوگ بتاتے تھے۔

اسماعیلی متہم تھے ان کو ۶۰۸ھ میں جلال الدین حسن بادشاہ نے ایک بیان کے ذریعہ دستور دیا کہ تمام احکام اسلام کو ترک کریں۔ اس دور میں خواجہ نصیر الدین خراسان میں مشغول بحث علوم تحقیق، عقلی و نقلی تھے، ان کا فضل وعلم مشہور تھا۔ اس دور میں ''ناصر الدین ابوالفتاح عبدالرحیم'' بزرگ محتشم قہستان قائن کے مشہور حکمران اسماعیلی تھے جو کہ خراسان کے اطراف میں رہتے تھے، خواجہ ان کے پاس گئے۔ ناصر الدین محتشم نے ۶۲۴ھ میں طبق حکم نامہ اسماعیلی از قلعہ الموت خواجہ نصیر الدین کو قلعہ اسماعیلی بھیجا یا جبری طور پر لے جائے گئے پتہ نہیں۔ خواجہ رشید الدین فضل اللہ ہمدانی وزیر و مؤرخ معروف عہد مغل جو ہم عصر خواجہ تھے وہ اپنی مشہور کتاب جوامع تواریخ میں لکھتے ہیں'' قلعہ الموت کو ہلاکو نے جب تسخیر کیا تو خواجہ نصیر الدین دیگر علماء اور دانشوروں میں سب سے زیادہ عالم اور دانا تھے اس لیے ان کو دیگراں کی بنسبت بڑا مقام ملا یہ افتخار فرقہ باطنیہ کو حاصل ہے فرقہ باطنیہ یا

خود اقتدار میں رہے گا یا وزیر رہے گا یا تقیہ میں رہے گا۔

یہ ابھی تک واضح وروشن نہیں ہوا کہ محقق طوسی کو ان کی فکر کو چرانے کیلئے اسماعیلی جبری طور پر وہاں لے گئے یا وہ خود آزادی عقیدہ کے تحت تحقیقات کے لئے وہاں گئے تھے۔ دوانی کہتے ہیں ''ناصر الدین شش امامی تھے اور خواجہ نصیر الدین بارہ امامی تھے۔ اس وجہ سے دونوں قریب العقیدہ ہونے کی وجہ سے گئے وہ مجبوراً وہاں گئے تھے''۔

سقوط خلافت عباسی میں خواجہ نصیر الدین کا کردار:۔ [مفاخر اسلام ج ص]

تاریخ سقوط خلافت عباسیہ میں ایک عنوان خواجہ نصیر الدین کا کردار ہے۔ صاحب مفاخر اسلام علی دوانی لکھتے ہیں کہ جب ہلاکو نے بغداد پر لشکر کشی کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے اپنے مشاورین سے مشورہ لیا کہ بغداد پر حملہ کریں یا نہ کریں، چنانچہ علماء مفکرین اہل سنت جو ہلاکو کے مشیر تھے انہوں نے انھیں اس حملہ سے باز رہنے کا مشورہ دیا اور کہا یہ آسیب آور ہوسکتا ہے، لیکن اس کے مقابل میں ان کے شکوک وشبہات کو خواجہ نصیر الدین نے مسترد کیا۔

کیونکہ خواجہ نصیر الدین، سید بن طاؤس اور علماء حلی خلافت عباسی سے نفرت رکھتے تھے، الیٰ یومنا ھذا تک شیعوں کا طرز فکر یہی رہا ہے کہ سنیوں کی بجائے وہ کافرین کے ہمنوا بنے ہیں۔

علی دوانی، جعفر عاملی اور حسن امینی کی رائے ہے کہ ان کا اس میں کوئی کردار نہیں تھا، ہلاکو ایک خونخوار درندہ تھا جو کسی کی بات کو نہیں سنتا تھا۔ یہ سب بے جا دفاع کی بات ہے بادشاہان جو بھی ہوں وہ لوگوں کے تصورات وخیالات کا پاس رکھتے تھے، وہ اپنے ساتھ منجمین رکھتے تھے کہ کب حملہ کریں

گے تو فتح ہوگی کب حملہ کریں گے تو شکست ہوگی، ان چیزوں کا وہ لوگ خیال رکھتے تھے۔ ان علماء کی طرف سے سقوط بغداد پر افسوس کرنے کی کوئی تاریخ نہیں ملتی، انھوں نے اسکے لئے کوئی چارہ جوئی کی ہو کہ مسلمانوں کا تحفظ ہو سکے، راز خلوت میں کوئی افسوس کیا ہو ایسا نہیں ملتا، بلکہ اس کے بعد بھی وہ انہی کے ساتھ رہے ہیں۔

اب یہ کہنا ہے کہ خواجہ نے بہت زیرکی باریک بینی کی ہے انہوں نے علم کو پھیلایا تحقیقات کی بنیاد ڈالی ان کے اس اقدام کو اسامی نہیں کہہ سکتے ہیں اسلام کے اصول فروع اخلاق علمی اصول پر قائم ہے اسلام کے اہداف علم پھیلانا نہیں ہے علم پھیلانا باطنیہ کے نزدیک مبادلہ ایمانی ہے لہذا ان کا ایک نام تقلیمہ ہے ان کے نزدیک غسالہ دین وایمان ہے آج مغرب نے دین کے مقابلہ میں علم کو اس بنیاد پر اٹھایا ہے اس لیے وہ اپنے مکشوف اامون کے بارے میں لکھتے ہیں جب ان کو اقتدار سے محروم رکھا حاصل نہیں کر سکا تو انہوں نے تعلیم کا طریقہ اپنایا ہے مسلمانوں کا کل وجود پہلے مرحلہ میں اقتدار اسلام اور دوسرے مرحلہ میں اقتدار مسلمین ہے اس کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا ہے۔

موئدالدین علقمی وزیر مستعصم :۔

اکثر مورخین امثال کامل ابن اثیر شذرات ذہب اعلام زرکلی میں موئد الدین علقمی کو خلیفہ مسلمین کے خائن اور ہلاکو کا خادم بیان کیا ہے۔ اعلام زرکلی ج ۵ ص ۳۲۱ پر لکھتے ہیں محمد بن احمد یا محمد بن محمد بن علی ابو طالب لقب موئد الدین اسدی بغدادی معروف بہ علقمی وزیر مستعصم عباسی صاحب جریمہ نکرہ نے ہلاکو کا ساتھ دے کر اس کو بغداد پر حملہ کرنے کی رغبت دلائی۔ اکثر مورخین لکھتے ہیں کہ وہ بچپن سے ادب میں مصروف ہوئے یہاں تک ۶۴۲ھ کو منصب وزارت پر فائز ہوئے، اس منصب پر وہ ۱۴ سال

رہے، مستعصم نے بھی ان پر اعتماد و بھروسہ کیا تمام امور مملکت کو اس کے حوالے کیا۔ وہ بہت عاقل تھا، سیاست مملکت سے خبیر و آشنا تھے، کاتب، فصیح الانشاء تھے، اس کا خزائن کتب دس ہزار سے زائد کتاب پر مشتمل تھا، دوسروں نے بھی ان کے نام سے کتابیں لکھی ہیں جیسے صغانی حباب نے، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ لکھی ہے۔

بعض مورخین نے موئدالدین کی مستعصم سے خیانت کاری کو مسترد کیا ہے۔ آخر میں بعض کہتے ہیں کہ ہلاکو نے اتفاقیہ طور پر ان کو وزارت پر رکھا تھا اور بعد میں ان کے بیٹے عزالدین محمد بن احمد کو بھی رکھا تھا۔ بعض کہتے ہیں معی الدین کو ہلاکو نے بغداد میں داخل ہوتے وقت ذلیل و خوار کیا تھا، بعد میں وہ جلد ہی ذلت و خواری میں مر گیا۔ اعیان شیعہ ج ۹ ص ۸۲ پر محمد بن احمد علقمی کے بارے میں اس کتاب کے صفحہ ۸۲ سے ۱۰۱ تک ان کے بارے میں ان کے فضائل و مدائح کے مضائح قابلیت صلاحیت اہلیت لکھنے کے بعد ان سے دفاع کیا گیا ہے۔

کتب تاریخ میں خلافت عباسی کی بساط ہمیشہ کے لئے ختم ہونے کے سبب کی ذمہ داری کو شیعہ وزیر معی الدین علقمی کو دیتے ہیں جب کہ مورخین شیعہ اسے سختی سے مسترد کرتے ہوئے کہتے ہیں ایسا کوئی کردار انھوں نے نہیں کیا ہے یہ باتیں صرف شیعوں کو متہم کرنے کیلئے کی جاتی ہیں نہ اس میں معی الدین کا کردار ہے اور نہ نصیرالدین طوسی کی یہ شیعوں کو بدنام کرنے کیلئے کہا جاتا ہے ایک اس کو ثابت کرتا ہے دوسرا اس کو رد کرتا ہے۔

ایک عرصہ سے خلافت عباسیوں کے ہاتھ سے نکل گئی تھی، اس کا آغاز واثق باللہ کی نصب سلطانی سے شروع ہوا آل بویہ اور آل سلجوقیہ نے باری باری سے حکومت کی، خلافت برائے نام کی تھی۔ لیکن یہاں آخری خلیفہ کے جانے کے لئے عامل حاضر، عامل شاہد اور سب کی نظروں میں آنے والا

سبب موئد الدین ہے لیکن یہ کہنا درست نہیں ہے کہ صرف شیعہ کہنے پر اکتفا کریں چونکہ شیعہ کا تشخص ''شیعہ اہل بیت'' تحقق دو مضاف الیہ کے داعی ہے ایک مضاف الیہ خود شیعہ ہے، دوسرا مضاف الیہ ''اہل بیت'' کس کا؟ شیعہ اہل بیت دو ہیں ایک شیعہ ''اہل بیت'' محمد، علی وحضرات حسنین ہیں، اور دوسرا شیعہ ''اہل بیت'' قداحی ، دیسانی، میمونی، خطابی اور اسدی وغیرہ ہیں۔ دونوں شیعوں کے مظاہر مثل روز روشن واضح ہیں شیعہ اہل بیت محمدؐ، علی وحضرات حسنین کی یہ سنت وسیرت رہی ہے کہ اسلام کی بقاء کی خاطر اپنے مخالفین سے مصالحت کریں بے شک تلخی ونا گوارا اپنے لئے برداشت کریں۔ جبکہ شیعہ اہل بیت قداحی و دیسانیوں کی سنت و سیرت رہی ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے مقابل میں کفر وشرک کی حمایت کریں۔ یہاں موئد الدین اور اس وقت کے وہ علماء جنہوں نے تتار ہلاکو کا استقبال کیا تھا وہ شیعہ قداحی دیسانی تھے انہوں نے کھل کر ہلاکو کی حمایت کی ہے اور مسانعت کی ہے مداہنت کی ہے اور خلیفہ سے منافقت کی ہے۔

علمائے شیعہ وہلاکو:۔ [مفاخر اسلام ج ۴ ص ۲۰۲]

علی دوانی اپنی کتاب مفاخر اسلام ج ۴ ص ۲۰۲ پر علامہ حلی سے نقل کرتے ہیں علامہ حلی کتاب کشف الیقین میں امیر المومنین کے فضائل و مناقب اور آپ کے اخبار غیبی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں حضرت علی کے اخبار غیبی میں سے ایک خبر بغداد آبادی کاری اور حکومت بنی عباس کی سلطنت کے خاتمہ کے بارے میں آپ نے خبر دی ہے۔ اپنے باپ رضی الدین کی زبان سے نقل کرتے ہیں کہ کوفہ، حلہ، نجف، کربلا اور دیگر نواحی شیعہ نشین علاقے غارات لشکر مغل سے محفوظ رہے کیونکہ جب ہلاکو بغداد پہنچا اور بغداد کا محاصرہ کیا تو بہت سے لوگ دشت و بیابان میں فرار ہوئے جبکہ تھوڑی تعداد شہر میں رہی ان میں میرے باپ رحمۃ اللہ علیہ رضی الدین اور

دیگر تین علماء بزرگ نے اپنی جگہ مشورہ کیا اور اماکن مقدسہ کے تحفظ کیلئے چارہ جوئی کیلئے طے پایا ہلاکو خان سے مکاتبہ کریں اور لکھیں ہم اور اہل حلہ و نجف و کربلا سب آپ کے سامنے تسلیم ہوتے ہیں۔ انہوں نے یہ خط ایک ایرانی کے ذریعہ ہلاکو کو بھیجا ہلاکو نے خط پڑھنے کے بعد کہا جن لوگوں نے ہم سے امان نامہ طلب کیا ہے ان کی خواہش پوری کی جائے گی۔ جب فتح عراق اور بغداد ساقط ہو جائے گا تو ان جگہوں میں امن رہے گا۔ اس نے ایک خط ایک آدمی کے ہاتھ اسکی طرف بھیجا انھوں نے پیغام دیا کہ اگر تمہارے دل میں وہی ہے جو کچھ تم نے خط میں بیان کیا ہے اور اس پر گواہی دیتے ہو تو ہلاکو کے پاس آجاؤ تا کہ ہم تم سے وضاحت طلب کریں علماء اس خونخوار بادشاہ کے پاس جانے سے ڈر گئے اور خوفزدہ ہوئے اور آخر میں صلاح و مشورہ کے بعد فیصلہ ہوا کہ میرے باپ کو تنہا ہلاکو کے پاس بھیجیں۔

میرے باپ نے لباس پہنا ان دو آدمیوں کے ساتھ ہلاکو کے پاس گئے یہ واقعہ فتح بغداد اور مستعصم سے پہلے کا تھا۔ رضی الدین نے ہلاکو سے کہا ہمارے مولا امیر المومنین سے منقول ہے آپ نے ایک خطبہ میں بغداد کے بارے میں فرمایا ہے کہ فرزندان عباس کی بغداد میں سلطنت ہوگی اور اس شہر میں اہل عیش و نوش حاکم ہوں گے، جو ہر قسم کے ظلم و تعدی خوف و ہراس کو پھیلائیں گے امیر فاسق ہونگے وزیر خائن ہونگے۔ نیکی نہیں کریں گے نہ بدی کو روکیں گے اور اہل بغداد کے لئے وہ دن بہت ناگوار ہوگا جب مغل ان پر حملہ آور ہوں گے ان کی بصیرت باریک ہوگی، مصلح شجاع و دلیر مند ہونگے، فتح بغداد کریں گے۔ ہلاکو اور ان کے لشکر کے افسران اس خبر کو سننے کے بعد خوش ہوئے اور انھیں امان نامہ لکھ دیا اس صورت میں فتح عراق کے وقت شہر حلہ اور دیگر جگہیں جو انھوں نے لکھی تھیں محفوظ رہیں۔

سقوط بغداد میں نصاریٰ کا کردار:۔ (کتاب المغل صفحہ ۲۲۰)

جب چنگیز خان نے دیار اسلامی کی طرف رخ کیا تو اس نے دیگر ریاستوں سے لشکر جمع کیے اور ان میں مسیحی بھی تھے۔ مسیحیوں کے قائد لشکر، کذ بوقا نوبان، تھے۔ مسیحوں کے لشکر میں سے مسیحیین اور جرجانیون تھے۔ ہلاکو کی اسلامی ریاست کے خلاف جنگ میں مسیحوں کا ہر جگہ کردار رہا ہے یہی وجہ ہے جب ہلاکو نے بغداد پر حملہ کیا اور مسلمانوں کی جان و مال و ناموس کو اپنے لشکر کے لیے مباح قرار دیا تو اس وقت بغداد میں مقیم مسیحوں کا جان و مال محفوظ رہا۔

محسنات و مبدعات بنی امیہ و بنی عباس:۔

بنی امیہ اور بنی عباس کے خلفاء کے جرائم اور محسنات کو دیکھا جائے تو مجموعی طور پر ان کے جرائم ان کے محسنات سے زیادہ ہیں۔ ان کے اچھے لوگوں کے پاس بھی خلیفہ مسلمین کے حوالے سے ان کی کارکردگی ان کی نیک نامی جیسی اچھی نہیں ہے، مگر ان کے کچھ محسنات تھے۔ لیکن ان کو محسنات کہنا بھی ایک قسم کی زیادتی بلکہ غلط فاش ہے مثلا کہتے ہیں ہارون دن میں سو رکعات نماز پڑھتے تھے کیا دین اسلام میں سو رکعت پڑھنے کی کوئی ہدایت آئی ہے؟ کہتے ہیں علماء کا بھی بہت احترام کرتے تھے، کیا یہ لوگ سیکولر تھے؟ کہ ان کی اس فعل کی تعریف کریں۔ اس کی ایک مثال کچھ یوں ہے کہ سینٹ میں پہنچنے والے ایک مولوی سے پوچھا گیا آپ نے اپنا ووٹ مسلم لیگ کو کیوں دیا؟ کہا وہ ہمارے سفری دستاویزات میں معاونت کرتے ہیں۔ حاکم مسلمین کی ذمہ داریوں میں سے نہیں تھا کہ وہ علماء کا احترام کریں۔ کیا خود علماء کا احترام قرآن کی کسی آیت اور نبی کریمؐ کی کسی سنت عملی میں آیا ہے؟ جس طرح نبیؐ کی محبت اطاعت ہوتی ہے چہ جائیکہ علماء کا احترام ان کے محسنات میں شمار کریں۔ یعنی کسی فرد یا جماعت کے محسنات و مبدعیات

شماری کرنے سے پہلے خود قرآن میں ایسے گروہوں کی محسنات کو تلاش کرنا ہے، تا کہ دیکھیں کہ وہ ان کے مخصوص محسنات میں بطور احسن عہدا براء ہوتے تھے یا نہیں۔ سورہ مبارکہ حج ۴۱ پر آیا ہے ﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ آتَوُا الزَّكَاةَ وَ أَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾۔ قبل اس کے ارباب اقتدار دار، حکام، سلاطین، رؤساء اور مشاھیر کے محسنات کیا ہیں بیان کروں، ضروری ہے کہ اس نکتہ کی طرف توجہ دلاؤں کہ حکام وسلاطین کو یہ منصب کیسے کہاں سے ملتے ہیں؟ اس بارے میں تین مفروضہ بنتے ہیں۔

۱۔ اللہ سبحانہ دیتے ہیں۔

۲۔ عوام الناس دیتے ہیں۔

۳۔ خود اپنے آپ حاصل کرتے ہیں۔

اللہ بناتا ہے اللہ کسی کو اس منصب پر پہنچاتا ہے جیسے یوسفؑ، داوؑد، سلیمانؑ اور حضرت محمدؐ، ان کے خیال میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس مقام پر پہنچیں گے۔ جن کو اللہ ایسے اقتدار پر پہنچاتا ہے وہ اپنی جگہ دوغرض کے لئے ہوتا ہے ایک اس کے اوامر ونواہی کو پہنچائیں ان پر ان سے عمل کروائیں۔ اس بارے میں سورہ حج آیت ۴۱ میں آیا ہے ﴿أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ آتَوُا الزَّكَاةَ وَ أَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اللہ کی حاکمیت ہے، اللہ کی طرف سے دیئے جانے والے احکامات پر عمل کرتے اور کرواتے ہیں کیونکہ وہ ارادہ وتائید الٰہی سے اس منصب پر پہنچا ہے جیسے سکندر ذوالقرنین، یوسفؑ۔

دوسرا انسانوں کی طرف سے منتخب ہوتا ہے لوگوں کی طرف سے ان کے اوپر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، لوگوں کی طرف سے آنے والے حکمران دونوں نوعیت کے ہوتے ہیں ایک جسے قومی کہتے ہیں، احزاب سیاسی کہتے

ہیں ان کو عوامی نہیں کہہ سکتے ہیں۔

تیسرا دنیا میں کوئی بھی حاکم ایسا نہیں آیا ہے کہ وہ شخصی کاوشوں سے اقتدار اعلیٰ پر پہنچا ہو کم سے کم ایک جماعت یا ٹولہ ہوتا ہے جوان کو اس کرسی پر بٹھاتے ہیں چنانچہ بنی عباس کو اہل فارس کے اقتدار رفتہ افراد اور مذاہب فاسدہ مردہ کہنہ مانو یہ روازیہ نے اقتدار پر بٹھایا تھا ورنہ از خود امکان پذیر نہیں تھا۔

اب آتے ہیں ان سلاطین عباسی کے نظریے کے مطابق ان کا رشتہ دو طرف سے تھا، ایک طرف حضرت محمدؐ کے جا گزیں ہیں، محمدؐ کی رسالت کو نفاذ کرنا ان کی ذمہ داری ہے، اس لئے ان کی سلطنت کو قبول کیا ہے۔ بادشاہوں کی ذمہ داریوں میں اس آیت کریمہ میں اقامہ صلوۃ تھے، جو مولا کی بندگی کا رمز ہے اس کو فروغ دیں، ایتائے زکوٰۃ، جمع زکوۃ، صرف زکوۃ اور یہاں اقامہ نماز کا اہتمام کیا ہے؟ ہارون نے کتنی مساجد حکومتی سطح پر بنایا؟ کونسی جماعت تھی جو امر بالمعروف و نہی از منکر کریں؟ اس سلسلے میں ایک فرمان حضرت علی کا ہے ''حکومت نیک ہوتی ہے تو متقی لوگوں کو کام کرنے کا موقع ملتا ہے اور حاکم فاسق و فاجر ہوتا ہے تو بدبختوں کو مزہ اڑانے کا موقع ملتا ہے، یہاں تک کہ اس کی مدت تمام ہو جائے اور موت اسے اپنی گرفت میں لے لے'' (خطبہ ۴۰)۔

ان کے جن افعال کو محسنات کہا جا سکتا ہے، وہ محسنات ان کی زندیقہ سے جنگ ہے، وہ ان کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں لگے رہے۔

زنادقہ :۔

اس بارے میں کتاب تاریخ اسلام تالیف حسن ابراہیم حسن جلد۲ ص ۱۱۴ پر لکھتے ہیں بنی عباس کے دور میں اس خلافت کے خلاف بغاوتوں میں سب سے زیادہ طاقت وقدرت کا مظاہرہ کرنے والے زنادقہ ہیں۔ زندیقہ

عام محاورے میں ان لوگوں کو کہتے ہیں جو تعلیمات اسلامی سے انحراف کرتے ہیں، یہ ایک قسم کے آزادئ فساد کے داعی ہیں جو غیر محدود آزادی کے قائل ہیں یعنی تمام محرمات حلال ہوں، پابندیاں ختم ہوں۔ان کے اس انحراف سے نظام اجتماعی اور سیاسی خطرے میں پڑے۔

زندیقہ مختلف ادوار میں مختلف معنی میں استعمال ہوتا تھا،عرب اس کلمے کو جو اللہ کو نہیں مانتے یا اس کا شریک ٹھہراتے ہیں ان کیلئے استعمال کرتے ہیں۔بعض نے کہا ہے زندیق اسے کہتے ہیں جو کفر کو چھپائے اور ایمان کا مظاہرہ کرے۔اسلامی معاشرے میں پہلے مرحلے میں زندیق اس شخص کو کہتے تھے جو رسومات اہل فارس سے متاثر ہو،عقائد مجوسی رکھنے والے دو اللہ کے قائل تھے۔رفتہ رفتہ یہ کلمہ عقائد معنوی رکھنے والوں کیلئے استعمال ہونے لگا،اس کلمہ کو زیادہ فروغ عصر بنی عباس میں ملا، ہر وہ شخص الوہیت کو غیر اللہ اور دین کے خلاف مسخرہ اور استہزا کرے،اسے زندیقہ کہتے ہیں۔لیکن اس کا ظہور اور آغاز کب ہوا اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ اس کا آغاز خلافت اموی کے آخری دور میں ہوا، جہاں عبدالصمد بن عبدالاعلی جو اموی خلیفہ ولید بن یزید بن عبدالملک کے معلم تھے، وہ زندیق تھے جس نے ولید کی تربیت کی،اسی طرح ان کے بعد جعد بن درہم جو آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کا معلم تھا، وہ بھی زندیقہ سے تھا،اسی وجہ سے مروان کو مروان جعدی کہتے ہیں۔ابن ندیم نے ذکر کیا ہے جعدی مروان کا معلم تھا جعدی نے مروان کو زندیقی فکر پر لگایا۔چنانچہ بعد میں جعد بن درہم کو بنی عباس نے زندان میں ڈالا اور پھر اسے قتل کیا۔خالد بن عبداللہ قسری جو کہ خود بھی ایک برا انسان تھا مگر یہ زندیقہ کے خلاف تھا اس نے عید الضحیٰ کے دن جعد کو قتل کیا اور کہا کہ ہم نے قربانی کی جگہ اس کو قربان کیا۔لہٰذا اس سے زندیقہ ڈر گئے اور اس دور میں اٹھ نہیں سکے یہاں تک کہ خلافت بنی عباس میں منتقل ہوئی تو زندیقہ پھر

سے اٹھنا شروع ہوئے۔ جاحظ نے زندیقہ کا واضح تعارف کروایا ہے جس میں کہا ہے کہ ان کی کتابیں اور ان کی فکر مانوی ہے۔

بروز وظہور:۔

حرکت زنادقہ اس وقت سے شروع ہوئی جب بنی امیہ کے آخری مقتدر و سیاست مدار خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے بعد ان کی خلافت متزلزل ہوئی، وہاں سے خلافت نے زوال کا رخ کیا یعنی اقتدار پر ضعیف، کمزور اور لہو و لعب میں مستغرق اور اقتدار کے خواہاں میدان میں آئے۔ میدان میں آنے والوں میں سب سے پیش پیش زنادقہ، منحرفین کا گروہ تھا، یہ گروہ اندر سے کفر و شرک سے بھرا تھا، لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے اہل بیت کی چھتری میں چھپا تھا حتیٰ اپنے جھنڈوں پر اہل بیت کے نام لکھتے تھے۔ ان میں سر فہرست ابو مسلم خراسانی کی جماعت تھی جو فاسق و فاجر اور ملحد تھے، اس جماعت کو راوندیہ کہتے تھے ابو مسلم ان کا سر پرست تھا۔ منصور دوانقی کو یہ احساس ہوا کہ ابو مسلم تنہا اس کی حکومت کیلئے خطرہ نہیں بلکہ اسلام کیلئے بھی خطرہ ہے کیونکہ وہ کفر کو چھپاتا تھا۔ منصور نے ابو مسلم کو قتل کیا تو اس کا گروہ جس نے کفر کو چھپایا تھا، وہ میدان جنگ میں آئے اور حکومت کی مخالفت شروع کی یہ فرقہ راوندہ تھا یہ زیادہ ایران کے شہر اصفہان میں رہتے تھے۔ جب بنی عباس نے دوسری صدی کے آغاز میں اپنی تحریک کا آغاز کیا تو اس وقت دو گروہ میدان سیاست میں تھے ایک امام حسن کی اولاد جس میں عبداللہ محض اور ان کے دو بیٹے تھے، دوسری طرف ابن عباس کے سلسلہ نصب سے پھیلنے والے ابو عباس اور منصور تھے۔ دونوں کا مشترکہ شعار ''الرضا بہ آل محمد'' تھا۔ مرکزی حکومت کے زوال کو دیکھنے کے بعد اقتدار کی طرف آنے والے اور سب کو ایک پرچم کے تلے جمع کرنے کا شعار الرضا بہ آل محمد تھا اور اس پرچم تلے جمع ہونے والے اور ان کا ساتھ دینے والوں کو شیعہ کہتے تھے جس میں ہر اقتدار

طلب ،اسلام طلب ، کفر طلب ،شرک طلب ،ملحد طلب اور اہل بیت کے خواہش مند سب جمع تھے، کیونکہ کوفہ شکست خوردہ شامیوں وایرانیوں کی پناہ گاہ تھا اوران کالشکر بھی انہی پر مشتمل تھا، وہ اس بات پر خوش تھے کہ اقتدار ہمارے ہاتھ میں آئے گا۔

فرقہ:

امت کو لاحق سب سے پہلا ناسور مہلک مرض فرقہ کا ہے۔ہم دیکھتے ہیں خلفائے راشدین کے بعد بنی امیہ اور بنی عباس کا دور جن میں خلفاء فسق و فجور، اسراف و تبذیر میں اپنی انتہا کو پہنچے تھے، امت کے فقر، بدبختی ، محرومیت کے باوجود مسیحوں ، یہودیوں کو ان پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ جہاں انہوں نے مظاہرہ کیا ویسی ان کو شکست ہوئی، کیونکہ اس دور میں احزاب سیاسی وابستگیوں سے قطع نظر بطور فرقہ وجود میں نہیں تھے۔فرقہ انسان مسلمان سے خوشبو کو اٹھاتا جبکہ بد بو چھوڑتا ہے۔قرآن میں آیا ہے تفرقہ نہ پھیلاؤ۔ ﴿اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہارے قدم لڑ کھڑا جائیں گے۔صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴾(انفال:۴۶)

فرقہ مقنعیہ:۔

سنہ ۱۵۸ھ سے ۱۶۹ھ کے دورانیہ میں خلیفہ مہدی کے دور میں ایک فرقہ مقنعیہ تھا۔اس کا مرکز خراسان تھا۔اس فرقے کا بانی مقنع تھا جو انتہائی قبیح شکل کا حامل تھا، اسکا قد چھوٹا اور ایک پاؤں زخمی تھی ۔ یہ اپنا چہرہ ڈھانپے رکھتا اور اپنے ماننے والوں سے کہتا تم اسکی زیارت برداشت نہیں کرسکتے۔ اس نے دعویٰ الوہیت کیا۔ یہ کہتا تھا اللہ نے آدم میں حلول کیا اور زمین پر آدم کی شکل میں آیا۔انکے بعد نوحؑ وابراہیمؑ اور دوسرے انبیاء میں منتقل ہوتا

ہوا محمدؐ پھر علی اور انکی اولادوں اور پھر ابو مسلم خراسانی اور پھر مقنع میں حلول ہوا ہے۔اس نے اپنے پیروکاروں سے کہا جس طرح مزدک نے نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ کا خاتمہ کیا اسی طرح میں بھی تمہیں ان سے آزاد کرتا ہوں اور دوسرے لوگوں کی جان و مال اور عزت و ناموس کو تمہارے لئے حلال کرتا ہوں۔لوگ اس کے سامنے سجدے میں گر گئے۔

مقنع نے پہلے مرحلے میں خود کو مزدک کا پیروکار ظاہر کیا اصل میں وہ کیسانیہ سے تعلق رکھتا تھا۔انکا کہنا تھا امامت علی سے منتقل ہو کر محمد حنفیہ میں گئی پھر علی بن عبداللہ بن عباس پھر انکے بیٹے محمد پھر ابراہیم امام اور پھر ابی عباس السفاح میں منتقل ہوئی اور اسکے بعد ابو مسلم خراسانی میں منتقل ہوئی جس نے مروہ کو اپنا مرکز بنایا۔تناسخ ارواح کے قائل تھے۔وہ کہتے تھے ابو مسلم مرا نہیں انہیں اسکی آمد کا انتظار ہے ان کا کہنا ہے منصور دوانیقی نے ابو مسلم کو قتل نہیں کیا بلکہ اسکی شکل میں شیطان کو قتل کیا ہے۔

جب مقنع کو قدرت حاصل ہوئی، اسکے پیروکاروں میں اضافہ ہوا اور اسکے ساتھ بخارا، سمرقند اور رکیہ کے لوگ ملے اور انہوں نے قلعہ قزوین میں پناہ لی تو خلیفہ مہدی نے ستر ہزار کا ایک لشکر معاذ بن مسلم کی سرکردگی میں انکی سرکوبی کیلئے بھیجا جس نے انہیں شکست دی، ان میں سے کچھ فرار ہو گئے جبکہ مقنع نے خود کو قلعہ میں محصور کیا۔اس نے تمام قلعے کے اندر آگ لگائی اور اپنے اہل وعیال سے کہا جو میرے ساتھ جانا چاہتا ہے وہ اس آگ میں چھلانگ لگائے، میں آسمان کی طرف پرواز کرنے والا ہوں۔اس نے شراب میں زہر ملوایا اور انھیں پلا دیا اور خود آگ میں چھلانگ لگا دی۔

خرمیۃ:۔

اس فرقے کا بانی بابک خرمی تھا اسکا مرکز فارس تھا۔یہ فاسد عقائد کا حامل انسان تھا۔اسلام سے پہلے اور بعد میں بھی فارس اہل فاسد کا مرکز

رہا۔ یہاں سے مختلف فرقے پھیلے جن میں سے ایک فرقہ خرمیہ بھی ہے۔مزدق جونوشیروان کے زمانے میں تھا اسکے بعد خرمیہ پھیلے۔ بابک نے دعویٰ الوہیت کیا، یہ معتصم کے دور تک عباسیوں کے ساتھ برسر پیکار رہا۔

زندیق خرمیہ:۔[تاریخ اسلام تالیف حسن ابراہیم حسن جلد۲ص ۱۰۸]

دور معتصم عباسی میں بغداد کے حالات بابک خرمی کی وجہ سے پریشانی واضطراب کا زیادہ شکار ہوئے۔آذربائیجان بابک خرمی کے ماتحت تھا، جس کو ملک ارمینیہ، امپراطور بزنطینیہ کی پشت پنائی حاصل تھی اس طرح بابک خرمی کا لشکر پھیلا اوران علاقوں میں ان کا رعب قائم ہوا۔ان کے علاقے آذربائیجان سے ایران تک پھیلے تھےان علاقوں میں مختلف مذاہب تھے جیسے زرتشتہ، مانویہ، مزدکیہ اور ابومسلمیہ تھے یہ سب منحرف فرقے تھے جوخرمیہ میں جمع ہوئے۔

تاریخ عباسیہ میں پہلی باران فرقوں نے مل کرخلافت کوعرب سے نکال کردوبارہ فارس میں لائے۔انھوں نے ایک جنگ بلاامان و بلا وقفہ اسلام و مسلمین کے خلاف شروع کی۔بلخی نے کتاب البدہ والتاریخ میں لکھا ہے خرمیہ نے اقتدار کوعرب سے نکال کرعجم میں منتقل کیا اورلوگوں کوشبہ میں رکھا، لوگوں کو باہر کچھ کہتے اور اندر والوں کو کچھ اور، یعنی باہر والوں کو کہتے کہ شریعت کومعطل کرو، نماز روزہ اور عبادات میں شبہ ڈالتے اوراللہ کی بجائے انسانوں کی الوہیت کا کہتے (جس پر جاہلوں کوآسانی ہوتی اور وہ خوش ہوتے)اوراندروالوں کوکہتے کہ ہم تمھیں اقتدار پرلائیں گے۔بابک نے دعویٰ کیا کہ روح جاویدان کا اس میں حلول ہواہے۔خرمیہ کا عقیدہ ہے کہ بابک واپس آئے گا،انھوں نے ہی رجعت کی بنیاد رکھی،حتیٰ شیعوں نے رجعت کا عقیدہ ان سے لیا ہے۔خرمیہ کے بہت سے فرقے ہیں ان کے فرقے مختلف نام بدلتے رہتے ہیں لیکن ان سب کے عقائد مشترک ہیں اور

رجعت کا عقیدہ بھی ان میں مشترک ہے۔

اہداف و مقاصد خرمیہ:۔ [تاریخ اسلام تالیف حسن ابراہیم حسن ج ۲ ص ۱۰۹]

خرمیوں کے زندیقہ اہداف و مقاصد قابل ذکر اور قابل توجہ ہیں، دور عباسی میں یہ کیا کردار اپناتے اور ان کے اہداف کیا کیا ہیں اور اسے کون چلاتا تھا یہ دیکھنا ہے۔خرمیوں کے اہداف و مقاصد سر کردہ افراد کے ساتھ مل کر اقتدار کو عرب سے چھین کر مجوس میں منتقل کرنا تھا،اس حوالے سے انھوں نے تند و تیز ہجوم ثقافتی شعوبیت کے نام سے چلائی،جس میں غیر عرب کو عربوں پر فضیلت دی ۔شعوبی کون ہیں؟ نیز شعوبیت کس نے اور کیوں پھیلائی اسے آپ ہماری کتاب ''مدخل الداسات التاریخ''میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔جبکہ منظر عام پر عوام سے خطاب کرتے وقت جاہل،عیاش،فحش، تعطیل شریعت،اباحیہ محرمات،ترک اللہ پرستی ان کے اصلی مقاصد میں شمار ہوتے ہیں،چنانچہ نظام الملک کی تاریخ اور سیاست نامہ ۲۹۸ھ میں آیا ہے اس نے تمام فرائض و واجبات دینی نماز، روزے، حج اور زکوۃ کو تہہ و بالا کیا۔اباحیہ محرمات اور جنسیات میں اشتراکیت ان کی پیدا کردہ ہے،اس طرح صفحہ ہستی سے اسلام کو نا پید کرنا ان کے مقاصد میں سے تھا۔

افشین ،مازیار:۔

معتصم عباسی جنگ بابک میں مصروف اور ان کی طرف سے ان کی تہدید کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔اس جنگ میں جہاں لشکریوں نے قربانیاں دیں وہاں معتصم کی نسل بھی کم ہونا شروع ہوئی،عین اسی وقت افشین اور مازیار دوسرے محاذ پر اٹھے معاز باز کی قدرت ایام مامون میں سب جانتے تھے اس طرح بلاد تبرستان اس جنگ کا میدان بنا۔جب مامون نے وفات پائی اور معتصم خلیفہ بنا تو مازباز دوبارہ اٹھے،انھوں نے بابک سے جو خرمیہ

سے تعلق رکھتے تھے مراسلہ ومناقبہ کیا اور خلیفہ عباسی سے لڑنے میں معاونت کی پیش کش کی، لوگوں نے بادل ناخواستہ ماز بار کی بیعت کی، لیکن الحمداللہ خلیفہ عباسی کو ان دونوں پر فتح و کامرانی حاصل ہوئی اور وہ زندیقیوں کے حملوں سے بچ گئے۔ان کے اہداف و مقاصد میں سے ایک یہی نام نہاد جمہوریت ہے جس کے اہداف شریعت کو پیچھے اور اشترا کیت اور کمیونزیم کو آگے کرنا ہے۔ان کے شعار میں پہلے جمہوریت پھر اسلام ہے؛ جو آج کل ہمارے بہت سے شیعہ سنی علماء کے پسندیدہ مقاصد میں سے ہے اس شعار کو بلند کرنا یہ اپنا افتخار سمجھتے ہیں۔

عیش ونوش ترف ہے:۔

جب سے تمام عزت ووقار وحیثیت، دنیا کی لذتوں سے لطف اندوز ہونے کو گردانا اسی دن سے مسلمان کا زوال شروع ہوا ہے۔ چنانچہ بنی عباس کے آخری دور میں اسی ترف وعیش نے حکمرانوں کو اس حد تک زمین بوس بنایا کہ وہ اٹھ نہیں سکے اور تتار آسان طریقے سے بغداد میں داخل ہوئے۔

ترف واسراف اس وقت امت کے ادنیٰ فرد تک سرایت کر چکا تھا، ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسراف صرف امراء کے گھر میں نہیں بلکہ اِس وقت فقراء کے گھر میں بھی ہے۔ ایک شخص کے گھر رات کے کھانے کا بندوبست نہیں لیکن وہ سگریٹ ضرور پیتا ہے، چرس ضرور پیتا ہے۔ اپنے لیے اور اولاد کے لیے کوئی لباس نہیں ہے، لیکن گھنٹوں ریسٹورنٹ میں گزراتا ہے۔

قرآن کریم میں اور بنی کریم کی سنت وسیرت میں مکرر لفظ ترف و مترفین آیا ہے۔ یہاں تک سورہ مبارکہ اسراء آیت نمبر ۱۶ میں آیا ہے کہ کوئی قوم نابود ہوجاتی ہے، زیر عتاب ہو جاتی ہے، تو یہ کیسے اور کیوں ہوتا ہے؟ کیوں نابود ہوتی ہے؟ تو کہتے ہیں "جب مترفین برسرِ اقتدار آجائیں"۔ ہر قوم میں مترف وہ بڑے بڑے افراد ہیں جو مال وخدام، خدمت گزاروں

کے مالک ہیں، کثرتِ اموال و کثرتِ خدمت گزار راحت طلب ہیں، آرام طلب ہیں ساتھ ہی سیاست طلب ہیں۔ چونکہ زندگی کی عیش و نوش میں مستغرق ہیں تو وہ اس استغراق کی وجہ سے ہمیشہ فسق و فجور، شراب نوشی، فکر و اخلاق سے بے اعتنائی، حرماتِ الٰہی سے روگردانی کرتے ہیں۔ اگر اس وقت ان کے ہاتھ پکڑنے والے نہ ہوں تو وہ زمین میں فساد پھیلائیں گے، امت میں فحشا اور گناہ کو رواج دینگے، اقدار کو ناچیز بے قدر گردانیں گے۔ یہاں سے امت کا جو سلک ہے دھاگہ ہے، جو اس کو جمع رکھتے ہیں وہ ٹوٹ جاتا ہے اور امت منتشر ہو جاتی ہے۔ اس کی بقا اور دوام کے سبب ختم ہو جاتے ہیں، پھر وہ صفات تاریخ میں گم ہو جاتے ہیں، یہ ایک سنتِ الٰہی ہے، اللہ نے اس کا نظام رکھا ہے۔ اگر اللہ نے کسی قوم کی نابودی، ہلاکت و بربادی کا فیصلہ کیا تو اس کو ویسے بیٹھے بیٹھے آسمان سے عذاب نازل کر کے تباہ نہیں کرتے بلکہ اس کو ہلاکت سے گزراتے ہیں۔ فسق و فجور کرنے والے میدان میں آتے ہیں اور اس وقت اس امت کی ہلاکت میں باقی سب بھی شامل ہوتے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے عیاش اور مترفین کے ہاتھ کو نہیں پکڑا ہے، اپنے نظام کی اصلاح نہیں کی ہے۔

فسق سببِ نابودی و بربادی ملت ہے، فسق و فجور، ترف و تعیش تباہی امت ہے۔ قرآن کریم کی چندین آیات جن میں کلمہ عیش، کلمہ ترف، کلمہ ظلم آئے ہیں جو ان مفاہیم اور معانی سے ماخوذ ہے۔ ہماری مراد یہاں یہ ہے کہ ترف و عیش و نوش، فسق و فجور نے ہی بنی امیہ کو نیست و نابودی کی وادی میں پہنچایا۔ ان ہی کے ذریعے بنی عباس کی قیادت و سیادت کی بساط برچیدہ ہوئی اور انہی سے ان پر حاکم بننے والے مغل تتار آخر میں تتر بتر ہو کر صفحہ ہستی سے نابود ہو گئے۔ بنی عباس کی اس حکومت کے دائرے میں سو سے زائد حکومتیں قائم ہوئیں۔

بہتر ہوگا یہاں ہم آپکی خدمت میں ترف وعیش بنی عباس کی چند ایک مثالیں نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ کتاب المغل صفحہ ۲۲۹ پر لکھتے ہیں مامون بن ہارون الرشید بنی عباس کے آخری قوی ترین خلیفہ بنے ان کے عقد میں ان کے وزیر حسن ابن سہل کی بیٹی آئی، اس خلیفہ مسلمین کے ازدواج میں کتنے خزانے بیت المال المسلمین سے خرچ ہوئے، کیا شان و شوکت بنائی؟ کہتے ہیں یہ اجتماع، یہ رسم حسن ابن سہل کی قیام گاہ پر انجام پائی، جو ایک بڑی نہر واست کے اوپر تھی۔ اس تقریب زفاف میں ان کے باپ نے وہ مال خرچ کیا جس کی دوسوسالہ اسلامی تاریخ میں ہی نہیں بلکہ دور جاہلیت میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ مامون اوراس کے حکومتی، عسکری ،انتظامی شخصیات بارات میں تھیں وہ جب وہاں پہنچے تو حسن ابن سہل مامون کے سسر نے نسب عنبر کے تھیلے ان کے سروں پر رکھے اوران تھیلوں میں ہر ایک کے لیے ایک پرچی لکھی ہوئی تھی۔ کسی کیلئے ایک باغ تھا، کسی کیلئے ایک زمین مزرعہ تھی، کسی کے لیے ایک گھوڑا، کسی کے لیے اونٹ۔ یہ لوگ اس لفافے کو کھولتے، دیکھنے کے بعد وکیل کی طرف جاتے تھے جو اس پرچی پر لکھا تھا وہ ان کو دے دی جاتا۔ اس کے بعد عام لوگوں کے لیے دینار، درہم، عنبر کے شیشیاں، سرخ عنبر تقسیم ہوا۔ مامون اوراس کے اصحاب اوراس کے لشکر تابعین جن کی تعداد نہیں بتائی ہے زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ اونٹ پکڑنے والے، قاصد، حشتی بان جو بھی ان کے لشکر میں تھے سب کو کچھ نہ کچھ دیا۔

مامون ۱۹ دن حسن ابن سہل کے پاس رہا ہر دن پچاس ہزار درہم اسکا خرچہ ہوتا تھا۔ جب مامون حسن ابن سہل کے پاس سے گیا یہ ۱۰ رمضان ۲۱۰ ہجری تھی۔ مامون کے لیے ایک تخت بنایا تھا جو سونے سے بنا تھا، جب اس پر بیٹھا تو اس کے اوپر جواہرات پھینکے گئے۔ جب وہ تیسرے دن بوران کے پاس گئے تو ان کے دادا نے ہزار درہم سونے کے ان کے پاس رکھے اور کہا یہ

آپکا صداق ہے یہ لیں اور باقی حاجت رواؤں کو دے دیں۔

ترکِ جہاد:۔

امت کا ذلت و پستی میں جانے کا سبب ترکِ جہاد ہے۔امتیں ذلت سے گذرنے اور ذلت خریدنے کے لیے اپنے پاؤں پر تحفہ و تحائف لے کر ذلت خریدنے جاتی ہیں، چنانچہ جب تتار آئے تو حکام مسلمین تحفہ و تحائف لے کر ان کے قصر تک پہنچ گئے۔مسلمانوں کی عزت و آبرو کی برگشت اس میں ہے کہ وہ جہاد کو اپنا فرض سمجھیں۔ جہاد سے مراد تنہا خون بہانا نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جو عزت مسلمین بحال کرنے میں کردار ادا کرتی ہے، ان تمام میں حصہ لے لیں۔لہذا قرآن کریم میں بار بار کلمہ جہاد کا تکرار ہے۔

اگر ایک شخص اس حادثہ کے عوامل اصلی تک پہنچنے کیلئے سوچے گا اور حقائق کو جاننے کی کوشش کرے گا تو اس کے تمام اسباب و علل تک رسائی ہونا ضروری ہے۔جس دن ان کی حکومت قائم ہوئی تھی اس دن سے ان کا یہ فکر و عمل تھا کہ یہ منصب اس خاندان کا ہے بلکہ تنہا خاندان نہیں بلکہ خلافت حاکم کے فرزندوں کے لئے مخصوص ہے،گرچہ وہ فرزند اس منصب کیلئے نا اہل کیوں نہ ہو۔خلافت کو اپنی اولاد میں محصور کرنے کے لئے انہوں نے کوئی جرم و جنایت نہیں چھوڑا جو اس راستہ میں حائل ہوتا ہو۔خلافت پر جاہل، ان پڑھ، انجان، فاسق و فاجر یا قاتل سب کو بٹھایا ہے،جس کی وجہ سے خلافت تھوڑے عرصہ کے بعد رو بہ زوال ہوتی گئی، ان کو کسی نہ کسی دن جانا ہی تھا اس لئے وہ چلے گئے۔

دور ضالہ جیسا کہ تمہید میں بیان کیا ہے کہ یہ وہ دور ہے جس میں کسی نہ کسی زاویے سے قرآن و سنت سے انحراف تھا۔ معاویہ سے لیکر عباسیوں تک خلفاء کی باہمی چپقلش اور اہل بیت کے نام سے جنگوں کی بنیاد اس وجہ سے نہیں تھی کہ وہ قیام عدل و قسط کریں گے، دین و شریعت کی معطّلی کے

خلاف ہیں یا لوگوں پر ظلم و ستم ہو رہا ہے، یا منصب خلافت قرآن و سنت کے اصولوں کے اندر ہونا چاہیے تھا۔ بلکہ اس کے برعکس ان جنگوں کا مقصد یہ تھا کہ ہر کوئی خود کو اس منصب کا حقدار سمجھتا تھا۔

یہ ایک انحرافی دور تھا کیونکہ جب تک اصحاب و تابعین جو دور نبوت سے قریب لوگ تھے، موجود رہے تو وہ اصول و قوانین کی سختی سے پاسداری کرتے رہے۔ حتیٰ بنی امیہ و بنی عباس میں بھی وہ از روئے مجبوری دو فریضوں کو جاری رکھے ہوئے تھے جن میں سے ایک نماز اور دوسرا جہاد تھا۔ جہاں بھی جمعہ و جماعت قائم ہوتے وہ وہاں امیر امامت مقرر کرواتے بشرطیکہ کوئی مجبوری لاحق نہ ہوتی۔ حتیٰ فاسد ترین افراد یہ عمل انجام دیتے جیسے ولید بن یزید جیسا فاسد ترین انسان بھی امامت کروانے پر مجبور تھا۔ اسی طرح انہوں نے جہاد کو بھی جاری رکھا اگر یہ ایسا نہ کرتے تو روم اور دوسرے دشمنان اسلام ان کے گھروں میں گھس کر انہیں ذلیل کرتے۔ یہاں ہم آپ کو جنگ صفین کے دوران اپنائے گئے امیر المومنین حضرت علی کے اس مؤقف کی طرف لے جاتے ہیں کہ جب روم نے معاویہ اور آپ کے درمیان جنگوں کے درمیان ارادہ کیا کہ مسلمانوں کے علاقے پر حملہ کریں تو آپ نے انہیں پیغام بھیجا کہ اگر تم نے ایسے کسی اقدام کے متعلق سوچا بھی تو ہم اپنی جنگ بند کر کے مل کر تم سے لڑیں گے۔ اس لئے کہ وہ مشرکین سے جہاد کرنے کی اہمیت سے آگاہ تھے، اسی لیے یہ انکی اولین ترجیح تھی۔

جب منصب خلافت پر نااہل لوگ براجمان ہوئے اور اسے اپنا خاندانی و وراثتی حق سمجھنے لگے تو انہوں نے مشرکین سے جہاد سے غفلت برتی۔ جب عبداللہ محض نے جعفر صادق سے کہا کہ وہ محمد کی بیعت کریں تو آپ نے فرمایا تمہاری جنگ سربلندی اسلام اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیلئے نہیں ہے کہ ہم تمہارا ساتھ دیں۔ اس کے بعد ہاشمین میں سے

خلافت کی طمع و لالچ رکھنے والوں نے اہل بیت کا نام استعمال کیا، ان کے پاس اپنی برتری کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ اس وقت عراق مرکز فاسقین ومنافقین تھا جبکہ ایران مرکز الحاد تھا۔ یہاں سے انہوں نے اسلامی مملکت کو توڑنے کیلئے مدینے سے ہر بنی ہاشم کو اٹھایا اور انکے نام سے حکومتیں قائم کرنے کا شعار بلند کیا۔ یہاں تک کہ غیر اہل بیت جو مشرک اور ملحد تھے انہوں نے خود کو ہاشمی متعارف کروا کر انتشار و جنگ وجدال کا سلسلہ شروع کیا۔ انکی جنگ اپنی عیش ونوش کیلئے تھی یہاں تک کہ روم کو دوبارہ ہمت ہوئی اور مسلمانوں کا ایک اہم شہر اندلس ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ بنی عباس وامیہ کے کچھ خلفاء کو اگر کوئی خوبی حصے میں آئی تو وہ انکا کافرین ومشرکین سے لڑنا تھا۔ وہ دو محاذوں زندیقہ اور الحادیوں کے ساتھ جنگ میں رہے۔ ایشیاء، یورپ اور روم سے جنگ میں رہے۔ اسی لئے ہارون الرشید نے بادل سے خطاب کر کے کہا تو جہاں بھی جا کر برسے گا، وہاں سے مجھے خراج آئے گا۔ ہم انکی مشرکین سے جنگوں کو کشور کشائی کا نام نہیں دیں گے کیونکہ یہ مسلمان ومسلمین کیلئے عزت وآبرو تھیں۔

ہم اپنی تاریخ میں انکی کافرین ومشرکین کے ساتھ جنگ کو ایک مستقل عنوان کے طور پر نہیں لائے کیونکہ ہمارا ارادہ تھا اسکا ایک خلاصہ پیش کریں گے کیونکہ تمام جنگوں کی تفصیل فائدے سے خالی ہوگی، اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہماری نظر میں جہاد اسلامی اہمیت نہیں رکھتا۔

ایک وقت تھا جب ہندوستان میں مسلمان اقتدار پر تھے اور برطانیہ انکے آگے ذلیل تھا جس کا اندازہ اس واقعے سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب ملکہ برطانیہ نے ایک خط اپنے نمائندے کے ساتھ بھیجا تو اسے خلیفہ تک پہنچنے کیلئے وہاں ایک سال تک انتظار کرنا پڑا۔ اور ایک یہ دور ہے کہ ہمارے گھروں پر ڈرون حملے کر رہے ہیں اور دشمن ہماری اسمبلیوں میں آ کر خطاب

کر رہے ہیں۔ یہ سب ترکِ جہاد کا نتیجہ ہے۔ اگر مسلمان فرقہ واریت کی جنگ لڑنے کی بجائے ان سے جنگ لڑتے تو یہ نوبت نہ آتی۔ مسلمین کلمہ توحید پر قائم ہیں، توحید مسلمین سے ہی کلمہ توحید فروغ پاتا ہے۔ مسلمان اگر نعرہ بازی، دیواروں پر اشتہارات کی جنگ نہ لڑتے تو انہیں خودکش حملوں کا سامنا نہ ہوتا۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کے بعض فرقے متحدہ سیکولرزم محاذ قائم نہ کرتے تو آج ملک میں نظام اسلامی رائج ہو جاتا۔

سلطنت وسیع و عریض امپراطور اسلامی کیوں کس لئے کن اسباب وجوہات کے تحت روبہ انحطاط و پستی اور آخر میں زوال و نیستی تک پہنچی؟ اس بارے میں مؤرخین و مفسرین تاریخ امپراطور عباسی بہت سی وجوہات اجمال و تفصیل میں بتاتے ہیں۔ اس میں اہم سبب قیادت عسکری کا خلفاء پر تسلّط و بالا دستی بتایا جاتا ہے، جس کا آغاز خلافت واثق باللہ سے ہوا، جہاں انھوں نے مملکت کی نظم و نسق کو فوجی قائد کے حوالے کر کے خود قصر معلیٰ میں عیش و عشرت، ندیم مغنی و مغنیات کے ساتھ آرام و راحت میں گزارنا چاہا۔ اسی دن سے لے کر آخری خلیفہ مستعصم باللہ تک پہنچتے پہنچتے مسلح افواج بھی لوگوں کی نظر میں گر گئی تھی۔ بہترین سہولیات کے حامل عسکری مساجد میں لوگوں سے چپکے سے بھیک مانگتے تھے، چونکہ خلیفہ ان کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے تھے یہ تبصرہ دیگر عوامل و اسباب سے زیادہ معقول گردانا جاتا ہے کیونکہ ملک کا محافظ ہی نہیں رہا۔

لیکن شخص عاقل کو اس پر اکتفاء اقتناء نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کو آخرین علل و اسباب تک جانا چاہیے یعنی واثق نے کیوں اور کیسے یہ ضرورت محسوس کی کہ فوجی قیادت کو سرحدوں کی حفاظت کے علاوہ داخلی نظم و نسق کو بھی ان کے حوالے کر دیا جائے؟ عام طور پر سرسری نظر رکھنے والے انسانوں کو جب تک آثار واضح نظر نہیں آتا ہے اس کو پتہ نہیں چلتا، جب تک کھانسی تیز نہ

ہو جائے ٹی بی کا پتہ نہیں چلتا ہے، دمے کا پتہ نہیں چلتا ہے، جب تک ضعف وکمزوری زیادہ نہ ہو جائے نہیں پتہ چلتا ہے کہ اس کو شوگر کا مرض ہے، لیکن طبیب حازق کو پہلے سے صحت مندی کے وقت پتہ چلتا ہے کہ اس کے اندر فلاں بیماری ہے۔

خلیفہ جب نااہل اور علم وفضل سے محروم ہونگے، یا بچے نابالغ ہونگے تو یقیناً نظم ونسق کے تمام اختیارات عسکری گروہ کو حاصل ہونگے۔ چنانچہ معتصم عباسی نے اس لیے اپنی حفاظت، امور وانتظام کے لیے عسکری گروہ کو چنا اور وہاں سے ۶۵۱ھ ہجری تک آخری خلیفہ عباسی کے عراق میں اختتام اور مصر میں خلافت عباسی ۶۵۱ھ ہجری سے ۷۵۶ھ ہجری تک خلافت برائے نام اعزاز، افتخار، نوبل یافتہ شخصیات کی مانند ایک گڑیا جیسے بنے ہوئے تھے تک یہی گروہ قابض رہا۔ وہ خلیفہ جس نے بادل سے خطاب کرتے ہوئے کہا تم جہاں برسوگے وہاں سے مجھے خراج آئیں گے۔ اس خاندان کے خلیفہ عسکریوں سے کبھی قتل، کبھی زندان، کبھی جلاوطن اور کبھی سلطان عسکری کے ایک تنخواہ دار بنے ہوئے تھے۔ ان تاریخی حقائق کو دیکھنے کے بعد جوامت خود کو تابع قرآن، سنتِ محمدؐ، حامی عقل و وجدان، فطرت کی بات کرنے والوں سے پوچھا جائے، آخر سات، آٹھ سو سال تک ان دو تین خاندانوں کو وابستہ محمدؐ، بیتِ محمدؐ سے ہونے کی بنیاد پر ان کے جاہل کو، ان کے بچے کو، ان کے فاسق و فاجر کو محترم ومعزز گردانے کی کیا منطق ہے؟ کیا اس کو جاہلیت نہیں کہیں گے؟ اگر کسی جاہل انپڑھ یا دیوانے کی تعظیم وتوقیر کریں تو کیا یہ دورِ جاہلیت کی بات ہوگی؟ زمانہ جاہلیت لاعلمی یا ناآگاہی کے زمانے کو نہیں بلکہ زمانہ جاہلیت وہ ہے جس میں کھلے عام آزادانا دین وشریعت سے روگردانی ہے۔

تاریخِ مسلمین میں قوم کے حکمرانوں کا برسرِ اقتدار میں آنے اور زوال حکمرانی کا پہلا بنیادی محرک زندگی میں ترف وعیش ہے۔

قصص العرب ابراہیم شمس الدین ج ۴ ص ۱۸۴

امیر المومنین نے اپنے وصیت نامہ میں کہا ہے تمہارے بدترین وزراء وہ ہیں جو تم سے پہلے بروں کے وزیر تھے، جوان کے گناہوں میں شریک تھے وہ تمہارے اصحاب راز نہیں ہو سکتے، یہ ظالمین کے معاون رہے ایسے افراد کو وزیر کا منصب دینا ظلم کے برابر ہے، آپ کو ان سے بہتر صاحب الرائے افراد مل سکتے ہیں۔

ابن ابی الحدید ج ۱۷ ص ۴۲ سے نقل کرتے ہیں ولید بن عبدالملک کے پاس ایک خارجی کو لایا گیا تو ولید نے پوچھا حجاج کے بارے میں کیا کہتے ہو تو اس نے کہا میں اس کے بارے میں کیا کہوں، یہ آپ کے گناہوں میں سے ایک گناہ ہے، آپ کی آگ سے ایک شعلہ ہے اللہ تم پر اور حجاج دونوں پر لعنت کرے۔ ولید نے عمر بن عبدالعزیز کی طرف دیکھا تو اس سے کہا اس کے بارے میں کیا کہتے ہو تو عمر بن عبدالعزیز نے کہا میں اس کے بارے میں کیا کہوں یا اس کو اسی کی طرح گالی دے دو یا بخش دو تو ولید کو غصہ آیا۔ اس نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا کہ میں یہی گمان کرتا ہوں کہ تم ایک خارجی ہو تو عمر نے کہا میں گمان کرتا تھا کہ تم دیوانے ہو۔ اس پر خالد بن ریان جو ولید کی پولیس کا سربراہ تھا اس نے کہا تم کو کس چیز نے وارد کیا کہ امیر المومنین سے ایسی باتیں کریں؟ میں نے اپنا ہاتھ تلوار کی طرف کھینچا تھا کہ امیر مجھے حکم دیں تو میں تمہاری گردن اڑادوں، عمر نے کہا کہ کیا تم نے ایسے ہی کرنا تھا تو اس نے کہا ہاں۔ جس دن عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے، خالد بن ریان ان کے پاس آیا تو عمر نے اس کی طرف دیکھا کہا خالد اپنی تلوار زمین پر رکھو تم اس حکم کو ماننے والے ہو جو ہم دیتے ہیں۔ اپنے پاس کاتب سے کہا، قلم اٹھاؤ اور لکھو کہ نفع و نقصان کا تعین کرنے والا اللہ ہے۔ تمہیں یہ حق کہاں سے ملا کہ تم لوگوں کے نفع یا نقصان کا فیصلہ کرو میں نے نفع و نقصان دونوں کو گرایا ہے ان

کو اٹھانا نہیں۔ تم جیسی سوچ رکھنے والے لوگ ذلیل ہی رہیں۔

اس حوالے سے بعض سمجھتے ہیں خلفاء عباسی کی ضعف و ناتوانی معتصم عباسی سے شروع ہوئی جہاں سلطان امپراطور عباسی جاہل، ان پڑھ بادشاہ تھے، وہ زیادہ تر مجاز پے رہتے تھے، ان کو شہری نظام کا پتہ نہیں تھا اس کا اندازہ خود معتصم نے بھی کیا۔

ایک دن اس کو کسی جگہ سے ایک خط آیا تو اس خط میں ایک کلمہ لکھا ہوا تھا اس کا معنی اس کے سمجھ میں نہیں آیا اس نے وزیر سے پوچھا اس کلمے کا معنی کیا ہے تو وزیر کو بھی نہیں آیا تو اس نے وزیر کو چھٹی دی اور کہا یہ مملکت کیسے چلے گی جس کا خلیفہ بھی انپڑھ ہو اور وزیر بھی ان پڑھ ہو۔ کسی کا جرأت مند ہونا، شجاعت مند ہونا مدیر مملکت کے لئے کافی نہیں ہے، باپ کا شجاعت مند ہونا طفل نوزائدہ کے لئے سودمند نہیں ہے۔ عراق کے کسی امیر سے کسی نے پوچھا یہ جو کامیابی آپ کو حاصل ہے گزشتگان کو کیوں حاصل نہیں ہوئی تو اس نے کہا صلاحیت واہلیت کی بات ہے، لوگوں نے جواب دیا پہلے والے بھی صلاحیت کے حامل تھے اس نے کہا وہ صرف علماء تھے ''**العلم یقود و العقل یسوق** ''، علم کا کام قیادت ہے اگر پیچھے سے عقل سوق نہ کریں تو گرداب میں گر سکتا ہے۔ اگر کوئی پیچھے سے سوق نہ کریں، اگر عقل ہو علم نہ ہو تو دائیں بائیں گر جاتا ہے۔

مدیر مملکت کو مدبر بھی ہونا چاہئے، ذہین و فریس بھی ہونا چاہئے، دقیق و باریک بین بھی ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں مرزا محمد حسن شیرازی جس نے تمبا کو کی حرمت کا فتویٰ دے کر قاچاریوں کو پریشان کیا تھا اس نے لکھا ہے مرجع وقت بننے کے لئے سو شرائط ہیں ان میں سے دو علم و عدالت ہیں اور اٹھانوے شرائط کا مرجع کو پتہ ہی نہیں ہے کیا ہے۔ اسی وجہ سے مذہب کی ترقی نہیں ہوئی، مرجع کی ترقی ہوئی، ہر گلی کوچوں میں مرجع بنے، توضیح خوان

بھی مرجع بنے، قرآن وسنت پڑھے بغیر مرجع بنے۔ جب سے مرجع بننا دین وملت کی ترقی کی آخری منزل قرار پایا اور مرجع کیلئے اصول فقہ پر کتاب لکھنا اصول فقہ پر درس خارج دینا لازمی قرار پایا سے اب تک اصول فقہ پر لکھی گئی کتابوں کی فہرست تفصیل سے دینا بھی مشکل ہے۔ اسی طرح اب تک کتنے مرجع بنے ہیں؟ اس کا سرسری شمار ہماری کتاب ''افق گفتگو'' میں ملے گا۔ ان میں سے کتنوں نے اصول فقہ پر کتاب لکھی ہے؟ اس کی تعداد صاحب الذریعہ بتاتے ہیں، لیکن ان میں سے کتنوں نے تفسیر قرآن لکھی ہے، سنت رسول کے بارے میں کوئی تحقیقی کتاب لکھی ہو وہ ناگفتہ بہ ہونگے شرم آور ہونگے۔ بلکہ تفسیر قرآن لکھنا مرجع بننے والے کے لئے باعث نقص شمار کیا گیا ہے چنانچہ آیت اللہ خوئی کو مقدمہ تفسیر کے بعد روکا گیا۔ اس کی ایک اور مثال پیش کرتے ہیں ملک میں منبر پر کالج یونیورسٹی میں تقریری مقابلے میں کامیاب ہونے والے آتے ہیں، لیکن محراب میں توضیح المسائل تک نہ آنے والے آتے ہیں، قرآن وسنت سے نا آشنا آتے ہیں بلکہ قرآن اور سنت دونوں پر طنز کرنے والوں کا قبضہ ہے تو ایسی صورت حال میں اس ملک میں دین کیسے بچے گا؟

بعض نے خلفاء عباسی میں سب سے بڑے عالم وفقیہ مأمون کو قرار دیا، لیکن اپنی جگہ عقل مملکت داری میں فاقد قرار پایا، انہیں ہمیشہ ان کے وزیر چلاتے تھے لہٰذا قدم بہ قدم بڑے سے بڑے اغلاط کا ارتکاب کیا، ان میں سے ایک ''خلق قرآن'' کا مسئلہ ہے جس سے نہ دین کو فائدہ تھا نہ رعیت کو۔

حاکم ایسا شخص ہونا چاہئے کہ اس کا پورا وجود آنکھ ہو، پورا وجود سماعت ہو، ہر آواز کو سنتا ہے، ہر نقل وحرکت کو دیکھتا ہے، مسائل کو سمجھتا ہے۔ منصور دوانقی کے بارے میں کہا ہے انکا پورا وجود آنکھ تھا چنانچہ اس کا ایک فوجی دستہ اس سے ملنے کیلئے آیا، اس میں ایک شخص تھا جو اس کو نہیں جانتا تھا

وہ خاموشی سے وہاں بیٹھا ہوا تھا، جب وہ وہاں سے نکلنے لگے تو منصور نے اس کو واپس بلایا، پوچھا کہ تم کہاں ہوتے ہو؟ بولا کہ امیر المؤمنین کے لشکر میں ہوتا ہوں، کہا کہ مجھے تم سے کام ہے تمہارے اندر میں نے اس کام کی صلاحیت کو دیکھا ہے جس سے دیگران عاجز آئے ہیں۔ اس کام کے لئے اس نے تین گورنر تبدیل کئے کہ محمد کی جگہ کا پتہ نہ کر سکے، اس کو اس فوجی نے کامیاب بنایا۔ اس کی ایک مثال اور سنیں ایک دن اصمعی بڑے عالم دین ہارون رشید کی دربار میں آیا اسکے پاس ایک خوبصورت چھوٹی لڑکی تھی یہ اس کی کوئی عزیزہ تھی، ہارون نے ان سے کہا اس لڑکی کو پیار کرو، اصمعی نے سوچا اگر میں اس لڑکی کو چوموں تو یہ غیرت میں آ کے مجھے ماریں گے کہ تم نے میری لڑکی کو کیوں چوما، اگر میں حکم نہ مانوں تو پھر بھی ماریں گے کہ تم نے حکم عدولی کیوں کی، اس نے اپنے ہاتھ آستین میں چھپایا آستین اس کے سر پے رکھ کے اس آستین کو چوما، ہارون حیران ہوئے پوچھا یہ تمہارے ذہن میں کیسے آیا؟ سلطان ایسا ہونا چاہئے اصمعی جیسا۔

۱۳۲ھ سے ۶۵۶ھ تک پورے دور میں رشد و رشادت سیاست دیکھنے والے بادشاہ صرف منصور تھے۔ دین و دیانت میں صرف ان کے آخری دور میں دو تین خلیفہ نکلے جنہوں نے عمر بن عبد العزیز کی یاد تازہ کی باقی سب اسلام و مسلمین پر بوجھ تھے لیکن امت محسوس نہیں کر رہی تھی۔

خلافت عباسی کے زوال و اضمحلال کا نطفہ اس سلطنت کے شکم میں ڈالنے والا خلافت کے سب سے قدرت مند طاقتور وجیہ ہارون رشید تھا جس نے تمام نظم و نسق دین وملت خزانہ مملکت کو یحیٰ بن خالد مجہول العقیدہ بے دین کو سونپا، ملک کی دولت وہ صرف کر رہا تھا بلکہ دولت مخالفین کو دے رہا تھا، یا یوں کہیں کہ دولت اس سلطنت کے زوال کے خواہاں کو دے رہے تھے۔ لیکن خلیفہ خود حسین و جمیل مغنی مغنیات، گلوکار و موسیقی کار کے بیچ میں

رقص کرتا تھا۔ جس طرح اہل پاکستان مسلمانوں نے پرویز مشرف اور اس کی بیوی کو تالیاں بجاتے دیکھا ہے۔ یہاں سے بہت سے ذہنوں میں آیا خلیفہ بننے کے لئے کوئی شرط نہیں ہے۔ پہلے مرحلہ میں چوری کرو دوسرے مرحلے میں ڈاکا ڈالو تیسرے مرحلے میں رشوت دے دو اور چھوٹی سی دیانت نمائی کرو۔

بادشاہ بن کر مال و دولت جمع کرو، دعویٰ بنی ہاشم کرو چنانچہ کوفے میں زنجی نے دعویٰ کیا کہ ہم ہاشمی ہیں، مغرب میں عبیدیوں نے دعویٰ کیا کہ ہم فاطمی ہیں، فارس میں صفویوں نے دعویٰ کیا ہم موسوی ہیں، برصغیر میں آغا خانیوں نے دعویٰ کیا ہم سید ہیں۔ ہمارے ملک کے بہت سے لڑکوں نے جب دیکھا حکمران بنے کیلئے دہری شہریت مسکن ہونا چاہیے، چاہے امریکا ہو یا لبنان یا پیرس، ملک سے باہر آف شور بنائی ہے۔ بعض نے کہا اقتدار کے لئے علم بلم کی ضرورت نہیں دولت چاہئے، اقتدار کسی طاقت وقدرت سے نہیں بنتی، محازوں مورچوں جان ہتھیلی پر رکھنے والے انتظام مملکت نہیں کر سکتے، خاندانوں میں بڑا خاندان ہونے سے بھی حاکم نہیں بنتے۔

بنی عباس کے مبدعات:۔

امت اسلامیہ کو بدعتوں خرافاتوں کی دلدل میں پھنسانے والی حکومت ''حکومت عباسیہ'' ہے۔ انہوں نے اپنے کرم فرما جیالان فارس کو خوش کرنے کی خاطر مجوس و یہود وصلیب کی اختراعی روایات ورسومات کو مملکت مسلمین میں رواج دینے اور مسلمانوں کو ان منکرات سے متعلق خاموش رکھنے کے لئے ان جیسی روایات خود بھی اپنانے کی بدعات از خود سے شروع کیں۔ ان میں سرفہرست اعیاد کی بدعتیں ہیں۔ کتاب بلوغ العرب ص ۳۸ پر دیکھیں۔

ایام جاہلیت کی چندین اعیاد تھیں، ہم ان میں سے مشہور اعیاد کا ذکر

کرتے ہیں جس کی یاد میں شعراء نے بہت غلو کیا ہے۔ پہلی عید ''عید نوروز'' دوسری ''مہرجان'' اور تیسری ''سدق'' ہے۔ نوروز ان کی سب سے بڑی عید ہے، سب سے پہلے اس عید کو منانے والا جمشید ہے۔ فارس کے طبقہ اولیٰ کے بادشاہ جمشید نے اس عید کو بنایا۔ ''جمشید'' ایک مرکب ہے۔ جم ''قمر'' کو کہتے ہیں شاد ''شعا اور ضیاء'' کو کہتے ہیں۔ جس دن جمشید جانشین ہوا اس دن کو نوروز کہا گیا یعنی یوم جدید بعض مورخین نے لکھا ہے جمشید نے اقالیم سبع پر حکومت کی ہے۔ اہل فارس سے ان کے بہت سے بادشاہ گزرے جو اس عید کو مناتے رہے یہاں تک نبی کریم کا لایا ہوا دین اسلام آیا۔ مجوس نے سلاطین بنی عباس سے اس دن کو منوایا، ان کے نظر میں یہ سلسلہ ظالم تھے۔ ایرانیوں نے پوری دنیا میں حیرت انگیز انقلاب لایا انقلاب کا تعارف اسلامی رکھا لیکن اس عید مجوس کو ختم نہیں کیا، سال کو تعلیم قرآن کے خلاف قمری کے بجائے شمسی رکھا۔

مہرجان ۲۶ مہر ماہ کو ہے، چھ دن گزرنے کے بعد تیسرے دن کو مہرجان اکبر کہتے ہیں۔ مسعودی نے لکھا ہے اس کو مہرجان اول کہنے کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے مہینوں کو بادشاہوں کے نام سے انتساب کرتے تھے ان کے ایک بادشاہ کا نام مہر تھا جو ان کے ہاں سختی وتشدد میں معروف تھا وہ اس مہینہ کی پندرہ کو مرگیا۔ مہرجان سے مراد یعنی مہر کی روح نکل گئی۔ ان مظاہر میں اسراف وتبذیز، تکبر وخودنمائی اور ناداروں کی حسرت پائی جاتی ہے جو قرآن اور سنت محمدؐ سے اجنبی ومتصادم ہے۔ ان تمام مظاہر کا سرا خلفاء بنی عباس کے فارسی نوازوں سے ملتا ہے جہاں انہوں نے ان تمام ثقافتوں کو اپنے اقتدار خلافت کے توسط سے مسلمانوں میں رواج دیا ہے۔

عباسین اور اعیاد اسلامی:۔

مسلمانوں میں اس وقت لاتعداد اعیاد موجود ہیں یعنی سال میں ایک

مخصوص تاریخی دن خوشی منانے میں، بعض کی برگشت قومی ہے جیسے سندھ، پنجاب ثقافتی دن، بعض سیاسی ہے جیسے ۱۴ اگست میلاد محمد علی جناح یا ۱۱ ستمبر یوم اقبال بعض مسلمان قوم کی حیثیت سے جیسے یکم شوال، ۱۰ ذالحجہ، ۱۲ ربیع الاول، بعض فرقوں کے میلاد، صوفیوں کے میلاد جنہیں عرس کہتے ہیں۔ مصر میں ۷ ہزار عرس مانتے ہیں پاکستان میں کہتے ہیں ۷۹ ہزار مزارات میں عرس مناتے ہیں تحقیق معلوم نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کس نے یہ بدعاتِ دین کے نام سے جعل کیں؟ قرآن و سیرت محمدؐ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور نبی کریم کی حیات طیبہ میں ایسے کسی دن کا ذکر نہیں ملتا ہے لہٰذا ہمیں عید کو بنیاد سے اٹھانے کی ضرورت ہے۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب ''اعیاد مسلمین میں اسلام نہیں'' میں ملاحظہ کریں۔ کتاب بلوغ العرب فی معرفت الاحول العرب تالیف الوسی بغدادی ج ۱ ص ۳۳۸ پر آیا ہے'' عید گزشتہ اجتماع کا کسی بھی حوالہ سے دوبارہ منانے کو عید کہتے ہیں''۔

دور جاہلیت میں عرب مشرکین اپنے مخصوص قومی بت خانہ کے گرد سال میں ایک دن میلہ لگاتے تھے جن میں بعض مکانی اور بعض زمانی تھے۔ مکانی اعیاد وہی تھی جہاں ان کے بڑے بڑے بت رکھے ہوئے تھے۔ ان میں تین بت لات وعزاء و منات تھے جیسا کہ سورہ نجم ۱۹ سے ۲۲ تک اس کا ذکر آیا ہے۔ جن جگہوں پر یہ عید ہوتی تھی ان میں مکہ و مدینہ اور طائف شامل تھے۔ لات طائف میں نصب تھا۔ لات ایک مرد صالح کا نام تھا جو حجاج کی خدمت کرتا تھا جب وہ مرا تو لوگ اس کی قبر پر ایک عرصہ دکھ و مصیبت میں بیٹھے رہے پھر انہوں نے اس کی تصویر بنائی، پھر اس پر عمارت بنائی اور اس جگہ کو بیت ربہ کہا۔

عزاء یہ اہل مکہ کا بت تھا، یہ عرفات کے نزدیک تھا۔ وہاں ایک درخت تھا، لوگ وہاں جمع ہو کر اس کے لئے حیوانات ذبح کرتے تھے جب

پیغمبر مبعوث ہوئے تو فتح مکہ کے بعد خالد بن ولید کو وہاں بھیجا اور اسے گرایا اور ان کے مال کو پیغمبر نے لوگوں میں تقسیم کیا۔ ''منات'' یہ اہل مدینہ کے لئے تھا اہل مدینہ یہاں آتے تھے اور شرک کرتے تھے یہ مقام جبل قدید کے نزدیک تھے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں تھا سال میں ایک دفعہ لوگ یہاں جمع ہوتے تھے۔ یہ کعبہ کی تعظیم کی طرح ان کی تعظیم کرتے تھے ان کے خدمت گزار ہوتے اور ہدیہ دیتے۔ یہاں حیوانات ذبح کرتے تھے۔ ان کے علاوہ یہ لوگ عظمت و برتری کعبہ کے قائل تھے۔ کیونکہ وہ اسے اپنے باپ ابراہیم کا ورثہ سمجھتے تھے۔ اس طرح دیگر جگہوں پر بھی یہ اعمال بجالائے جاتے تھے۔ اگر عقل اور شرع کی موازین سے ان کا موازانہ کریں تو یہ حرکات خلاف عقل و شرع چیز ہیں۔ دین اسلام نے مرکزی محور کائنات سمیت انسان میں توازن رکھا ہے، خوشی اور دکھ انسان کی طبیعی فطرت ہے، اگر اس میں غلو وافراط آجائے تو شرع اس کو روکتی ہے تا کہ توازن میں رہے، کسی خوشی پر زیادہ خوشی کی دعوت دینا یا دکھ کے موقعہ پر زیادہ دکھ کی طرف دعوت دینا خلاف عقل و شرع ہے۔ جہاں کسی چیز کی بنیاد نہ ہو یا وہ غلط ہو اس کو رواج دینے کیلئے شور شرابہ کرنا پڑتا ہے عربوں نے جب بت بنایا اور لوگوں کو بت کی طرف دعوت دینا شروع کیا تو انہوں نے اس کے لئے میلہ لگایا جو گزشت زمان کے ساتھ قومی تہوار بنائے۔

[تاریخ اسلامی ج ۲ حسن ابراہیم حسن ص ۳۵۴] لکھتے ہیں عباسی اقتدار پر فارسیوں کے کندھے پر سوار ہو کر آئے چنانچہ ہر آئے دن ان کا نفوذ و سرایت بڑھتی گئی، یہاں تک زندگی کے تمام شعبوں میں وہ حاوی ہوتے گئے۔ یہ نفوذ ہارون رشید کے دور میں اپنی انتہاء کو پہنچا یہاں تک کے پہننے کا لباس بھی فارسیوں سے لیا گیا اور اعیاد ایرانی' نوروز' مہرجان' رام منانا شروع کیا اور یہ حکومتی سطح پر ادا ہوا۔ اس سے پہلے انہوں نے اپنے اس عمل کو

چھپانے کے لئے فطر اور اضحیٰ کے دن خوشی منانے کی رسم کو فروغ دینا شروع کیا اور ان دنوں میں یہ خود امامت کرتے اور خطبہ دیتے تھے اور عید کی فضیلت بیان کرتے تھے اور مسلمانوں کو شعائر اسلام کہہ کر اس کی محافظت کی ہدایت دیتے تھے۔ یہ عمل رفتہ رفتہ عواصم اسلامی کے مراکز بیت المقدس دمشق تک سرایت کرتا گیا جبکہ ایسے مظاہر صدر اسلام میں نہیں ہوتے تھے اس وقت اضحیٰ کے موقع پر نویں ذی الحج کو امام خطبہ دیتے اسکے بعد مناسک حج کو انجام دیتے اور دس گیارہ کو قربانیاں کرتے اور رمی جمرات کے بعد اپنا لباس بدل لیتے اور ان فرائض کی انجام دہی پر خوشی محسوس کرتے تھے۔ لیکن نئے لباس، فخر و مباہت اور دین و دیانت سے غافل ہو جانے کا کوئی مظاہرہ صدر اسلام سے اس وقت تک نہیں تھا۔ فارسیوں اور خلفاء نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے نوروز و مہرجان کو فروغ دیا اور اس دن کو اپنی روحانیت اور معنویت سے نکالا ہے۔

فاطمین نے بھی مصر میں ان اعیاد کو اپنی شان دیکھانے کے ایک مظاہرہ کے طور پر استعمال کیا۔

زواجی بدعات:۔

دین اسلام کے دو مصادر قرآن وسنت نبی کریم ہیں ان پر عمل کرنے والے اصحاب واہل بیت اطہار کی حیات ہمارے سامنے ہے۔ ان کے بعد اذدواج میں طرح طرح کی بدعات، خرافات، منکرات اور معاشیات (مال ودولت) کو شامل کیا گیا ہے۔ ان چیزوں کو شامل کر کے اس ضرورت انسانی کو مشکل اور پیچیدہ بنانے کا سہرا کس کے سر ہے؟ اگر اس کی تاریخ پیدائش کی تلاش کریں تو اس کا سہرا بنی عباس کے سر جاتا ہے۔ ان مراسم کے نبی کریم سے لے کر بنی امیہ کے اختتام تک کوئی آثار ونشانی نہیں ملتی ہے۔ اس کی بنیاد عباسیوں نے رکھی، علماء رسومات فروشی نے ان کے ان اعمال بد کو سند

شرعی دینے کے لئے نبی کریم سے منسوب روایات جعل کیں ہیں۔ یہ روایات ورسومات اس وقت ملک اسلامیہ کے گردن میں طوق، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں بنی ہیں۔ خاص کر خواتین کے لئے اسباب خودکشی، خودسوزی بنے ہیں، کیونکہ انسانوں کے حیات فردی کے لئے کھانا پانی مکان کے بعد نعمت ازدواج سے بہتر کوئی نعمت نہیں تھی لیکن ان رسومات کی وجہ سے ان سے محروم ہو گئے۔ ملک کے مایہ ناز علماء ان رسومات وبدعات میں اب تو یہود و نصاریٰ اور ہندو بوذیوں کی رسومات بھی شامل کئے ہیں۔ یہ رسومات اب تو اشاعۃ فحشاء کی محافل کا منہ بولتا ثبوت ہیں بلکہ خود دوسروں سے سبقت لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ علامہ راجہ ناصر نے یہ رسم کسی فارم میں کی تھی، جہاں ۲۱ قسم کی غذا بنائے تھے۔ جناب محسن نجفی نے صرف ایک شرط ''مراسم ۱۵ شعبان کو کرنے'' پر پچاس ہزار تعاون کا اعلان کیا تا کہ اس موقعہ فحش سے ان کے خودساختہ مہدی کو بھی سند ملے۔ اب تک کسی عالم دین نے اپنے قول وفعل سے ان مراسم کی مذمت کی ہو، کبھی نہیں سنا ہے۔

عباسین کی مراسم زواج کے اخراجات:۔

عباسین کی مراسم ازدواج میں مخارج و مصارف کا مطابق قرآن و سنت ہونا تو دور کی بات ہے عقل و وجدان سے بھی دور تھے، اوراس وقت تک تاریخ اسلام میں اسکی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں۔

بنی عباس نے اپنے آپ کو مسند خلافت پر بٹھانے والے اہل فارس و روم والوں کے شکریے میں ان خرافات و بدعات کو اسلام میں شامل کیا۔ ان خرفات و بدعات کی بنیاد بنی عباس کے ہارون رشید نے زبیدہ کو اپنے عقد میں لاتے وقت رکھی اوراس کو اپنی انتہا پر پہنچانے کا سہرا مامون رشید کے سر جاتا ہے۔ تاریخ اسلام تالیف حسن ابراہیم حسن جلد ۲ ص ۴۴۲ میں آیا ہے، عباسیوں نے ان اجتماعات ومحافل کو سجانے میں بہت توجہ دی، اوراس

میں اسراف کا جونمونہ ہارون رشید نے زبیدہ کے ساتھ عقد میں کیا اسے زبیدہ نے بھی پسند نہیں کیا۔اس کے بعد مامون نے اس اسراف کو عروج دیا جب وہ بوران بن حسن بن سہل کو اپنے عقد میں لایا۔طبری میں آیا ہے مامون نے بوران بن حسن بن سہل کو دس ملین درھم دیئے اوراس کے علاوہ اقلیم قم (فارس) جوایک صوبہ تھااس کا خراج بھی اس کو دیا۔جبکہ مسعودی نقل کرتے ہیں جواسراف اذدواج میں حسن بن سہل نے کیااس کی مثال کہیں نہیں ملتی اس نے اپنے داماد (مامون) کی آمد پراس کے ساتھ آنے والے لوگوں پرموتی و جواہرات نچھاور کیئے،اس طرح کا اسراف تاریخ اسلام میں کسی بادشاہ نے اوراس سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی کسی نے نہیں کیا۔بنی عباس کے قائدین لشکراورادارات کے افسران کوخوشبو سے بھرے مشک میں انعامات کی مختلف تحریریں دیں جن میں کسی کو باغات ،کسی کوکنیز اورکسی کو سواری ملی،جب یہ حضرات ان اوراق کودیکھتے توانھیں مزہ آتا۔پھراس کے بعد عام لوگوں پر درہم و دینار نچھاور کیئے گئے۔شاہ بہشتی لکھتے ہیں مامون نے بوران کا مہر یہ ایک لاکھ دیناراور پانچ لاکھ درہم رکھا تھا۔مامون جب بوران کولایا توان کوایک سونے سے بنائے ہوئے فرش پر بٹھایااور جواہرات نچھاور کیے۔لوگ اس کواٹھانے سے ہچکچارہے تھے،ماموں نے ان سے کہا لوگوں کوکرامت دے لوگوں کی تکریم کرے تو ہاتھ سے ایک دانہ اٹھایا تو پھر باقی حاضرین نے ان کواٹھایا۔لہٰذاادھر دو نام ہیں مامون اور حسن، یہاں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے اپنا مال خرچ کیا بلکہ انھوں نے بیت المال مسلمین میں سے یہ اسراف کیئے۔بنی عباس میں سب سے زیادہ اعلیٰ ،دین دار ،فقیہ اور اہل بیت کو چاہنے والے خلیفہ مامون رشید کے اسراف یہ ہیں حالانکہ قرآن نے اس عمل کے انجام دینے والوں کواخوان شیاطین کا نام دیا ہے۔

[کتاب تاریخ اسلام حسن ابراہیم حسن جلد۲۔ صفحہ ۳۶۰]

خلیفہ مہدی، تیسرے خلیفہ عباسی نے اپنے بیٹے کی ازداوج کے موقع پر ولیمہ کا جو اہتمام کیا تاریخ اسلام میں اسکی مثال بھی کہیں نہیں ملتی ہے۔ اس تقریب میں شرکت کرنے والوں کو کھانے کے علاوہ انہیں سونے کے برتن میں چاندی رکھ کر اور چاندی کے برتن میں سونا رکھ کر عنبر بھر کر تحفہ میں دیا گیا۔ ان کی بہو زبیدہ کو لباس ابریشم، زیورات و جواہر سے اس طرح آراستہ کیا تھا کہ ان کے لیے چلنا مشکل ہو گیا تھا۔ ان کے آگے تین شمعیں عنبر سے بنائی تھیں اور ان میں جو عنبر جلا رہے تھے، اس کے دھواں سے زبیدہ خود تنگ آ گئی اس نے کہا یہ جو اسراف ہوا ہے یہ کافی ہے اس کو اٹھاؤ۔

خلیفہ کی اس ازدواجی تقریب میں تیرہ لاکھ دینار خرچ ہوئے جو مہدی نے خرچ کیے۔ خلیفہ مامون کی ازدواج کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ۳۵ ملین درہم خرچ ہوئے مسعودی نے مروج الذہب جلد۲ میں لکھا ہے کہ حسن ابن سہل نے مامون کے ازدواج میں جو پیسہ خرچ کیا اسکی اسلام میں اور دورِ جاہلیت میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

زواج قطر الندیٰ خلیفہ المعتضد :۔ (کتاب تاریخ اسلام تالیف حسن ابراہیم حسن جلد۳ صفحہ ۴۶۵)

خلفائے عباسی اولین کے اسراف و تبذیر، تقریبات ازدواج کے بعد اب ہم آتے ہیں اس کے بعد کے عباسی اور امیر طولونیین، خلیفہ معتضد سے ازدواج میں قطر الندیٰ دختر خمارویہ بن احمد بن طولون۔ خمارویہ مصر کی دولت سے اتنا مال و مال ہوئے کہ مال بدل کرنے میں، مال بخشنے میں بے پروائی برتتے تھے وہ نہیں سوچتے تھے اس بخشنے سے ہمیں کمی آئے گی۔ ابن دقاق لکھتے ہیں اس نے اپنی بیٹی کے ساتھ اتنا مال بھیجا اتنا اس سے پہلا نہیں

سنا تھا۔ مقریزی نے جلد ا۔صفحہ ۲۱۹ ''کتاب خطط'' میں لکھا ہے جو مال انہوں نے بھیجا ہے اسکی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔ مصر سے بغداد تک جہاں جہاں قیام کرنا تھا وہاں مصر کے اپنے قصر جیسا ایک قصر بنایا کہ جہاں انکی بیٹی اور انکے ساتھ جانے والے قیام کریں گے اور اس قصر میں ہر چیز ایسی تھی جیسی ان کے اپنے میں قصر میں تھی۔ ابن خلکان نے جلد ا صفحہ ۷۴ پر لکھا ہے ان کی صداق لاکھوں درہم تھے لیکن یہ جہیز میں جو خرچ ہوا ہے اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھے۔ جصاص جوہری کو صرف جہیز بنانے پر چار لاکھ دینار انعام دیا تھا۔ اب ان چیزوں سے اندازہ کریں کہ مصر میں عہد خمارویہ میں کس طرح اسراف وتبذیر ہوا ہے۔ سونے کے برتن میں کھانا دیا اور کھانا کھا کر برتن ساتھ لے کر جاتے تھے۔ قطر الندیٰ اپنے باپ کے گھر سے ایک انتہائی کثیر الجماعت کاروان کے ساتھ نکلیں، اور لوگ اپنے امیر کی پوتی کی ندا کے لیے نکلے، انکو بچانے کے لیے جو لوگ محافظ بنے تھے ان کے لباس اور تلواروں کی کوئی حد نہیں تھی۔ اس ازدواج میں خلیفہ معتضد نے اپنے سسر کو فرات سے برقتہ تک آنے والے تمام خراجات مالیات دیے۔

قصور خلفاء۔ امراء۔ اغنیاء میں مغنی و مغنیات کی رقاص :

[الاسلام ج ا ص ۶۸]

ادوار تاریخ قدیم سے لے کر عصر ترقی وتمدن تک غلام وکنیزان کے لیے ایک سنت جاری رہی ہے، گرچہ اس عصر میں انہیں غلام وکنیز نہیں کہا جاتا ہے بلکہ نوکر یا ملازم کہتے ہیں لیکن ان سے کام وسلوک وہی ہوتا ہے جو سابق زمانے میں تھے۔ لیکن تغنی در رقاصی کے لئے الگ مجامع بنایا گیا ہے جسے آج کل ''کلب'' یا ''نیلام گھر'' کہا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ان کی حوصلہ افزائی کے لئے وزراء مملکت بھی وہاں پہنچتے ہیں۔

دین اسلام میں انسانوں کی غلامی کی جگہ ان کی آزادی پر زیادہ توجہ دی ہے ایسے بہت سے مواقع دیئے جن کے ذریعے غلام و کنیزی کا اسلام میں خاتمہ ہو پائے اور سب نعمت آزادی سے لطف اندوز ہوں۔ اس کا فوری خاتمہ حالات و طاقت سے باہر تھا لہٰذا اسے ایک ناگزیر حالات میں رکھنا پڑا کیونکہ اس کو بند کرنا اسلام کے مفاد میں نہیں تھا مثلاً کفر و شرک سے جنگ جاری تھی اور اسکا ایک طرف سے خاتمہ نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن اسلام آنے کے بعد اسے ختم کرنے کے لئے بہت مواقع بنائے، جوں ہی وہ مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہو گئے گویا اس دن سے ان کا نام آزادی کے رجسٹر میں درج ہوا کہ وہ جلد یا تھوڑی دیر کے بعد آزاد ہو جائیں گے۔ جنگ میں اسیر ہونگے تو ان کا ایک مال کی طرح حساب ہوتا تھا دیگر اموال کی مانند، جس طرح آلات و وسائل جنگی دشمن سے لیتے تھے اسی طرح جنگجو، نقود، گھوڑے، مال و دولت اور جنگجو سب کو غنیمت میں لیتے تھے، اس میں سے ایک پانچواں حصہ مصالح عامہ مسلمین میں فقراء و مساکین میں تقسیم ہوتا تھا۔ اسلام و کفر کی جنگ میں غنائم زیادہ آتے تھے ان میں کنیزیں بھی زیادہ ہوتی تھیں کفر کی جنگ میں زیادہ آتیں اور ان کی قدر و قیمت ان کے ہنر و پیشہ اور حسن و جمال سے ہوتی تھی۔

تجارت و کاروبار رقیق نے مملکت اسلامی میں اتنے وسیع انداز میں فروغ پایا کہ جس طرح کسی ملک میں شاہراہوں کے نام ہوتے ہیں اسی طرح اس کاروبار کی وجہ سے بغداد میں ایک بازار نخاسین بنا تھا، ایک سڑک رقیق کے نام سے مشہور ہوئی، یہاں کنیزیں اور غلام فروخت ہوتے تھے۔ چنانچہ امین و مامون کی جنگ کے دوران یہاں پر حملہ ہوا۔ تاجر رقیق کو اس وقت نخاس کہتے تھے، پہلے زمانہ میں نخاس حیوان بیچنے والوں کو کہتے تھے سابق زمانہ میں بغداد میں موجود نخاسوں کی دکان پر شعراء و ادباء اچھے

گھوڑے خریدنے جاتے تھے۔بعد میں انہی جگہوں پر کنیزیں بھی رکھنا شروع کیا گیا یہاں ابوالخطاب نخاس بھی کنیزیں رکھتا تھا۔عقلاء اس تجارت کو کراہت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

ایک زمانہ میں ایک جماعت معاویہ بن ابی سفیان کے پاس آئی تو معاویہ نے ان سے پوچھا تمہارا کاروبار کیا ہے تو کہا ہم غلام بھیجتے ہیں تو معاویہ نے کہا بدترین کاروبار ہے۔دورِ حکومت میں ایک والی انہی پر نگرانی کرتے تھے جو غلاموں کی قیمت گزاری کرتے تھے۔یہ غلام وکنیز اپنی جگہ مختلف ہوتے تھے بعض سیاہ ہوتے تھے ان میں سرفہرست مصر، جنوب عراق، شمال افریقہ والے ہوتے ،جس طرح سونا چاندی لاتے تھے اسی طرح غلام لاتے تھے۔غلاموں کی قیمت دوسری صدی میں دوسو درہم تک پہنچی تھی ، اس وقت کافور اخشد جو مصر کا والی بنا ان کو ۳۱۲ھ میں ۱۸ دینار میں خریدا۔ان میں بعض سفید ہوتے تھے ترک اور ثقالیہ کی کنیزیں مشہور تھیں، لوگ ثقالیہ کو ترک پر مقدم رکھتے تھے۔کنیزوں کی خصوصیات اور امتیاز میں سے ہندوستان سے آنے والی کنیزوں کو حسن وادب وسکون میں بہتر سمجھا جاتا تھا۔ہارون رشید کے دور میں یہ کاروبار اپنی انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے، خلفاء اور امراء اور اغنیاء کے گھر ان سے بھرے ہوتے تھے۔

خلفاء عباسی کے دور میں خلفاء کی کارکردگی جنگ تک محدود تھی جن کی درآمد غلام وکنائز تھی ان سے چنا گیا عبد وکنائز اور بازار نخاسین سے خریدا گیا رفیق ہی موردِ توجہ خلفاء تھے۔امراء واغنیاء کے قصور معلیٰ ان سے پر رہتے تھے ،ان کے وزراء وامراء اوران کی بیویوں کی خدمت کے لئے سینکڑوں تعداد میں غلام وکنیز ہوتے تھے، کہتے ہیں خالد بن برمکی کی بیوی کے گرد چارسو کنیزیں خدمت گزاری کرتی تھیں۔ان میں سے جو خوبصورت معروب ہوتی وہ خلفاء اپنے نکاح میں لیتے تھے، چنانچہ چندین خلفاء کنیز

زادہ تھے۔ لیکن مجموعی طور پر کنیز و غلام کا ثقافتی تصور دور جاہلیت جیسا نہیں تھا وہ بہت کچھ محترم تھے چنانچہ لشکر صلاح الدین ایوبی پورے کا پورا ممالک تھے بعد میں انہوں نے چندین سال مصر کا اقتدار سنبھالا، اس طرح فارس اور ہندوستان میں بھی غلام زادوں کی حکومتیں قائم ہوئیں۔

طبری نقل کرتا تھا کہ جب مامون فضل بن سہل پر ناراض ہوا، تو اس کے چار غلاموں نے اس کو قتل کیا۔ ص ۴۷ پر لکھتے ہیں متوکل عباسی کی چار ہزار کنیزیں تھیں مختلف ملکوں سے۔ احمد بن صدقۃ نے نقل کیا ہے ایک دن مامون کے پاس گیا تو اس کے پاس ۲۰ رومیات کنیزیں تھیں جن کی گردنوں میں صلیب لگی ہوئی تھی ہاتھوں میں خوص و زیتون تھا، مامون نے کہا احمد ان کے بارے میں کوئی غناء کرو۔ رشید نے مروان بن حفصہ کو کثیر مال دیا، مال کے ساتھ دس رومی کنیزیں دیں، محمد بن شفوف ہاشمی کو تین کنیزیں دیں۔ مہدی کے لئے ایک نصرانیہ کنیز تھی جس کے سینہ میں سونے کی صلیب کا نشان لگا ہوا تھا، ان کا دار الخلافہ غلام و کنیزوں سے بھرا ہوا ہوتا تھا۔ خلفاء نے ان کنیزوں اور غلاموں کو دین میں آزاد چھوڑا ہوا تھا تو کنیز صلیب پہنتی تھی، اپنا مسیحی لباس پہنتی تھیں، عربی نہیں بولتی تھیں اپنی زبان میں بات کرتیں تھیں۔

ص ۴۷ پر لکھتے ہیں اس دور میں غناء نے اتنا فروغ پایا، حتیٰ فقراء کے گھروں پر بھی گانا گایا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں کتابیں لکھی گئیں، حکایات میں یہاں تک ہے کہ بغداد کے پل پر اتنے لوگ جمع ہو کر گانا سنتے تھے جس سے پل ٹوٹنے کا خطرہ ہو گیا تھا۔ خلفاء اور ان کے اولاد گانے کی آواز بنانے اور گانا گانے میں شرم نہیں کرتے تھے۔ خلیفہ مہدی عباسی کی بیٹی اولیہ ۳۰۷ آوازوں میں گانا گاتی تھی۔ معتصم ایک دن محلّہ شماسیہ کی جانب نکلے تو عمر بن ابی ربیعہ، بشارت برد، مسلم بن ولید، ابی عطائیہ، مغنیہ آگے تھے۔

[اخبار دول فی التاریخ ج ۲ ص ۱۰۵] پر آیا ہے معتصم عباسی ۸ ہزار غلام اور ۸ ہزار کنیز رکھتا تھا۔

مملکت اسلامی:۔

اس وقت مملکت اسلامی کا رقبہ بہت وسیع تھا افریقہ سے لے کر سندھ افغانستان روس وغیرہ سب اسلامی حکومت کے زیر نظر تھے انہوں نے جزیرۃ العرب کو ۴ حصوں میں تقسیم کیا تھا:

۱۔ حجاز اس میں مکہ، مدینہ، ینبع، جدہ اور طائف شامل تھا۔

۲۔ یمن اور اس سے ملے دریا تھامۃ اور قصبہ زبیدہ نجد اور صنعاء شامل ہے۔

۳۔ عمان میں سمندر ہے جو بحر ہند سے ملتا ہے۔

۴۔ حجر اور احصار اس میں شامل تھے۔

یمن سے متعلق احقاف، حضر موت۔ شحر۔ حجر یہ لوگ عربی خالص تھے یہاں صرف عربی زبان چلتی تھی اس سے ملحقہ علاقے یہ تھے:

۱۔ طریق مصر　۲۔ طریق رمۃ　۳۔ طریق شراۃ
۴۔ طریق تبوک　۵۔ طریق وبیر　۶۔ طریق بطنسر
۷۔ طریق رحبۃ　۸۔ طریق ھیت　۹۔ طریق کوفہ
۱۰۔ طریق قادسیہ　۱۱۔ طریق واسط　۱۲۔ طریقوادی القری
۱۳۔ طریق البصرۃ

اقلیم عراق:۔

۱۔ کوفہ اور اس کے نواح میں قادسیہ اور عین تمر سے ملخص ہے۔

۲۔ بصرہ اور اس کے نواح میں اُبلۃ او رعبادان کا علاقہ۔

۳۔ واسط اور اس سے متعلقہ شہر فم الصلح۔

۴۔ مدائن اور اس کے قصبہ وہ جگہ جہاں ایرانی بادشاہ کسر رہتا ہے اس

میں نہروان دسکرہ اور جلولا شامل ہے۔
۵۔حلوان میں خانقین اور سیروان آتا ہے۔
۶۔سامراء اور اس سے متعلقہ شہروں میں کرخ، عکبرہ، انبار، ھیت اور تکریت شامل ہے۔
اس کو قدیم زمانہ میں بابل کہتے تھے۔عباسیوں کی حکومت کا دارومدار اس پر تھا انہی چیزوں میں ترقی ہوتی تھی امت یہاں نبطیۃ (عربی زبان بولنے والے) تھے۔اقلیم جزیرۃ میں دجلہ اور فرات کے درمیان تین شہر ہیں دیار ربیعہ، قصبہ موصل، ایک شہر حدیثہ، سنجار اور نصیبین رأس العین اور نمانین اور جزیرہ ابن عمر ہے۔دیار مضر اور قصبہ رقۃ آتا ہے باجروان، حصن مسلمۃ، حران آتا ہے اس کے علاوہ دیار بکر اور اس سے متعلقہ شہر میافارقین اور حصن کیفا آتا ہے۔

اقلیم شام:۔

۱۔قنسرین اور قصبہ حلب، انطیکۃ، بالس، سمیساط، منبج، قنسرین، مرعش، اسکندریہ اور معرۃ النعمان۔
۲۔حمص اور قصبہ حمص، سلمیۃ، تدمر، اذقیۃ اور انطرسوس۔
۳۔دمشق اور اس سے متعلقہ شہر میں بانیاس، صیدا، بیروت اور طرابلس۔
۴۔اردن اور قصبہ طبریۃ، صور، عکا، بیسان، اذرعات۔
۵۔فلسطین اور قصبہ رملۃ، بیت المقدس، عسقلان، یافا، ارسوف، قیساریۃ۔
۶۔شراۃ اور قصبہ صغر، مآب، عمان، تبوک، اذرح۔

خریطہ عالم اسلامی:۔

[تاریخ دولۃ اسلامیہ ص۱۹۶]
یعنی خاندان بنی عباس جب منصب خلافت پر آئے تو انکا دائرہ

حکومت کہاں تک پھیلا ہوا تھا؟ جس وقت بنی عباس کرسی خلافت پر بیٹھے تو ان کی مملکت کی حدود مشرق کی طرف سے سمندر اور دریائے قزوین بلاد نوبۃ تک تھی، یا اگر مملکت کو بڑے شہروں میں تقسیم کریں تو ۱۴ اقلیم بنتے ہیں ہر اقلیم اپنی جگہ چندین ولایت پر مشتمل ہے ہم یہاں ان کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں۔

۱۔جزیرۃ العرب:۔ اس میں ۴ ولایات آتے ہیں:

۱۔حجاز　　۲۔عمان　　۳۔یمن　　۴۔ھجر

حجاز میں مکہ اور مدینہ جو کہ قبلہ مسلمین ہیں اور مدینہ میں قبر رسول اللہؐ شامل تھے یہاں رہنے والے عربی ہیں۔

۲۔اقلیم عراق:۔ اس میں ۶ ولایات ہیں:

۱۔کوفہ　　۲۔بصرہ　　۳۔سامراء　　۴۔واسط

۵۔حلوان　　۶۔مدائن

اس اقلیم کو قدیم میں بابل کہتے تھے۔ یہ مرکز باغات حکومت عباسی تھا دنیا میں سب سے زیادہ خوبصورت، غنی سرسبز و شاداب علاقہ ہے یہاں بھی عرب ہیں۔

۳۔اقلیم جزیرہ: یہ دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے اس میں یہ عمارت ہیں:

۱۔بنی ربیعۃ آتا ہے، اس میں موصل آتا ہے۔　۲۔دیار بنی مضر آتا ہے اور اس میں رقۃ آتا ہے۔　۳۔دیار بکر اس میں عامر آتا ہے۔

ان اقلیم میں عرب اسلام آنے سے پہلے سے ہیں، یہاں عدنانیین رہتے تھے۔ اس کی سرحد روم ارمینیہ سے ملی ہوئی ہے۔

۴۔اقلیم شام: اس میں ۶ ولایات ہیں:

۱۔قنسرین　　۲۔حمص　　۳۔دمشق　　۴۔اردن

۵۔فلسطین　　　۶۔شراۃ

یہاں بھی اسلام آنے سے پہلے عربی زبان کے لوگ تھے یہ مرکز تمدن اسلامی رہا ہے ان کی زبان بھی عربی ہے شمال میں روم ہے۔

۵۔اقلیم مصر: اس میں ۷ ولایات آتے ہیں:

۱۔جفار　　۲۔خوف　　۳۔ریف　　۴۔اسکندریہ، عین شمس

۵۔مقدونیہ، فسطاط　　۶۔واحات

یہ مصر قبطیۃ میں آتا ہے یہاں یونان، رومانیہ نے حکومت کی ہے جب اسلام آیا تو بہت سے عرب قبائل نے یہاں حکومت کی ہے پھر قیس وغیرہ نے۔

۶۔اقلیم مغرب: اس میں ۸ ولایات ہیں:

۱۔برقہ　　۲۔فاس　　۳۔افریقہ　　۴۔سوسا قصی

۵۔تامرت　　۶۔اندلس　　۷۔سلجماسہ

بنی امیہ کے دور سے یہ علاقہ تابع افریقہ رہا ہے اور حکومت مرکزی خلیفہ چلاتے تھے یہاں پہلے بربر متمکن تھے۔ یہاں عرب فاتحین آئے اور بربریوں سے مزاحمت کی لیکن انھیں مجبور نہیں کیا۔

۷۔اقلیم مشرق: جس کے مشرق میں نہر جیحون ہے اس کو ماوراء النہر بھی کہتے ہیں۔ مغرب کی طرف اس کو خراسان کہتے ہیں لیکن ماوراء النہر زیادہ سرسبز و شاداب اور تمدن والا شہر ہے۔ قدرتمند اور طاقت مند ہیں ان لوگوں نے اپنی خوشی اور رغبت سے اسلام کو قبول کیا، اس میں ۶ ولایات ہیں:

۱۔فرغانہ　　۲۔استیجاب　　۳۔شاس　　۴۔اشروسنہ

۵۔صعد　　۶۔بخاری

یہاں سے بہت سی نہریں گزرتی ہیں جن میں سے مشہور نہر جیحون ہے۔ اس میں ایک حصہ خراسان کا ہے، یہ علاقہ سب سے پرانا شہر ہے۔ اس

علاقہ کے لوگوں نے حکومت عباسی کی بنیاد رکھی ہے، انہوں نے اس کو محکم کیا ہے۔ قتیبہ بن مسلم باھلی نے اسے فتح کیا ہے۔ اس اقلیم میں دیلم آتا ہے اس میں ۵ ولایات آتے ہیں:

۱۔قومس　۲۔طبرستان　۳۔جرجان　۴۔دیلمان　۵۔خزر

یہاں اسلام عباسی دور میں آیا ہے یہ لوگ عربی زبان سے متاثر نہیں ہوئے۔

۹۔اقلیم رحاب: یہاں ۳ ولایات ہیں اکثر بڑے شہر ہیں:

۱۔ایران اور تفلیس　۲۔ارمینیہ　۳۔آذربائیجان

اس میں کرد، ارمن اور فرس آتا ہے یہاں اسلام دولت عباسی کے دور میں آیا تھا۔

۱۰۔اقلیم جبال: اس میں ۳ ولایات ہیں:

۱۔رے　۲۔ھمدان　۳۔اصفہان

۱۱۔اقلیم خوزستان: اس میں اھواز آتا ہے اور یہاں ۷ ولایات ہیں:

۱۔سوس　۲۔جذریسابور　۳۔تستر　۴۔عسکرمکرم

۵۔اھواز

۶۔دوران　۷۔رامہرمز۔

ان کی زبان خوزی ہے۔

۱۲۔اقلیم فارس: اس میں ۶ ولایات ہیں:

۱۔ارجان　۲۔اردشیر　۳۔داربجرد　۴۔شیراز　۵۔سابور
۶۔اصطخر

۱۳۔اقلیم کرمان: اس میں ۵ ولایات ہیں:

۱۔تردسیر　۲۔نرماسیر　۳۔سیرجان　۴۔بم　۵۔جیرفت

۱۴۔اقلیم سندھ: اس میں ۵ ولایات ہیں:

۱۔مکران　۲۔طوران　۳۔سندھ　۴۔ہند　۵۔فتوج

کل ۱۴ اقلیم ہیں اس میں ۸ عجمی ہیں اور ۶ عربی ہیں یہاں ۶ میں عربی زبان غالب تھی ان تمام جگہوں سے مرکزی حکومت کو خراج آتا تھا۔

حملہ تتار سے پہلے عالمِ اسلامی کے حال واحوال :۔ (کتاب المغل صفحہ ۳۸)

عالم اسلامی حملہ مغل سے پہلے چھوٹے چھوٹے ممالک صوبوں میں بٹ گئے تھے۔ لہٰذا وہ اپنے دفاع کے لیے عسکری، اقتصادی لحاظ سے کمزور حکمران تھے جو خود اپنی زندگی تک محدود تھے۔

اس وقت دنیائے عالمِ اسلامی میں ایک فرقہ اسماعلیہ باطنیہ چھائے ہوئے تھے، عباسیوں کی حکومت بغداد کی حدود تک تھی۔ مصر و شام میں ایوبیّن کی حکومت تھی جرائم عالم اسلام میں ایک معمولی صورت اختیار کر چکے تھے۔ جواری، کنیز فروشی کا عروج تھا۔۔ غنا' ناچ' گانے وہ بھی بدترین اندازے میں تھے۔

بنی عباس کی حکومت دین کے نام سے قائم ہوئی اس حکومت کی طرف دعوت دینے والوں نے دین کو اسلحہ کے طور پر استعمال کیا انہوں نے کہا خلافت کو بنی امیہ کے ہاتھوں سے نکال کر واپس اہل بیت کیلئے لائیں گے۔ انہوں نے کہا بنی امیہ دین سے خارج ہوئے ہیں، انہوں نے بنی امیہ کی مذمت میں بہت سی احادیث از خود جعل کیں اور ان کو سنت رسول اللہ سے نسبت دی۔ اس طریقہ سے انہوں نے لوگوں میں نفوذ پایا اس دعوت کیلئے منطقہ فارس کو انتخاب کیا، یہاں کے علاقہ تشیع اور حب اہل بیت کیلئے گہوارہ اور مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ افراد جو دین اسلام میں فارس سے داخل ہوئے تھے ان کیلئے خلافت اور ملکویت میں چنداں فرق نہیں تھا، بلکہ ملوکیت ان کے نزدیک زیادہ تر پسندیدہ تھی جو وراثت میں جاتی ہے۔

اس سے پہلے فارس ایک قدیم تاریخ کا حامل علاقہ تھا، یہاں بادشاہ گزرے ہیں۔ ان کی حکومت قائم تھی جس کا اسلام آنے سے خاتمہ ہوا تھا۔ ان لوگوں نے اس دعوت میں ایک موقع دیکھا کہ وہ اپنی عزت کو دوبارہ اس دعوت کے ذریعہ واپس لائیں گے اور دوبارہ عربوں کو ذلیل کریں گے، ان پر مسلط ہو جائیں گے۔ درحقیقت بنی عباس اور بنی امیہ کے درمیان جنگ کو جنگ فارس و عرب کہہ سکتے ہیں۔ یہ جنگ صرف بنی عباس اور بنی امیہ کے درمیان نہیں تھی۔ سب سے بڑا سبب جس نے بنی امیہ کے خلاف جنگ میں مدد دی ہے اور معاون ثابت ہوئی اور ان سے خلافت چھین کے اس بیت کیلئے رہنے کیلئے ثابت ہوئی ہے، وہ درحقیقت ظاہری ہے گرچہ آخر میں یہ اولاد علی کے ہاتھوں سے نکل گئی اور عباسین کے ہاتھوں میں آ گئی۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ اس سلطنت کے ساتھ بنی عباس نے کیا سلوک، رویہ اور طریقہ اپنایا۔

اسلامی مملکت وسیع و عریض روم، قسطنطنیہ، افریقہ ہندوستان تک پھیلی تھی یہاں ایک خلیفہ ایک حکمران ہوتا تھا۔ لیکن مغلیوں کی آمد سے کچھ سال پہلے یہ ٹکڑوں میں بٹے ہوئے تھے۔ وحدت سیاسی کے نام سے وہاں کوئی چیز موجود نہیں تھی ہر سلطان خود مختاری چاہتا تھا جبکہ خلیفہ ان کے خلاف تھا، وہ دوسروں کو ان پر سوار کر کے ایک دوسرے کو کمزور کرنے پر تلے ہوئے تھے جس سے وحدت سیاسی ناپید ہوئی۔

۱۔ حکام مسلمین اس وقت ہلاکو کے زیر پرچم تھے۔ ان حکام میں سب سے برے کردار کا مالک براق حاجب اور اس کے جانشین تھے جو کرمان کے علاقوں کے نگران تھے۔ حکام مسلمین میں سے سب سے پہلے ہلاکو کو وعدہ دینے والے یہی تھے۔ اقلیم کرمان اس وقت حکومت خوارزمی کا حامی تھا۔ یہ اقلیم امیر غیاث الدین ابن ثانی سلطان محمد خوارزم شاہ تھے۔ امیر غیاث

الدین نے اپنی طرف سے کرمان میں براق حاجب کو نائب بنایا تھا کہ وہ اپنی طرف سے اس جگہ کو سنبھالے۔ جب ان دو بھائیوں غیاث الدین اور جلال الدین کے درمیان اختلاف ہوا۔ تو غیاث الدین کرمان گیا۔ جہاں اس کے نائب اول کرمان میں تھے۔ براق حاجب نے غیاث الدین جس نے اسکو والی بنایا تھا سب سے پہلے اس کے سر کو کاٹا اور مغلوں کے لئے بھیجا اپنے آپ کو ان کی سلطنت کے سامنے خاضع ہونے کا وعدہ دیا۔ براق مغلوں کے ہمدرد اور مخلص رہے اور اپنے لشکر کو ان کے لشکر میں شامل کیا تا کہ دیار مسلمین پر حملہ کریں۔ براق کی وفات کے بعد رکن الدین، خواجہ الحق، قطب الدین محمد ان سب میں مغلوں کے کون حامی ہونگے، کون وفادار ہونگے، اختلاف ہوا کہ کرمان کی حکومت کس کو ملے۔ دونوں منگولیا گئے اور دونوں نے زیادہ تر انکی حمایت کرنے کا وعدہ دیا۔ قطب الدین محمد جو حاکم کرمان تھے نے اپنی طرف سے بہت بڑا لشکر اسکی حمایت میں بھیجا۔

۲۔ اتابک اقلیم فارس تھے۔ اس نے بھی مغلوں کا ساتھ دینے کا اعلان کیا انہوں نے بھی اپنا نمائندہ مغلوں کی طرف بھیجا تھا اور ہر مناسبت سے ہلاکو سے رابطہ رکھتے تھے۔

۳۔ بدر الدین لولو اور اتابک موصلی، موصل میں انکا ساتھ دیا۔

۴۔ سلاطین سلاجقہ، یہ آسیا صغریٰ میں تھا۔

۵۔ بعض ایسے گروہ بھی تھے جنہوں نے انفرادی و اجتماعی طور پر مغلوں کا ساتھ دیا جن میں حاکم اقلیم ترکستان اور ماوراء النہر ارغون شامل ہیں بہر حال، بہت سے مسلمان حکمرانوں نے مغلوں کا ساتھ دیا۔

خوارزمی:۔ (اخبار دول فی تاریخ آثار الاول جلد دوم صفحہ ۴۶۳)

خوارزم ایک وسیع العریض رقبہ کی حامل حکومت کا نام ہے۔ اسلامی بہت سے علاقے اس میں شامل تھے۔ چین کے مغرب سے فارس تک

خلافت عباسی کی مخالفت پر قائم تھے دونوں کے درمیان میں ایک دوسرے کے خلاف ضد و نقیض اور جدال جاری تھا۔

حالیہ ایران، یہ پورے کا پورا خوارزم کے ہاتھ میں تھا۔ ایران کا مغربی حصہ خلافت عباسی سے ملا ہوا تھا اور اسماعیلیوں کے قبضہ میں تھا وہ بھی خلافت عباسی سے انتہائی شدت کے ساتھ اختلاف رکھتے تھے۔ ان کی برگشت مجوسیوں سے ملتی ہے۔ اسلام کے ساتھ منافقین جیسا مظاہرہ کرتے تھے۔ مجوسیت ان کے اندر ابھی تک محفوظ ہے۔ یہ آیات قرآن، دینی عقائد کی اپنی خواہشات کے مطابق تفسیر کرتے ہیں۔ یہ طائفہ اسلام کے لیے خطرناک ترین گروہوں میں شمار ہوتا ہے۔

تاریخ خوارزمی کا سب سے پہلا بادشاہ محمد بن اُنوشگین ہے۔ یہ سلجوقیوں کے ایک امیر کا غلام تھا۔ لیکن شجاعت، نجابتِ ادب کی وجہ سے امیر سلجوقی کے پاس محترم و مقدم تھا۔ جب امیر سلجوقی خراسان گئے اور وہاں کے حکمران کو ہٹایا اور اپنی حکومت میں شامل کیا تو دیکھا یہاں کس کو والی بنائیں تو اس وقت ان کی نظر محمد بن اُنوشگین پر پڑی انکو خراسان کا والی بنایا اور لقب خوارزم شاہ رکھا۔ وہ نجابت و شجاعت میں اپنے باپ نوشگین کے وارث تھے۔ اہل علم و دین سے وہ شفقت و محبت کرتے تھے۔ رعیت میں وہ عدالت کرتے تھے۔ جب یہ مرے تو اس کی جگہ ان کا بیٹا اتسز والی بنا یہ بھی باپ کی سیرت پر چلے اپنے باپ کی بادشاہی کے دوران لشکر کی قیادت کرتے تھے۔ جنگوں میں فتح حاصل کی اس وقت سلجوقی بادشاہ سنجر انہیں تمام سفر جنگ میں اپنے ساتھ رکھتے تھے اس وجہ سے سلطان سنجر کے پاس اس کے خلاف چغلی کی گئی۔ یہاں تک کہ سلطان سنجر اس کے مخالف ہو گئے۔ اور وہ ایک لشکر لے کر انکو ہٹانے کے لیے آئے۔ شاہ خوارزم کا بیٹا سنجر کے مقابلے میں شکست سے دوچار ہوا۔ اور اس کا بہت سا لشکر، اس کے فرزند

کے ساتھ قتل ہوا۔ پھر ان کے درمیان مصالحت ہوئی، اختلاف ختم ہوئے۔ یہاں تک ۶۰ سال حکومت کے بعد وفات پائی ان کی جگہ ان کا بیٹا ارسلان شاہ بن اتنسر بادشاہ بنا، اس نے اپنے چچاؤں کو قتل کیا بھائی کی آنکھ نکالی خود ایک عرصہ مریض ہوا ورر ۵۶۸ھ ہجری میں مر گیا۔ اس نے ۱۷ سال تک حکومت کی۔ اس کا چھوٹا بیٹا سلطان شاہ محمود جو اس کے پاس تھا وہ بادشاہ بنا لیکن اسکی ڈور اسکی ماں کے ہاتھ میں تھی۔ اس کا بڑا بیٹا علاؤالدین اس وقت محاذ جنگ پر تھا۔ جب اسے خبر ملی کہ ان کا باپ وفات پا گیا ہے اور اس کے بھائی کو جانشین بنایا ہے۔ تو علاؤالدین نے ترکان خطا کو خوارزم کے مال و دولت کی طمع دی انہوں نے ایک بڑا لشکر ان کو دیا اور وہ خوارزم آیا اور خوارزم کا بادشاہ بن گیا۔ سلطان شاہ محمود اپنی ماں معید کے ساتھ صاحب الجمود کے پاس آیا وہاں لشکر جمع کیا وہاں سے وہ خوارزم کی طرف آئے، جہاں سے ۲۰ فرسخ فاصلے پر تھا تو اس کی ماں معید کو اسیر کرنے کے بعد قتل کیا۔ اس کے بعد محمود واپس خوارزم آیا۔ محمود ۵۸۹ھ ہجری کو وفات پا گیا۔ اور انکی جگہ علاؤالدین بادشاہ بنا۔ وہ عادل عارف تھے۔ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے تابع تھے۔ اس نے ۵۹۶ھ ہجری کو وفات پائی۔ اسی مدرسے میں دفن ہوئے جو انہوں نے بنایا تھا۔ ان کے بعد ملک شاہ بادشاہ بنا۔

سقوطِ حکومت خوارزمیہ:۔ (المغل بین الانتشار والانکسار صفحہ ۹۶ علی محمد صلابی)

علماء جغرافیہ کا کہنا ہے کہ یہ بلادِ غرب میں ترک سے ملتا ہے۔ جنوب میں خراسان سے مشرق میں بلاد ماوراء النہر سے۔ لیکن خوارزم فی زمانہ موجودہ رشیا کا وہ علاقہ ہے جو دو جمہوریوں میں تقسیم ہوا ہے۔ ازبکستان اور ترکمانستان یہ حالیہ ازبکستان اور ترکمانستان کو سابقہ زمانہ میں خوارزمی کہتے

تھے۔اس کے بانی کہتے ہیں خوارزم کے بادشاہ کی برگشت انوشتکن سے ملتی ہے انوشتکن ایک غلام ترکی تھا۔امیر سلجوقی نے اسے افغانستان سے خریدا تھا۔

اسبابِ لشکر کشی مغل:۔

عالم اسلامی پر حملہ کرنے والا پہلا مغل چنگیز خان تھا چنگیز خان نہر اوتن میں پیدا ہوا،اس کا باپ یسوقائی ہے۔کہتے ہیں اس کا باپ چنگیز کی ولادت کے موقع پر باہر تھا اس وقت وہ تاریوں سے لڑ رہا تھا۔جہاں اس جنگ میں تاریوں کے رئیس تیموجن ہلاک ہوا اس طرح سے یسوقائی فتح و کامیابی کے بعد واپس وطن آیا تو پتہ چلا ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا ہے۔انہوں نے اس کا نام اس مقتول تاری کے نام سے تیموجن رکھا۔باپ جلدی مر گیا اس کی ماں نے اس کی پرورش کی۔ایک عرصہ گزرنے کے بعد وہاں کے قبائل نے تیموجن کو اپنا بادشاہ معین کیا۔وہ پہلے مرحلے میں دیگر قبائل سے جنگ لڑتا رہا پھر رفتہ رفتہ اس نے آس پاس کے حکمرانوں سے مراسلات شروع کیے۔

خوارزم پر مغلیوں کی لشکر کشی کے بارے میں کتاب المغل صفحہ ۱۰۰ پر لکھتے ہیں چنگیز خان نے سوچا خلافت عباسی کو گرانے اور مٹانے کے لیے عراق جانے کے راستے میں افغانستان،ازبکستان آتا ہے۔چین سے عراق جانا بہت لمبا راستہ ہے۔لہذا ضروری ہے عراق جاتے وقت راستے میں مغلیہ لشکر کے لیے مستحکم،محفوظ پرامن،معسکر چھاؤنیاں ہونی چاہیے۔یہ منطقہ جسے اس وقت ’کفرہ قفصاۃ‘ کہتے تھے۔اپنی جگہ آباد،زراعت، معدنیات کے حوالے سے آباد جگہ تھی۔خاص کر مسلمانوں کے ترقی یافتہ جگہوں میں سے تھی۔ذخائر مادی سے بھی مالا مال تھی۔خلافت عباسی کے سقوط کیلئے ایک مسلمان حکمران راستے میں تھا۔اس فکر میں چنگیز خان نے اولاً سوچا کہ ہم کیوں کر ابتدا ہی سے راستہ میں موجود مسلمان حکمرانوں کو

ہٹائیں تو سرفہرست اس حوالے سے جو ایک بڑی طاقت کی صورت میں موجود خوارزم تھے خود اس کے اندر بہت سے علاقے افغانستان، ازبکستان، ترکمانستان، تاجکستان وغیرہ۔ کچھ حصہ برصغیر پاکستان کے ایران جس کا مرکزی دارالخلافہ ترکمانستاں میں تھا لہٰذا چنگیز خان نے بادشاہ خوارزم کے ساتھ ایک معاہدہ کیا بادشاہ خوارزم محمد ابن خوارزم سے حسن جواد کا ہمسایہ مما لک ہونے کے ناطے سے۔ یہ وعدہ اس لیے دیا کہ اسکو اپنے عہدو پیمانوں پر پابند رکھے اس کے لیے ضروری نہیں تھا کہ ایسے معاہدوں کا وہ احترام کرے۔ یہ صرف کچھ دیر کے لیے اس کی ضرورت تھی۔ جب چین اور منغولیہ میں ان کی حکومت مستقر ہوئی۔ تو اس نے مغرب کی طرف مما لک اسلام کو فتح کرنے کے لیے رخ کیا لیکن جنگ کس بنیاد پر ہوتی ہے اسکے لیے کوئی دعویٰ ہونا چاہیے۔ صرف معاہدہ جو ہے سبب نہیں بنتا اس نے سوچا ایک مناسب سبب بنادے جس کے تحت جنگ کرے۔ اتفاق سے چنگیز کے علاقے قراقرم میں قحط سالی آئی ضروری اشیاء میں کمی کے ساتھ حیوانات کو بچانے کے وسائل میں فقدان آیا۔ لیکن خوارزم کے بادشاہ نے ان سے تجارتی معاہدہ کرنے سے انکار کیا۔ مغل اس دور میں ایک بیداری سرگرمی اور متحرک حالت میں تھے۔ چین میں پے درپے کامیابی انھیں جنون کی طرف لے گئی۔ اور وہ دیگر علاقوں پر قبضہ کرنے کے لے پرعزم ہوگئے۔ خوارزم کا علاقہ بہت ہی آباد علاقہ تھا جو ثروتوں سے بھرا ہوا ترقی یافتہ علاقہ تھا۔ اسکی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے معاہدہ کیا اس کے لیے کچھ تاجروں کو انہوں نے خوارزم بھیجا۔ خاص کر جب وہ بغداد پر قبضہ کرنے سے مایوس ہوئے۔ تین مسلمان تاجروں کو انہوں نے بھیجا۔ محمود خوارزمی، علی خواجہ بخاری، یوسف قنقہ ان تین امراء کو بھیجا تا کہ تجارتی معاہدہ عمل میں آجائے۔ نیز ان کے ساتھ ایک خط بھی لکھا۔ جس میں امن و آشتی محبت دوستی کے ساتھ دونوں

ملکوں میں تجارتی معاہدے کی درخواست دی تھی۔ ہمیں اعتراف ہے کہ آپکی شان بہت بڑی ہے، سلطنت بہت وسیع ہے۔ میں آپ سے صلح و آشتی کرنا چاہتا ہوں آپ میرے لیے عزیز اور میری اولادوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ سے مخفی نہیں ہے کہ میں نے چین پر قبضہ کیا ہے۔ اور ترک کی دیگر جگہوں پر، یہ سب میرے سامنے تسلیم ہوئے ہیں۔ آپ حالات سے واقف ہیں، میرا ملک لشکر سے بھرا ہوا ہے۔ سونا چاندی کی کانیں ہیں ہم چاہتے ہیں آپ اور ہمارے ملک کے درمیان آمدورفت بحال ہو جائے یہ دونوں ملکوں کے فائدے میں ہے۔ جب خوارزم کو خط ملا، خط کے تمام مضمون کو پڑھنے کے بعد صاحبِ نظر اور اہل تجزیہ نے اس خط سے جو نتائج اخذ کئے وہ یہ تھے۔ اس میں اس نے خوارزمی کی تذلیل کی، اس سے بدبو آ رہی تھی کہ چنگیز نے یہ خط بدنیتی پر لکھا۔ ان تاجروں میں سے ایک تاجر محمود خوارزمی کو بلایا اور تنہائی میں ان سے بات کی۔ ان سے کہا اگر سچ بولیں گے تو اس کے مطالبہ کو پورا کریں گے، اسے کہا وہ چنگیز خان کی جاسوسی کریں اور اس نے اس پر عمل کرنے کا وعدہ دیا۔ پھر انہوں نے اس خط کا جائزہ لیا اور خوارزم شاہ کو غصہ آیا اور پوچھا چنگیز خان کی حدود میں کتنے لشکر ہیں یہاں اس نے جواب دینے سے انکار کیا اپنے آپ کو سلامت رکھنے کیلئے اور کہا ان کے پاس اتنا لشکر نہیں جتنا آپ کا لشکر ہے۔ ان کا لشکر رات کو نظر آنے والا دھواں ہے۔ علاؤالدین کو پتا چلا، حقیقت کیا ہے اور ان کے نمائندے تردد میں چلے گئے۔ اس نا اتفاقی کے نتیجے میں چنگیز خان نے ارادہ کیا کہ اپنی حکومت کو بہت وسعت دے دے راستہ ان کے لیے کھل جائے اور راستہ پرامن ہو جائے۔ تجارِ مغل مدینہ خوارزم الاقرار میں افتتاح تجارت کے لیے آئے وہاں خوارزم کے ماموں زاد بھائی حاکم تھے۔ انہوں نے خوارزم کو رپورٹ دی کہ یہ لوگ تاجر نہیں ہیں تاجروں کے لباس میں جاسوسی کرنے کے لیے

آئے ہیں۔

بلاد مغرب واندلس:۔

یہ موحدین کے قبضہ میں تھا یہ حکومت وسیع تھی یہ لیبیا کی طرف سے ہو کر مغرب کی طرف ہے اور اندلس سے لے کر افریقہ جنوب کی طرف یہ حکومت بھی ساتویں صدی کی ابتداء میں رو بہ زوال ہوگئی خاص کر کے ۶۰۹ھ کو اپنے خاتمہ کو پہنچی۔

ایران:۔

یہاں خوارزم کی حکومت تھی ایران کے غرب کی طرف اسماعیلیوں کی حکومت تھی علماء اسلام نے ان کو خارج از اسلام قرار دیا انہوں نے دین کو فلسفہ سے آمیزش کیا ہے یہ لوگ اصل میں مجوس تھے انھوں نے مجوسیوں کے مذہب کو چھپا کر اسلام کا مظاہرہ کیا آیات قرآن کی تأویل کی یہ لوگ فرقہ باطنیہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے ہر ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے جو کوئی نہیں جانتا ہے صرف وہی لوگ باطن کے بارے میں جانتے ہیں یہ شرائع سابقہ کے منکر ہیں ان کا مقصد سلطنت حکومت ہے یہ لوگ ہمیشہ دین وعقیدہ کو تحریف کرنے' نظام حکومت اسلامی کا تختہ الٹنے کے لئے کوشاں رہتے تھے شخصیات اسلامی کو اغواء اور قتل کرتے تھے فرقہ باطنیہ ان کے خطرناک گروہ میں سے ہے۔

اناضول (اناطولیہ) ترکیہ:۔

اناضول ایک منطقہ ہے جہاں سلاجقہ روم حکومت کرتے تھے سلاجقہ کی اصل کی برگشت ترک کی طرف ہے ان کا سابقہ دور بہت درخشاں ہے اس وقت قائد سلجوقی الب ارسلان تھے لیکن افسوس سے کہہ سکتے ہیں ارسلان جس نے اس منطقہ پر حکومت کی تھی اور اس متعلقہ علاقوں پر جو بیزنطیہ امپراطور سے متصل تھا۔ یہ لوگ انتہائی ضعیف تھے جو آخر میں ذلت وخواری

کا موقف اپنائے ہوئے تھے اس وقت عالم اسلامی کی صورتحال نا گفتہ بہ تھی اس کے علاوہ ملکوں میں اتنے فتنہ، سازشیں، مسلمانوں کے درمیان جنگ' فرقوں میں جنگ' معصیت' گناہ' عیش وعشرت' دنیا پرستی' وغیرہ پھیلی ہوئی تھی ایک انسان کا خون بہانا معمول بن گیا تھا خون سستا تھا جو مارا جاتا تھا گویا وہ روح انسانی میں ہی شمار نہیں ہوتا تھا جب قوم اس حالت میں پڑ جائے تو اس کا بدلنا ضروری ناگزیر اور حتمی ہو جاتا ہے' عالم اسلام اس وقت ایک ایسی مصیبت کے منتظر تھے تاکہ اس مصیبت کے بعد مسلمانوں میں بیداری آجائے اور نئے سرے سے اسلام اپنی جگہ لے۔

اس وقت روئے زمین پہ دوسری طاقت صلیبیوں اور مسیحیوں کی طاقت تھی مسیحیوں کی طاقت کے مراکز تنہا یورپ میں نہیں تھے گرچہ ان کا رئیس مرکز یورپ تھا وہ مسلمانوں سے مسلسل جنگ میں تھے انگریز فرانس علمانیہ اٹلی ہمیشہ شام مصر پر حملہ کرتے رہے نصاریٰ اسپین پرتگال فرانس ہمیشہ اندلس میں حالاتِ جنگ میں تھے اس کے علاوہ اور بھی مسیحی تنظیمیں موجود تھیں جو امت اسلامی سے عداوت وکینہ رکھتی تھیں اور مسلمانوں سے ہمیشہ نبرد آزما رہتی ان کی مشہور تنظیمیں یہ ہیں:

۱۔امپراطور بزنطیی: یہ امت اسلامی سے برسرپیکار رہے چونکہ یہ لوگ اس وقت ضعف وکمزوری کا شکار تھے لہٰذا ان کی طرف سے میدان میں خطرہ نہیں تھا گرچہ مسیحی ان کا احترام وتکریم کرتے تھے۔

۲۔ارمینیہ: شمال فارس میں تھا اور غرب اناضول میں یہ لوگ بھی مسلمان اور سلاجقہ سے نبرد آزما تھے۔

۳۔مملکت کرج: جورجیا میں ایک حکومت تھی یہاں بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگ لڑی جارہی تھی اور یہ جنگ خوارزم کے ساتھ تھی۔

۴۔امارات صلیبیہ: شام فلسطین، صلیبیوں کی امارتیں یہ لوگ پانچویں

صدی کے آخر میں اسلامی بڑے ملکوں پر قابض تھے صلاح الدین ایوبی کی فتح و کامیابی کے باوجود یہ امارتیں اپنی جگہ باقی تھیں یہ بار بار مسلمانوں پر تعدی و تجاوز کرتے رہے ان کی امارتیں یہ ہیں: شام۔ فلسطین ۔ترکیہ۔ انطاکیہ۔طرابلس۔صیدا اور بیروت۔اگر چہ ہمیشہ سے صلیبیوں کی عداوت و دشمنی امت اسلامی پر جاری رہی یہاں تک چھٹی صدی کے آخری دور میں مسلمانوں نے صلبیوں پر فتح حاصل کی جب صلاح الدین ایوبی نے شام کو ۵۸۳ھ میں فتح کیا اس کے ۸ سال بعد منصور موحدی نے اندلس کے مسیحوں پر حملہ کیا اور فتح حاصل کی یہ ۵۹۱ھ میں فتح و کامیابی کے باوجود مسلمان ساتویں صدی ہجری میں ضعف کا شکار ہوئے صلاح الدین ایوبی کی وفات کے بعد ایوبیوں میں شگاف پیدا ہوا' لیکن مسیحی بھی ضعف میں تھے اور مسلمانوں پر قبضہ نہیں کر سکتے تھے گر چہ ان کی ہمیشہ سے خواہش رہی ہے۔

یہ تھی عالم اسلامی کی اس وقت کی صورتحال' اس وقت پورے عالم مشرق و مغرب اس ضعف و ناتوانی شگاف و' تقسیم در تقسیم کے اس دور میں ایک نئی قوت وجود میں آئی جس نے تمام اصول قوانین کو الٹ دیا اور عالم کے نقشہ کو بدل دیا اور خود کو ایک تیسری قوت کے طور پر زمین پر حاکم و بادشاہ بنایا یا یوں کہہ سکتے ہیں یہ پہلی طاقت ور حکومت ہے جو ساتویں صدی کے پہلے نصف میں وجود میں آئی اس حکومت کو تاتاری یا مغل کہتے ہیں۔

ہلاکو بغداد میں:۔

خضری لکھتے ہیں جب چنگیز خان کی موت نزدیک ہوئی تو اس نے اپنی مملکت کو چار حصوں میں تقسیم کیا اس میں سے ایک تولی خان تھا اس کے لئے خراسان دیا اور خراسان کے باقی حصہ جوان کی صلاحیت و اہلیت پر چھوڑا تھا تولی خان فتح و فتوح مملکت کو توسیع دیتے مغرب کی طرف بڑھنے لگے فارس کے بادشاہان ان کے سامنے خاضع ہوئے چنگیز خان ۶۵۴ھ کو مر گیا جس

وقت تولی خان کی سلطنت عراق کی حدود تک پہنچی تھی اس نے اپنے بعد ہلاکو خان کو رکھا اور اس کی ہمت بھی فتح وفتوح پر رہی خاص کر کے بغداد پر قبضہ۔ [کتاب المغل تالیف صلابی صفحہ ۲۴۰]

جب ہلاکو بغداد پر مسلط ہوا تو اس نے علماء سے اس مسئلہ کے بارے میں فتویٰ طلب کیا کہ آیا سلطان کافر عادل بہتر ہے یا سلطان مسلم جائر؟ علماء شیعہ کی دارالسلطنت میں ایک مجلس قائم ہوئی اس میں علی ابن طاؤس بھی تھے وہ اس وقت بہت محترم تھے۔ دیکھا کہ علماء اس سوال کا جواب دینے میں ہچکچا رہے ہیں تو انہوں نے اپنا قلم نکالا، کہا عادل کافر مسلم جائر پر مقدم ہے۔ پھر دوسرا انہوں نے ان کے خط کے نیچے امضاء کیا' اب اس وقت فقہا مجتہدین میں بہت اضافہ ہوا ہے ان کی حواریوں میں بھی اضافہ ہوا ہے کسی بھی فقیہ و مجتہد سے دو سوال کریں کسی بھی فقیہ و مجتہد کا قول و حکم کیا شرعی حیثیت رکھتا ہے اس کی قرآن اور سنت میں شرعی حیثیت کیا ہے یہ مجہول فتوی جو انہوں نے دیا ہے سلطان عادل مشرک سلطان جابر مسلم پر مقدم ہے قرآن کریم کس آیت سے استناد ہے کفر میں عدالت کہاں سے آئی؟ بغداد میں جو ہلاکو نے کیا ہے کیا وہ عدالت تھی؟

ہلاکو کے بغداد میں آنے سے پہلے ابن طاؤس نے ہلاکو سے شیعوں کے لیے اَمان طلب کی تو ہلاکو نے کہا تمہیں کس چیز نے ہمت دلائی، شجاعت دلائی کہ میرے پاس حاضر ہو جائیں؟ اور آگے انجام کیا ہوگا؟ ہمارے اور تمہارے خلیفہ کے درمیان کیا فیصلہ ہوگا؟ پتہ نہیں ابھی سے مصالحت چاہتے ہو امن چاہتے ہو، تو ابن طاؤس نے کہا ہم یہ مطالبہ آپ سے اس لیے کرتے ہیں کیونکہ ہمارے مولا امیر المومنین سے مروی روایت ہے آپ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا 'الزہرہ وما ادرک الزہرہ۔
یعنی کوئی ایک ایسی سرزمین ہے زہرہ اسکا نام ہے، آپ کیا جانیں

زہرہ کیا ہے۔ایسی سرزمین ہے جسکی عمارتیں محکم ہونگی اس میں خدمت گزار ہونگے، خزانے ہونگے، اسکو بنی عباس کی اولاد استعمال کرے گی اس میں سونے اور چاندی کے گھر ہونگے، اس میں لہوولہب کریں گے، اس میں ظلم ہونگے۔ اس حدیث کے تحت ہم آپ کے پاس آئے ہیں تو اس میں انہوں نے ان کے نام امان نامہ لکھ کر دیا۔

سلطنت عباسی میں قیادت عسکری:۔

یعنی خلیفہ صرف برائے نام ہوتا تھا نظم ونسق مملکت، مختلف جنسیات سے وابستہ عسکری کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ یہ دور واثق بن معتصم بن ہارون سے شروع ہوا، معتصم نے اپنے بھائی مامون رشید کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے لشکر فارسیوں سے نکال کر ترکی نژاد کو دی۔ جب واثق خلیفہ بنا تو انہوں نے باقاعدہ ان کو خلیفہ کے متوازی ایک حاکم تسلیم کیا۔ان میں سے ایک منظمہ عسکری آل بویہ ہے انہوں نے ۱۱۳ سال حکومت کی ہے۔کتاب تاریخ اسلامی محمود شاکر ج ۶ ص ۱۴۱ پر لکھتے ہیں ۳۳۴ھ سے ۴۴۷ھ تک چار خلفاء کے ادوار میں آل بویہ نے حکومت کی۔اس میں پہلا خلیفہ مستکفی باللہ تھے ان سے خلیفہ قادر باللہ تک انہوں نے حکومت کی۔آل بویہ کا سلسلہ نسب فارس کے بادشاہ سے ملتا تھا، یہ لوگ دیلم میں سکونت کرتے تھے۔گرچہ تاریخ میں ان کو افراد عادی پیش کرتے ہیں، لیکن ایسا نہیں ہے علی ای الحال یہ گروہ شب خون قتل وغارت گری اور قطاع طریق سے گزرتے ہوئے منظّم ہوتے ہوتے ۳۲۳ھ کو مرداوج کے قتل کے بعد علی بن بویہ کی حکومت ہوگئی ۳۳۲ھ کو احمد بن بویہ کو بغداد میں داخل ہونے کی اجازت ملی۔

خلیفہ مستکفی نے ان کا استقبال کیا اور انہیں اعزاز واحترام دیا۔احمد کو معزالدولہ کا لقب دیا گیا ایک بھائی کو عمادالدولہ ایک کو رکن الدولہ تینوں بھائی پوری مملکت پر حاکم ہوئے۔آل بویہ شیعہ زیدی غالی سے گرائش رکھتے

تھے جو زیدی اور غالی تھے لہٰذا انہوں نے ۳۴۱ھ سے اظہار منکرات شروع کیں۔ مذہب تناسخ کا اعلان کیا، ایک نے کہا علی میرے اندر حلول ہوا ہے ،ایک عورت نے کہا روح زہراء کا مجھ میں حلول ہوا ہے، ایک نے کہا وہ جبرئیل ہے۔ اپنے آپ کو اہل بیت سے انتساب کا افتخار کرنے لگے ان سب کو زندان سے معز الدولہ نے آزاد کیا۔ ۳۵۱ھ کو بغداد کے مساجد کے دروازوں پر زہراء کا حق غضب کرنے والوں پر، امام حسن کو دفن کرنے سے منع کرنے والوں اور ابوذر کو جلاوطن کرنے والوں پر لعنت بھیجی گئی۔ لیکن بعد میں وزیر ملہب نے ان کو مشورہ دیا لکھیں لعن اللہ ظالمین آل الرسول۔

۳۵۲ھ کو یوم عاشورا کو رسمی طور پر منایا جس میں معز الدولہ نے عام تعطیل کا اعلان کیا، بازار اور دیگر کاموں کو بند کرنے کا حکم دیا اور برہنہ سر سینہ مارتے ہوئے بازار میں نکلنے کا حکم دیا، یہ پہلی بار ہے کہ بغداد میں اعلانیہ کھلا اسلام کے خلاف بدعت سازی کی گئی۔ ۱۸ ذی الحج کو عید غدیر منائی، دف و ڈول کو شروع کیا ،وسیع مناطق پر اپنی حکومت قائم کی۔ اسی طرح مغرب میں حکومت عبیدی قائم ہوئی، پھر مصر اور شام میں اور موصل میں حمدانیوں نے حکومت قائم کی، پھر بحرین عمارات میں قرامطہ پیدا ہوئے اس کے علاوہ دولت سامانیہ جو اسماعیلیوں سے قریب تھی وہ غلات تھے غرض تمام مذاہب فاسدہ نے اس دور میں اپنی کمین گاہوں سے نکل کر فسق و فجور الحاد کو برملا شروع کیا۔

آل بویہ:۔ [دائرۃ المعارف شیعی اسلامی حسن امین ج ۵ ص ۲۵۸]

آل بویہ نے عالم اسلامی کے ایک بڑے رقبہ پر حکومت کی ہے، انہوں نے ۳۲۱ھ سے حصول حکومت کے لئے مرداویج بن زیاد گریلہ کے لشکر میں شمولیت اختیار کر کے قیام کا آغاز کیا، ان کی طرف سے کرج میں حکومت قائم کی یہاں تک مرداویج اور ان کے درمیان میں رقابت کے نتیجہ

میں ایک دوسرے سے الگ ہوئے۔ اس میں مرداویج کو ۳۲۳ھ میں قتل کیا اس طرح آل بویہ کے حسن کی اصفہان، رے، ہمدان اور شیراز پر حکومت قائم ہوئی، جب کہ احمد بن بویہ کرمان میں تھا۔ تھوڑی مدت کے بعد وہ طریق حلوان سے ۱۱ جمادی الآخر کو ایک لشکر لے کر باب شماسیہ میں داخل ہوئے، وہاں مستکفی عباسی نے ان سے اپنے لئے بیعت اور عہد و پیمان لیا۔ آل بویہ ابتداء میں ایک لشکر کے سپاہی کے طور پر داخل ہوئے اور وہاں سے ترقی کرتے کرتے ۳۳۴ھ میں معزالدولہ کو بغداد کی قیادت نے ان سے بغداد میں داخل ہونے اور بغداد پر قبضہ کرنے کیلئے لکھا، خلیفہ مستکفی باللہ نے ان کا استقبال و احترام کیا، انھیں خلعت دی اور معزالدولہ کا لقب دیا۔ ان کے بھائی علی کو عمادالدولہ اور دوسرے بھائی حسن کو رکن دولہ کا لقب دیا اور ان کے ناموں کا سکہ جاری کیا۔

آل بویہ صفحات تاریخ میں چوتھی ہجری کی ابتداء میں منظر عام پر آئے، لیکن ان کا اصل حسب نسب کیا ہے؟ اس میں تاریخ و مورخین مترجمین انتہائی اضطراب کا شکار ہیں، بعض صفحات خرافات' طلسمات' تقدیر فال وغیرہ پر مشتمل ہیں اور بعض ان کے سلسلہ نسب کو سلاطین ساسان سے نسبت دیتے ہیں۔ یہ لوگ دیلم میں سکونت کرتے تھے اور اپنے دور میں مکار، حیال سیاست دان تھے۔ ان کا آغاز ۳۲۰ھ سے شروع ہوا، فارس میں ابوالحسن علی نے ۳۲۰ھ میں، عزالدولہ نے ۳۳۸ھ میں، شرف الدولہ نے ۳۷۲ھ میں، سمسام ابو کالنجار نے ۳۷۹ھ میں، بہاالدولہ نے ۳۸۸ھ میں، عمادالدولہ نے ۴۱۵ھ میں، ابونصر خسرو ۴۴۰ھ میں جبکہ عراق میں ابوالحسین احمد معزالدولہ نے ۳۳۳ھ میں، عزالدولہ بختیار ۳۵۶ھ، عزالدولہ نے فارس میں ۳۶۷ھ میں، شرف الدولہ نے فارس میں ۳۷۲ھ، بہاالدولہ نے ۳۸۹ھ، سلطان الدولہ نے ۴۲۳ھ میں حکمرانی کی ہے۔

صاحب تاریخ اسلام حسن ابراہیمی اپنی کتاب کی جلد۳ ص ۴۳ پر لکھتے ہیں آل بویہ بغداد و عراق میں مطلق عنان تصرف رکھتے تھے۔ وہ خلفاء کی توہین کرنے اور ان کے حقوق کو سلب کرنے میں پرہیز احتیاط رواداری نہیں کرتے تھے۔ معزالدولہ جب بغداد میں داخل ہوا تو پہلے دن اس نے سوچا کے خلافت عباسی کا خاتمہ کریں اور وہاں ایک خلافت علوی کو قائم کریں اور لشکر اس کی اطاعت میں رہے دیلم اس کو تسلیم کرے؟ یا صرف خلیفہ برائے نام ہو اور وہ خود جہاں چاہیں اسے موڑ سکیں۔ ابن اثیر نے جلد ۸ ص ۱۲۶ پر لکھا ہے معزالدولہ نے خلیفہ مستکفی کی اہانت تذلیل کی اسے گرفتار کیا انکی آنکھیں نکالیں۔ اسی طرح مطیع کو ۳۳۴ھ کو کرسی خلافت پر رکھا اور ان کے لئے ہر دن ایک ہزار درہم شہریہ معین کیا پھر اس راتب کو ختم کیا اسے مختصر سی زندگی کیلئے کچھ زمین دی۔ معزالدولہ نے پھر اپنے بیٹے بختیار کو ۳۳۴ھ کو امیر امراء بنایا۔ آل بویہ کی سیاست نے عراق میں بدترین اثر رکھا گروہوں قبائل و عشائر طائفہ میں فتنہ فساد قائم ہوا ہر جگہ لشکر نے بغاوت کی، بدنظمی، اضطراب پھیلا، شہری خوفزدہ ہوئے۔ آل بویہ نے سنیوں کو خاموش کرنے ذلیل کرنے کیلئے شیعوں کو صرف عید دے کر اپنا حامی بنایا۔

معزالدولہ خلیفہ عباسی کیلئے بغداد تک کی حکومت پر بھی راضی نہیں ہوا بلکہ جہاں جہاں عباسیوں کی سلطنت تھی وہاں اس نے نفوذ کیا، ہمدانیون کو موصل میں بند کیا، ایک لشکر ان سے لڑنے کیلئے بھیجا، وہاں خلیفہ مطیع کو ساتھ لے کر موصل گیا۔ معزالدولہ تکریت گیا جہاں ہمدانی نفوذ رکھتے تھے، اس جگہ کو غارت کیا۔ دوسری طرف سے ناصر الدولہ نے بغداد پر قبضہ کیا۔ معزالدولہ بغداد میں سلطنت پر بیٹھا اور خلیفہ برائے نام تھا تمام عراق پر اسکا تسلط قائم ہوا اس نے ہر جگہ اپنے اور اپنے بھائی کیلئے خطبہ دیا۔

عزالدولہ:۔[اعلام زرکلی ج۵ص۱۵۶]

علی بن حسن رکن الدولہ کے بیٹے فنا خسر و ملقب بہ عزالدولہ ابو شجاع' فارس' موصل جزیرہ میں بادشاہ بنا پھر عراق پر غالب آئے وہ سب سے پہلا شخص ہے جسے ملک الملوک شہنشاہ کا خطاب دیا گیا تھا۔ زمخشری نے اپنی کتاب ربیع الاول ربیع الابرار میں عزالدولہ کی تعریف میں لکھا ہے اس کے چہرے پر ہزار آنکھیں، اس کے منہ میں ہزار زبان تھی اور سینہ میں ہزار دل تھے بڑی ہیبت والا اور جبار اور ظالم تھا، ادیب و عالم بہ لغت عرب' شاعر' نحوی تھا ابو علی فارسی نے ان کے نام پر کتاب ایضاء لکھی ہے، ابو اسحاق ثعبی نے کتاب تاجی لکھی ہے، متنبہ سلامی وغیرہ نے ان کے حق میں شعر انشاء کئے۔ وہ شیعہ تھا اس نے نجف میں قبر علی ہونے کا اعلان کیا اور وہاں ایک بارگاہ بنائی اور عاشورا کی مجلس کو قائم کیا وہ زیادہ تر تعمیرات میں حصہ لیتا تھا۔ اس نے ہسپتال پل وغیرہ بنائے۔ مرنے کے بعد اس کے جنازہ کو نجف میں دفنایا گیا۔

معزالدولہ:۔[اعلام زرکلی ج۱ص۱۰۵]

احمد بن بویہ بن فنا خسرو لقب معزالدولہ فارسی اصلی ہیں' عراق میں خلیفہ عباسی کی طرف سے خلعت ملک ملی وہ اور ان کے دو بھائی عمادالدولہ' رکن الدولہ کو بھی بادشاہی کی خلعت ملی۔ ان کے لقب میں سے ایک اقطع ہے اسکا بائیاں ہاتھ جنگ اکرات میں قطع ہوا بچپن میں کرمان، سجستان، اہواز کی جنگوں میں اپنے بھائی عمادالدولہ کی طرف سے والی تھا۔ ۳۳۴ھ میں خلیفہ مستکفی کی طرف سے بادشاہ بنا اور بائیس سال حکومت کی، بغداد میں وفات پائی مقابر قریش میں دفن ہوا۔ ابن مسکوی نے کہا ہے اسے جلد غصہ آتا تھا، اس کی زبان بہت خراب تھی وہ اپنے وزراء اور خدمتگزاروں

پر تہمت لگاتا اور انھیں سبّ وشتم کا نشانہ بناتا تھا۔

اس کے دور میں تین سلاطین سلاجقہ نے سلطنت کی:

(۱) سلطان ابومظفر برکیاروق بن ملک شاہ۔

(۲) محمد بن ملک شاہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ بغداد میں داخل ہوا، کسی نے مزاحمت نہیں کی۔ وہ ۵۱۱ھ تک سلطنت پر رہا پھر وفات پائی۔

(۳) اس کے بعد اس کا بیٹا ابوالقاسم محمود بن دین محمد بن ملک شاہ بن گیا۔

اس کے دور میں مذہب باطنیہ نے ظہور کیا اور مصر، مغرب میں ان کی حکومت مستحکم ہوگئی، عوامی خدمات کے ادارے بند ہوگئے، قتل وغارتگری بڑھ گئی، مہنگائی عروج کو پہنچی، لوگوں نے مالیات دینے سے گریز کیا، ترک لشکر کی تنخواہوں میں اضافہ کیا۔ فقر وفاقہ بھوک نے لوگوں کو کانٹوں کے پھل' مردار کتے بلی کھانے پر مجبور کیا، اس سے امراض پیدا ہوگئے۔ لوگوں نے املاک' جائیداد' گھربار روٹی کے لئے فروخت کرنے شروع کردیئے، اموات کی شرح بڑھ گئی لوگ مردوں کو دفن کرنے سے تنگ آگئے، کئی مردے بغیر دفن کے رہ جاتے تھے اور ایسے مردوں کو کتے کھاتے تھے۔

حکومتی حلقے میں ترک اور دیلمیوں میں مقابلہ شروع ہوگیا، ہر ایک دوسرے پر غالب آنا چاہتا تھا، یہاں تک اہل دیلم معزالدولۃ پر حملہ کرنے کے بارے میں سوچنے لگے کیوں کہ وہ ترکیوں کی طرف لگاؤ رکھتا تھا۔ پھر اس نے شیعہ اور سنی میں اختلاف پھیلانا شروع کیا اس کے علاوہ معزدولہ موصل میں موجود ناصرالدولۃ بن حمدان سے ڈرتا تھا، اس نے بغداد پر حملہ کیا مشرق بغداد پر قبضہ کیا گویا معزدولہ کی حکومت تمام مظہر شر وفساد تھی۔ ہر جگہ جنگ سیاسی، اقتدار، جنگ مذہبی شیعہ اور سنی جاری تھی، غرض ملک جنگ وجدال میں رہا خلیفہ برائے نام تھا۔ اسی دوران جب معزدولہ نے

احساس کیا اسکی موت قریب ہے تو ۳۵۶ھ کو اپنے بیٹے بختیار کو سلطنت سونپی وہ ۱۳؍ربیع الآخر ۳۵۶ھ کو فوت ہوا، اس وقت اس کا بھائی عماد الدولہ اصطخر میں تھا لیکن عراق میں معز الدولہ بختیار احمد بن بویہ سلطان بنا۔ یہاں تک اپنے چچا عضد الدولہ ۳۶۷ھ کو معزول کیا، اس نے گیارہ سال حکومت کی، ۷ سال خلافت لہو ولعب عیش ونوش خواتین اور اداکاروں کے ساتھ گزاری۔

عسکری دوم عصر سلاجقہ:۔ [تاریخ اسلام محمود شاکر ج ۶ ص ۲۰۵]

۴۴۷ھ سے ۶۵۶ھ تک کا دور سلجوقیوں کے ہاتھ میں تھا۔ کہتے ہیں اس دور میں خلفائے عباسی میں بہت حد تک عدل، تقویٰ، احسان اور رعیت سے مہربان خلفاء گزرے ہیں۔ لوگوں نے بھی ان سے محبت کی ہے جب ایک خلیفہ مرتا تھا تو لوگ محزون ہوتے تھے، جب مسترشد کو قتل کیا گیا تو لوگ باقاعدہ متاثر ہوئے۔ اس دور میں مسترشد اور راشد قتل ہوئے لیکن مستعصم جو آخری خلیفہ عباسی تھا یہ مغلیوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس دور میں پہلا خلیفہ قائم تھا، اس نے تیس سال حکومت کی ۴۴۷ھ سے ۴۶۷ھ تک، یہ دور تغرل بک سلجوقی کا تھا کہ وہ بغداد میں داخل ہوا۔ ان سے سلجوقیوں کا دور شروع ہوتا ہے، سلاجقہ جاہل قوم تھی وہ خلیفہ کا احترام کم کرتے تھے۔

۴۴۷ھ کو خلیفہ کی دعوت پر سلجوق طغرل بک بغداد میں داخل ہوا، ان کی حکومت ۶۵۶ھ تک قائم رہی یعنی عباسی حکومت کے خاتمے تک انہوں نے ۲۰۹ سال تک حکومت کی، اس میں ۱۲ خلیفہ گزرے جن میں سے بعض کی خلافت ۷ سال اور بعض کی ۴۰ سال تک رہی۔ ان کی حکومت کو بہتر حکومت کہا جاتا ہے، مؤرخین ان کی حکومت کو عسکری حکومت ترکی و آل بویہ سے بہتر گردانتے ہیں۔

۴۴۷ھ سے ۶۵۶ھ تک بغداد میں امر و نہی اور تمام نظم ونسق حتیٰ خلیفہ کو

بدلنے اور نیا خلیفہ لگانے کا اختیار فوجی قیادت کو تھا، یہ فوجی قیادت اپنی قومیت کے حوالے سے تین تھے، تین فوجی قیادتوں نے حکومت کی جن میں آل بویہ، ترک اور سلجوقی شامل تھے۔ یہاں اگر کوئی سوال پوچھے کہ خلافت بنی عباس کا زوال کب شروع ہوا تھا یا ان کے زوال کا مقدر کس کے قلم سے لکھا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس دن خلیفہ واثق نے خلافت اسلامی کی باگ ڈور اور نظم و نسق اپنے سے الگ کر کے اپنے فوجی قائد اشناس کے سپرد کیا، فوجی قیادت جب ملک کے نظم و نسق میں مداخلت کرتی ہے تو اس کا یہ نتیجہ حتمی ہوتا ہے، جس فوج کو یہود و ہنود و نصاریٰ سے لڑنا چاہیئے وہ اندرون خانہ رعیت سے لڑتی ہے، جس کے نتیجے میں رعیت کی نفرین ان کو ملتی ہے۔

دولت عثمانیہ

دولت عثمانیہ:۔[رجال فکر والدعوۃ فی الاسلام ج۳ ص۳۳]

عالم اسلام میں ایک طویل عرصہ اقتدار کفر میں گزرنے کے بعد دسویں صدی ہجری میں ایک پرچم ''العزت للہ وا لمسلمین'' بلند ہوا۔ جو پرچم سرنگوں ہوا تھا ۴۰۰ سال گزرنے کے بعد دوبارہ ۹۱۸ھ ق اسلامی مملکتوں میں بلند ہوا۔

قیام سلطنت عثمانیہ:۔

﴿وَ تِلْکَ الْأَيَّامُ نُداوِلُها بَيْنَ النَّاس﴾ (العمران۔۱۴۰) خالق کائنات مدبر کائنات نے قرآن کی ان آیات میں فرمایا ہے مال و دولت اقتدار ایک خاندان میں نہیں رکھیں گے، بلکہ اسے خاندانوں کے درمیان گردش میں رکھیں گے جیسا کہ عمران ۱۴۶ میں آیا ہے۔ اس طرح عمران ۲۶ میں آیا ہے ''ملک وسلطنت ہماری ہے ہم کسی کو دیتے ہیں کسی سے چھینتے ہیں تاکہ کوئی یہ نہ سمجھیں اقتدار سلطنت صرف انہی کے لئے مخصوص ہے'' ۴۲۴ سال اس معمورۃ اس کرہ ارض پر حکومت کرنے والے عباسیوں کے آخری خلیفہ حالت ذلت وخواری میں تمام دولت مملکت مسلمین ایک ظالم، جابر، مشرک، کافر وطاغی کے حوالے کرنے کے بعد اپنے قدموں پر چل کر اپنا تاج بادشاہت اپنے ہاتھوں سے ایک مشرک کے سر پر رکھ کر خود ویرانستان گئے۔

عثمانیوں کا انتساب ایک قبیلہ ترکمیہ سے ملتا ہے۔ ایک سلیمان نامی شخص تھا جو کہ ساتویں صدی میں کردستان میں زندگی گزارتے تھے، ان کی

گزر اوقات مال مویشی پر تھی۔ چنگیزی ظلم سے تنگ آ کر اپنے بچوں مال مویشیوں کے ساتھ ترکیہ کے شہر اناطول کی طرف ہجرت کی۔ وہاں ایک منطقہ جسے اخلاط کہتے تھے وہ وہاں متمکن ہو گئے۔ اپنی وفات کے بعد اپنے بیٹے ارطغرل کو خاندان کا جانشین بنایا، ارطغرل یہاں ایک سو گھرانہ جس میں چار سو گھوڑا سوار تھے موفی اناطول گیا جہاں وہ استقرار ہوئے وہاں اچانک اس غوغا دف ڈول جنگی آواز سنی، تحقیق کیا تو پتہ چلا مسلمانوں اور نصاریٰ کے درمیان جنگ ہو رہی ہے، وہ چار سو نو جوانوں کو لیکر اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کو پہنچا، ارطغرل کے جوانوں کی مدد پہنچنے کے بعد سلاجقہ جنہیں نصاریٰ سے شکست کا سامنا تھا فتح میں بدل گیا۔ اس سے خوش ہو کر سلاجقہ نے اناطول کے مغرب میں روم سے ملا ہوا علاقہ ارطغرل کو دیا۔ یہاں تک ۶۹۹ھ کو ارطغرل نے وفات پائی۔

عثمان ۶۶۲ھ ق میں پیدا ہوئے دولت عثمانیہ الطغرل کے بیٹے عثمان سے منسوب ہے۔ اسی سال میں مغلوں نے ۶۵۶ھ ق میں ہلاکو کی قیادت میں خلافت عباسیہ پر جنگ مسلط کی تھی اور مسلمانوں پر سخت مصائب کا دور گزرا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں جو شہر ہلاکو کے قبضے میں آیا، اس نے بچوں عورتوں بوڑھوں سب کو قتل کیا، بہت سوں کو کنوؤں اور گڑھوں میں پھینکا۔ لوگ بڑے گھروں اور مسافر خانوں میں پناہ لیتے تھے لیکن مغل ان کا پیچھا کرتے اور فرار ہونے والوں کو قتل کرتے جس سے گلیوں میں خون کی نہریں بہنے لگیں۔ مسیحیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں کے علاوہ اس مصیبت سے کوئی نہ بچ سکا۔ یہ مصیبت انتہائی خطرناک اور عظیم تھی۔ امت انتہائی کمزور اور ضعیف ہوئی۔ اسی سنہ میں عثمان مؤسس حکومت خلافت عثمانی پیدا ہوئے، یہاں سے کہتے ہیں اللہ نے کمزور کو پستی سے نکال کر عزت و فتح و کامرانی دی، یہ حکمت ارادہ و مشیت الٰہی تھی، چنانچہ سورہ قصص کی آیت ۴، ۵، ۶ میں آیا

ہے ''اللہ اپنے مستضعف بندوں کو صبح و شام قدرت و سلطنت دیتے ہیں'' اہل حق کو وعدہ الٰہی میں جلدی نہیں کرنی چاہیے، بلکہ ان قوانین و سنن اجتماعیہ کے تحت انتظار کرنا چاہیے اور دین الٰہی پر صبر و استقامت دکھانی چاہیے یقیناً اللہ کی نصرت آئے گی (سورہ محمد ۴)۔ مسلمانوں کی قدرت و سلطنت و اقتدار کی بازیابی کی بنیاد اسی دن سے ہوئی جس دن خلافت عباسی بغداد میں منتشر ہوئی۔

جس دن عراق میں ظالم و جابر مسلط ہوئے، مستضعفین کا قتل عام ہوا، مسلمانوں کو پستی، زوال و نابودی کے آخری مرحلہ پر لا کھڑا کیا، انہی دنوں میں اللہ سبحانہ نے ایک عزت مند مسلمان کو عزت والا فرزند دیا جو مسلمانوں کا سر اونچا کرنے والا بنے، جنہوں نے یورپ تک اس سلطنت کو پھیلایا۔ صرف ہلاکو کا ساتھ دینے والوں نے یہاں ان کے خلاف بھی بغاوت و مخالفت کا پرچم بلند کیا۔ خاندان صفوی بھی ڈاکہ زن راستہ کاٹنے والے لوٹنے والے ہی تھے، وہ کشکول درویش والے تھے کشکول کی جگہ کرسی کیوں نہ لے لیں۔ وہ صوفی ازم والے تھے جو اسلام کو تہہ و بالا کرنے، اعتدال کو درہم برہم کرنے والے تھے۔ وہ اسلام کے لئے نہیں نکلے، اچھی نیات رکھنے والے نہیں تھے حتیٰ ان کے خاندان بھی اسلام کو لے کے نہیں نکلے تھے لیکن مسلمانوں کے لئے اخوۃ اسلامیۃ کو عزیز رکھتے تھے آخر میں انہوں نے اپنی تمام عزت کو اس میں سمجھا اسلام ہی کو اٹھائیں۔ قانونِ اقتدار، اسباب و علل مادی کے تحت ہوتے ہیں۔ یہاں فتح و ہزیمت میں کفر و ایمان کا دخل کم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے قرآن کریم میں آیا ہے یہ فتح و کامیابی یا سقوط و زوال کے دن گردش میں رہتے ہیں [العمران ۱۴۰] یعنی اللہ سبحانہ اقتدار کو گردش میں رکھیں گے۔ یعنی جہاں اسباب و علل پورے ہو جائیں ان کو اقتدار ملے گا۔ جہاں اسباب و علل کا فقدان ہو گا وہاں نیستی و نابودی

اورزوال ہوگا۔بنی امیہ ۹۲ سال حکومت واقتدار میں رہے تمام مزاحمتی طا قتوں کوطاقت مالی سیاسی اجتماعی تسلط سے دبایا خاص کرخوارج کوسر اٹھانے نہیں دیا، جس دن اندرون خانہ انتشار افتراق شروع ہوااس دن سے ان سے اقتدار چھینا گیا۔ بنی عباس کا اقتدار ۵۲۴ سال حکمرانی کرنے کے بعدان کے اسراف وتبذیر، اندرون خاندان اختلافات و انتشارات نے انہیں کمزور بنایا۔لوگوں کے دلوں میں صرف کلمہ خلافت کی تقدیس نے بھی کچھ عرصہ کھینچا آخر میں ۶۵۶ھ کو پانچ سو چوبیس سال کے بعد صفحہ ہستی سے برطرف ہوگیا، مسلمانوں کی جگہ مشرکین جاگزیں ہوگئے۔یہاں سے گذشتہ آیت کریمہ کا معنی واضح ہوجاتا ہے یہ سنت گردش میں رہے گی فاقدین طاقت وقدرت سے نکال کرواجدین کودیا لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ان کوبھی ہزیمت وشکست اورنیستی و نابودی کا سامنا ہوا، چنانچہ انہیں عین جالوت میں شرمناک شکست ہوئی وہاں ان کے قبرستان بنے پھران سے اقتدارچھینا گیا۔اس کے اسباب وعلل جاننا ہوں گے تاکہ مسلمان مایوس نہ ہوجائیں ہوش میں آجائیں کہ کہیں وہ اپنے ہاں بلادکفروشرک سے بیگانوں کودعوت تونہیں دےرہے ہیں؟

اسباب وعلل،عروج وقعود، زوال وسقوط ابتداء سے اعلیٰ درسگاہوں تک کے نصاب میں ہونا چاہیئے تاکہ امت کا ہرفرداہل علم ودانش،عقل وخرد، رعایا وحکام ہروقت ملک ،وطن، ناموس، دین کے محافظ وپاسدار رہیں۔ چاہےارباب اقتدار ہو یارعایانااہل حکومت پرتقدس کی چادر چڑھانے سے حکومت کودوام نہیں ملتا ہے۔سنا ہے ایک دفعہ سمندری جہاز ایندھن کی کمی سے رک گیا تھا جہاز نشین خوف زدہ ہوگئے اس میں سوارلوگوں نے مولوی کو بلاکر بخاری شریف کے ختم کاعمل شروع کیا جہاز کے کپتان نے یہ منظر دیکھنے کے بعدکہاجہاز کوایندھن چاہیئے جس سے وہ چلے گا بخاری سے نہیں۔حکومت

کی تقدیس سے حکومت نہیں چلتی یہاں بریلیوں، دیوبندیوں اور شیعیوں نے اپنے مذہب کے اندرونی بدشکل ومکروہ چہرے کو بچانے کے لئے شور شرابہ کیا، قبروں پر چادریں چڑھائیں، آج یہ سب زندانوں قبرستانوں میں گئے ہیں، تتر بتر ہو گئے ہیں، حکومت کی بقاء طاقت سے رہتی ہے سمجھ لیں یہ اقتدار کسی دن ان سے چھینا جائے گا یا ان کے بوسیدہ ستون کسی بھی دن گر سکتے ہیں۔

اس کے اسباب وعلل مؤرخین اسلامی وغیر اسلامی نے لکھے ہیں، حکومتوں کے عروج وزوال ہمیشہ سے ایک جیسے ہوتے ہیں جن اسباب وعوامل کی وجہ سے حکومت راشدہ کا زوال ہوا اور حکومت غیر راشدین میں منتقل ہوئی، انہی اسباب وعوامل نے آگے جا کر اسی بنی امیہ کو زوال پذیر کیا اور بنی عباس کو لایا۔ جن اسباب وعوامل سے بنی امیہ زوال پذیر ہوئے تھے اسی سے بنی عباس بھی صفحہ ہستی سے ناپید ہو گئے۔ سلطنت عثمانی کا زوال و نیستی کا آغاز سلطان سلیمان قانونی سے شروع ہوا۔ آج ہمارے ملک میں یہی سیاست مدار اسمبلی میں بیٹھے رہنے والوں سے شروع ہوا، صوبوں کی خود مختاری کے نام سے تحریکیں چل رہی ہیں جس کا ہر کس وناکس استقبال کر رہا ہے۔ کوئی اس کی مذمت کرتا نظر نہیں آ رہا ہے یا کوئی ان نقاط کی طرف متوجہ ہو کہ جس میں مرکز کو کمزور کرنے کی خاطر ہر صوبہ اپنی جگہ آزادانہ طور پر اجنبیوں سے رابطہ میں ہو۔ ہماری تمام مصیبتوں اور المیوں کا سرا کہاں ملتا ہے؟ تلاش کریں یا تو وہ سرا تقلید سے ملتا ہے کہ عقائد، اجتماعیات و اقتصادیات حتیٰ یہاں یہ کلمات وجملات میں بھی تقلید کرتے ہیں، بطور مثال انہی سالوں میں جب صوبوں کی خود مختاری کی بات چلی، معاف کیجئے ''ملک میں موجود مقتدر طاقت اور سلطنت کو طوائف الملوکی میں دینے کی ہوا چلی'' تو کسی نے ناراضگی کا اظہار تک بھی نہیں کیا بلکہ اس میں جید علماء واساتید جامعہ کوثر بھی متحرک ہوئے کہ بلتستان کو بھی آزادی وخود مختاری ملنی چاہیے،

بقول یہاں کراچی اسکالرشپ پر پڑھنے والے عشیری کہتے تھے ''کرگل میں آٹا سستا ملتا ہے یہاں مہنگا ملتا ہے''۔ بہرحال پہلا سبب امراء ورؤساء کا استقلال ہے اور ان کے استقلال کے بعد بے گانوں سے روابط وتعلقات ہیں۔

کتاب قصتہ التتار صفحہ ۲۰۸ پر آیا ہے کہ سنہ ۵۶۹ ہجری سے ۵۸۹ھ تک مصر اور شام میں ۲۰ سال تک صلاح الدین ایوبی نے وسیع وعریض حکومت قائم کی وہ اپنی جگہ استقلال آزادی میں تھے، صلیبیوں اور مسیحیوں کے خلاف جنگ میں رہے اس جہاد اسلامی اور اقتدار مسلمین کے جذبے کی وجہ سے ہر جگہ فتح و کامیابی نے ان کے قدموں کو چوما۔ انہوں نے بیت المقدس پر اپنا پرچم لہرایا حتیٰ کہ انہوں نے اپنی حکومت کو حجاز ویمن وعراق و لیبیا اور تیونس وترکیہ تک پھیلایا۔ صلاح الدین نے ہمیشہ فتوح پر پرچم اسلام لہرایا، عزت مسلمین کے جھنڈے گاڑے لیکن ان کی وفات کے بعد یہ سلطنت بھی مسیحیوں کے نرغے میں آئی اور ان کی وفات کے بعد اسلام کے دشمنوں سے جنگ کے جذبے کم تر ہو گئے۔ مال و دنیا کے فریفتہ افراد کی موجودگی، اقتدار کی توسیع، عیش وعشرت اور تصورِ استقلال سے ایوبی حکومت بھی طوائف الملوکی، خلافت عباسی جیسی تقسیم کا شکار ہوئی۔ یہاں تک کہ صلاح الدین ایوبی نے ۵۸۹ھ میں وفات پائی، اس سے ۶۴۸ھ تک حکومت ایوبی کو جنگ وجدال، خون ریزی اور قتل وغارت گری کا سامنا رہا اور اس میں ان کے استقلال طلب امراء نے شکست خوردہ اور ہزیمت خوردہ مسیحیوں سے روابط قائم کیے اور ان سے معاہدہ کیا، صلیبی اور تاتاریوں کو یہ امید وآرزو دلائی کہ اگر وہ لوگ ان سے تعاون کریں گے تو وہ بھی مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں ان سے تعاون کریں گے، یہاں تک کہ شام کے امراء بیت المقدس کی جگہ کو دوبارہ مسیحیوں کو دینے کے لیے آمادہ ہوئے۔

۶۳۷ھ ہجری کو نجم الدین ایوبی‘ صلاح الدین ایوبی کے جانشین مقرر ہوئے تو امراء شام نے مصر کے حکمران سے مخالفت شروع کی ۶۴۱ھ ہجری میں ان لوگوں نے صلیبیوں کے ساتھ معاہدہ کیا کہ وہ بیت المقدس سے دست بردار ہو جائیں گے لیکن نجم الدین نے اس میں کامیابی حاصل کی اور صلیبیوں کو شکست دی اور بہت سا مال و دولت مسلمانوں کو دیا اور بیت المقدس کی طرف رخ کیا۔ وہ صلیبیوں کے قصر وسلوک میں داخل ہوئے اورانہوں نے مملکت کو آزاد کیا، یہاں تک کہ سات سال تک نجم الدین کی حکومت قائم رہی اورانہوں نے دوبارہ مصر وشام کو متحد کیا اور دیگر ملکوں کو آزاد کیا۔ لیکن بد قسمتی سے اس جنگ میں نجم الدین کے ساتھ تعاون کرنے والے لشکر کو امراء نے مال و دولت کا لالچ دیا یہاں تک کہ ان کے ساتھ صرف مصر سے آنے والا لشکر ہی باقی رہا۔ اس لشکر میں ان کے ساتھ ان کے تجربہ کار، باوفا قائد لشکر تھے۔ انہوں نے درک کیا کہ مجھ کو ایک ایسا لشکر چاہیے جو تملق و چاپلوسی کا خواہاں اور لالچی وغیرہ نہ ہو۔ انہوں نے فکر کی کہ مجھ کو خوارزمی کی جگہ کوئی اور لشکر تلاش کرنا چاہئے اور انکو وہ لشکر، لشکر مما لک کی صورت میں ملا۔

صفحہ ۲۱۳ پر لکھتے ہیں مما لک یعنی غلاموں کا لشکر جن کا کوئی حسب و نسب نہیں ہے۔ ماں باپ کا پتہ نہیں ہے۔ یہ جنگوں سے اسیر کر کے لائے جانے والے بازار سے خریدے گئے تھے‘ ان کو مما لک کہتے ہیں۔ جنہیں صلاح الدین ایوبی نے خریدا تھا۔ بازار سے خرید کر لشکر بنانے کا سلسلہ خلافت مامون سے لیکر معتصم عباسی تک چلتا رہا ان کو بہت مقدار میں خریدا گیا تھا تا کہ وہ اپنی حکومت کو تقویت دے سکیں۔ گزشتہ زمان کے ساتھ یہ لوگ جنگی لشکر میں شامل ہوئے اور حکومت صلاح الدین ان پر زیادہ توجہ دیتی تھی میدان جنگ میں ان کو زیادہ استعمال کرتے تھے۔ یہاں تک کہ

خوارزمی کے لشکران کی اطاعت سے نکل گئے تو نجم الدین عسکری مجبور ہوئے کہ اس خلاء کو مما لک سے پر کریں اوران پر زیادہ بھروسہ کیا یہاں سے لشکر میں مما لک کی تعداد زیادہ ہوگئی یہ زیادہ تر ماوراء النہر سے تعلق رکھتے تھے۔ ماوراء النہر سے مراد نہرِ جیحون ہے۔جیھون وہی نہر ہے جو شمال ترکمانستان اور افغانستان میں چلتی ہے۔اس کے ایک طرف ترکمانستان ،افغانستان ہے اور دوسری طرف ازبکستان ،تاجکستان ہے اس علاقے میں زیادہ تر ترک رہتے تھے۔ یہ ہمیشہ سے جنگجو تھے،ان علاقوں میں اسیر زیادہ آتے تھے۔یہ علاقے بازارِ اسیران سے پر تھے۔زیادہ تر شہر جہاں غلام زیادہ فروخت ہوتے تھے وہ ثمر قند ہےاور خوارزمی وغیرہ کے شہر ہیں۔لہٰذا مما لک کے لوگ زیادہ تر ترکی تھے۔اس میں ارمانی منگولی غلام بھی ہوتے تھے،اگر چہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان کو دوسری جگہوں سے لیا۔ جہاں مسلم عربی نہیں تھے تا کہ ان کا پتہ نہ چلے کہ ان کا حسب ونسب کہاں سے ہے، بچے کو لاتے تھے۔لیکن نجم الدین کا ان کے ساتھ سلوک' مما لک کی حیثیت جیسا نہیں تھا۔ انہوں نے زیادہ تر اولاد کی حیثیت سے ان کی پرورش کی، معلم وتربیت میں باپ بیٹے کا سا سلوک رکھا۔ جبر وتشدد نامی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی وہ بھی اپنے خریدار کو آقا نہیں کہتے تھے بلکہ ان کو استاد کہتے تھے۔انہی لشکر مما لک اورانہی کے قائدین لشکر نے مغرور'' انا المقتدر هل من مبارز '' کہنے والے لشکر تتار کو میدان جالوت میں دفنایا تھا۔اسی سنت اللہ کے تحت سلطنت عثمانیہ قائم ہوئی۔

قیام سلطنت:۔

دیگر خاندانوں کے اقتدار میں آنے میں یکسانیت تھی، چنداں فرق نہیں تھا،جس طرح دور عباسی میں سلاطین آل بو یہ سلاجقہ' اور بعد میں تتاری' صوفی' تیموری' صفوی بادشاہ قزلباشوں کی طرح شب خون مارنے

سے شروع ہوتے ہوئے علاقہ محلّہ پر قبضہ کرکے تخت و تاج پر پہنچے ہیں۔لیکن عثمانیہ والے مال مویشی لے کر چراگاہوں سے گزرتے ہوئے حالیہ ترکیہ کو پہنچے تھے، یہ امتیاز سلاطین عثمانیہ کو حاصل رہا ہے کہ وہ دشمن اسلام و مسلمین یہود و نصاریٰ کے لئے خار چشم رہے انہیں ہمیشہ میدان جنگ میں رکھا۔اس وجہ سے جب انہوں نے اس سلطنت کی بساط کو برچیدہ کیا تو تمام آثار ونشانی اسلامی وترکی کو ناپید کیا، نیز ان کی تاریخ اسلامی اقتدار کو انہوں نے کتب قانون سے ناپید کرنے کی کوشش کی یا اس کے مصادر کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی۔انہوں نے اس طویل عرصہ سلطنت میں دین اسلام کے لئے قابل قدر یادگار نہیں چھوڑی ہے،اس کی بنیادی وجہ اتنی شان و شوکت کے باوجود قرآن وسنت کو مصادر بنانے کے بجائے علماء حنفیوں کے فتاویٰ کو مصدر شریعت بنایا تھا۔چلہ کاٹتے صوفیوں کی تأسی، نامعلوم علماء کی تقلید سے ملک کا نظام چلاتے تھے، آخر میں انہیں سوئیدوں کے آئین کو یہاں لاگو کرنا پڑا تھا۔

مسلمانوں کی قدرت وسلطنت واقتدار کی بازیابی کی بنیاد اسی دن سے ہوئی جس دن خلافت عباسی بغداد سے ناپید ہوئی' طغرل کے وفات کے بعد ان کے بیٹے عثمان بن طغرل سے سلسلہ سلطنت عثمانیہ شروع ہوا۔

ا۔عثمان بن ارطغرل:۔

۶۵۶ھ کو پیدا ہوئے وہ صاحب شجاعت وحکمت اخلاص صبر و استقامت جذبہ ایمان کے حامل انسان تھے وہ اپنے جنگ و جہاد میں ہیبت رکھتے تھے۔دستور سلطنت عثمان ایک طویل عرصہ ان کے حالت احتضار میں دیے گئے وصیت نامہ پر عمل پیرا رہا اپنی وفات کے وقت اپنے اولاد کے لئے ۱۶۰۰۰ کیلومیٹر مساحت کی سلطنت چھوڑ کر ۲۶ےھ میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

۲۔آورخان:۔

۷۲۶ھ کو سلطنت عثمانی کے دوسرے بادشاہ بنے، اپنے باپ کی سیاست پر قائم رہتے ہوئے مزید فتوحات کے حریص وطماع رہے تا کہ قسطنطنیہ مرکز نصاریٰ کو فتح کرے اور اپنے حکومت کے خاضع کرے۔

اس سلسلہ میں جو سب سے پہلا قدم انہوں نے اٹھایا وہ یہ ہے کہ اس نے ایک مستقل لشکر کی بنیاد رکھی تا کہ ہمیشہ جنگ کے لئے آمادہ رہے کیونکہ اس سے پہلے لشکر جنگ کے موقعہ پر جمع کر کے لے جاتے تھے اس کو اس طریقے سے منظّم کیا دس' دس افراد پر مشتمل پھر سو افراد پر مشتمل اور پھر ہزار پر قائم کیا اور جنگوں میں جو غنیمت ملتی تھی اس کی خمس کو لشکر پر خرچ کیا اور لشکر کو ہمیشہ دائم رکھا اور ان کے لئے مراکز بھی بنایا مراکز تربیت بھی بنایا۔

اس نے اپنی سلطنت کی بنیادوں کو محکم کیا، اصلاحات تعمیرات ،ادارت لشکر سازی معاہد علمی بنایا' مساجد کی تعمیر کی علماء کو ان پر موکل کیا اور ان کی' عزت واحترام حوصلہ افزائی کی۔

۳۔سلطان مراد اول:۔

متولد ۷۱۶ھ کتاب دولت عثمانیہ ص ۳۷ پر آیا سلطان مراد اول مرد مجاہد وشجاع و دلیر و دیندار تھے، ساتھ ہی نظام دوست انسان تھے، اپنے رعایا اور لشکر کے ساتھ عادلانہ سلوک رکھتے تھے۔ میدان غزوات سے زیادہ شغف رکھتے تھے، مساجد و مدارس و ملاجی فقراء و مساکین مہمان خانوں کی تعمیرات پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ان کے پاس بہترین تجربہ کار لائق و با صلاحیت قائد سیاسی و عسکری تھے، ان سے مرکب مجلس شوریٰ تاسیس کی ،ساتھ ہی برصغیر و یورپ دونوں طرف توجہ رکھے ہوئے تھے۔ یورپ کی طرف ہجوم کرتے ہوئے بزنطیوں کے املاک کو اس نے نقصان پہنچایا اس وقت صلیبیوں نے سلطان مراد اول کے خلاف متحدہ محاذ بنایا۔

مراد اول نے ۷۶۲ھ کو رقہ کو فتح کیا اور اس جگہ کو سلطنت عثمانیہ کا عاصمہ بنایا اس طریقہ سے سلطنت عثمانیہ کا عاصمہ یورپ کی طرف منتقل ہوا، اس طرح الرقہ دارالخلافہ اسلامی بن گیا۔ سلطان مراد اول یہ جانتے اور سمجھتے بھی تھے کہ وہ جب تک اللہ کی راہ میں جنگ کرتے رہیں گے اللہ کی مدد ان کے شامل حال ہوگی لہٰذا وہ زیادہ تر دعا، تضرع، توکل کرتے تھے ان کی دعا کے فقرات سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ سلطان مراد کس حد تک معنی عبودیت و بندگی کو درک کرتے تھے، یہاں تک اس نے قوصرہ میں جان عزیز کو میدان جنگ میں خالق جان واہب ملاحیات واقتدار اعلیٰ کے سپرد کیا۔ سلطان مراد نے سلطنت عثمانی کی تیس سال قیادت کی وہ بھی انتہائی حکمت مہارت اور اپنے دور میں بے مثال و بے نظیر حکمرانی کی۔ سلطان مراد ۷۹۱ھ کو میدان جنگ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

۴۔ بایزید اول سلطان۔

مراد اول کی وفات کے بعد ان کے بیٹے بایزید اول سلطنت عثمانیہ کا چوتھا سلطان منتخب ہوئے۔ بایزید سلطان ۷۹۱ھ کو اپنے باپ سلطان مراد اول کی وفات کے بعد سلطان عثمانیہ بنے۔ بایزید مرد سخی کریم اور جنگجو فتح اسلامی کی حریص تھے لہٰذا وہ لشکری عسکری امور کو زیادہ توجہ دیتے تھے اس نے اناضول میں واقع مسیحی امارات کو نشانہ بنایا ایک سال کے اندر اس کو سلطنت عثمانی میں شامل کیا بایزید اپنی حرکت میں مثل برق رفتار رکھتے تھے۔ وہ بیک وقت دو محاذوں پر جنگ کرتے تھے لہٰذا لوگوں نے ان کو صائقہ نام دیا بایزید کو تیمور لنگ کے لشکر کے مقابلے میں شکست ہوئی جہاں وہ عجلت سے ان کے مقابل میں گئے تھے اور جہاں اس نے اس سے لڑنا تھا اس جگہ کو سنجیدگی سے، پختگی سے انتخاب نہیں کیا تھا اس وقت جب ان کو شکست ہوئی سلطنت عثمانی کو اندرون خانہ خطرات کا سامنا ہوا یہاں سے سلطنت عثمانیہ کے

اندر جنگ داخلی شروع ہوئی اولاد بایزید کے درمیان تخت سلطنت کی جنگ چلی یہ دور سلطنت عثمانیہ کی آزمائش کا دور تھا یہاں سے وہ ایک نئے دور میں داخل ہوئے۔

۵۔سلطان محمد اول عرف محمد جلبی۔

۸۱۷ھ کو پیدا ہوئے اپنے باپ بایزید کے وفات کے بعد عثمانیہ کا پانچواں سلطان منتخب ہوا وہ علم فراست' حکمت' دوربین دوراندیشی رکھتے تھے انھوں نے بھائیوں میں سے ہر ایک پر غلبہ حاصل کیا آخر میں اس نے اپنے مخالفین کا صفایا کر دیا، اس طرح وہ سلطنت عثمانیہ کے لئے کھویا ہوا دور واپس لایا، متزلزل کو استقرار بخشا۔ بعض مورخین کا کہنا ہے درحقیقت سلطان محمد جلبی سلطنت عثمانی کا دوسرا کامیاب سلطان تھا۔ سلطان محمد جلبی نے جس طرح اندرونی' داخلی' خلفشار کو قابو کیا دبایا اسی طرح ایک حرکت ضد اسلامی شیخ بدر الدین فاسد نے شروع کی تھی، وہ سلطان محمد اول کے بھائی کے رئیس لشکر تھے وہ مسلم غیر مسلم میں یکسانیت مال و ناموس میں مساوات کے داعی تھے وہ کہتے تھے دین میں مسلمان' غیر مسلمان میں کوئی فرق نہیں سب برابر ہیں۔ سلطان محمد جلبی نے ۸۲۴ھ کو وفات پائی۔

۶۔سلطان مراد ثانی:

چھٹے سلطان عثمانی منتخب ہوئے وہ اپنی رعایا کے نزدیک تقویٰ عدالت شفقت کے حوالے سے معروف تھے۔ اس نے اپنے چچا مصطفیٰ کی تمرد طمغیان وسرکشی پر قابو پایا، ان کو امپراطوری بزنطینی کی پشت پناہی حاصل تھی وہ ہر جگہ سرکشوں اور تمردوں پر قابو کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ بادشاہ بنے وہ اپنی جگہ مجاہد' شجاع' کریم' دیندار تھے دین سے وابستہ' عادل تھے رعایا کے ساتھ' لشکر کے ساتھ میدان جہاد سے شغف رکھتے تھے مساجد و مدارس کو بنایا لوگوں کے لئے پناہ گاہ بنائی اچھے لوگوں کا انتخاب کیا اور ان کی ایک

مجلس شوریٰ تشکیل دی اور اپنی حکومت کو وسعت دے کر یورپ کی طرف بڑھایا۔

۷۔سلطان محمد فاتح:۔

سلطان محمد فاتح سلطنت عثمانیہ کے ساتویں بادشاہ تھے۔ ۸۳۱ھ کو پیدا ہوئے آپ کو فاتح ابوالخیرات کا لقب ملا ہے ۳۰ سال تک مسلمانوں کی ریاست زعامت اور ان کی عزت وشرف کا مینار بن کے رہے۔ ان کو طاقت قدرت عدالت سے پہچانا جاتا تھا وہ اپنی نوعمری میں اپنے ہم عمروں میں سے علم کے حوالے سے لبریز سمجھا جاتا تھا۔ انہوں نے مدرسہ آمراء سے درس لیا تھا، چندین لغات جانتے تھے لیکن اس کا زیادہ شوق کتب تاریخ سے تھا جو اس کو اپنی شخصیت کو اٹھانے مملکت کو چلانے میدان جنگ میں جیتنے اور لقب فاتح کا تاج سر پے رکھنے کے لئے معاون ثابت ہوا اپنے والد مراد ثانی کی وفات کے بعد ۱۶ محرم ۸۵۵ھ کو ۲۲ سال کی عمر میں بادشاہ بنے۔ سلطان محمد فاتح وہ شخصیت ہے اس نے قسطنطنیہ کو فتح کیا اور وہ اس سلسلہ میں والد اور اجداد کے نقش قدم پر چلے سلطنت عثمانیہ سنبھالنے کے بعد مملکت کی آمدنیات اور خراج میں توازن قائم کیا اور ہر قسم کے اسراف وعیاشی شہوانی سے منع کیا، لشکر کو ترقی دی اور تنظیم نو کی۔ ان کے لئے الگ دفتر کھولے اور ان کی ماہانہ راتب میں اضافہ کیا۔ نئے اسلحہ جنگی کے سامان وافر مقدار میں خریدا، شہر سازی کی، بعض اقلیموں کے والیوں کو برقرار اور بعض کو برطرف کیا جو مملکت کے امور میں سستی کاہلی برتتے تھے۔ قسطنطنیہ کی فتح کا تاج سر پہ رکھا اور بزنطیہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ ان کے خاص خاص چھاؤنیوں کو اپنے قبضے میں لیا، ایک طویل عرصے تک امپراطور بزنطیتی اور مسیحی مغرور تھے، جس چیز سے ان کے اسلاف عاجز تھے اس نے اس کو عملاً حاصل کیا۔

قسطنطنیہ تاریخ عالم میں اہم ترین شہر گنا جاتا ہے یہ شہر ۳۳۰ء کو

امپراطور بزنطینی قسطنطین اول نے بنایا تھا اس وجہ سے تاریخ عالم میں اس کا بڑا مقام تھا جس دن اس کی تاسیس ہوئی تھی بزنطیوں نے اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔

ہجوم بر قسطنطنیہ :۔

قسطنطنیہ کے تین طرف دریا تھے مضیق بسنور بحر مرمرۃ قرن ذہبی اس وجہ سے اس کی فتح مشکل تھی اس کے علاوہ اس کے دوسری طرف دیوار شہر تھی اور ایسی طبیعی طور پر دیواریں تھی اس وجہ سے اس کے اندر پہنچنا مشکل تھا یہاں تک سلطان فاتح نے گیارہ دفعہ حملہ کیا تھا۔ قسطنطنیہ دنیا بھر میں ایک خاص امتیاز کے حامل شہر ہے۔ اس کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں اگر پوری دنیا ایک ہی مملکت بنے تو قسطنطنیہ اس کا دارالخلافہ ہوگا چنانچہ بزنطینیوں نے اس کو اپنا دارالخلافہ بنائے رکھا تھا۔ اس شہر کے فتح کی خبریں نبی کریم نے چندین بار دیا تھا جس وقت آپ تنگ دست قلت وسائل و اعداد میں تھے اس وجہ سے ہر خلفاء کی یہ کوشش رہی یہ اعزاز اپنے لئے حاصل کریں لیکن کسی کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہوا۔ یہ اعزاز محمد فاتح سلالہ عثمانیہ نے حاصل کیا۔ نبی کریمؐ نے جنگ خندق کھودنے کی موقعہ پر مسلمان مجاہدین کو یہاں تک پہنچنے کی بشارت دی تھی اس وجہ سے ہر سلطان اسلامی نے اس کا سہرا اپنے سر لینے کی کوشش کی۔ اس وجہ سے ہر خلیفہ کی یہ کوشش رہی یہ اعزاز اپنے لئے حاصل کریں لیکن کسی کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہوا۔ یہ اعزاز محمد فاتح سلالہ عثمانیہ نے حاصل کیا۔

معاویہ سے لے کر سلیمان بن عبدالملک، ہارون رشید امپراطور بزرگ عباسی تک سب نے یہ کوشش کی، آرزوئیں قسطنطنیہ کی سرحد سے باندھ رکھی تھیں اور یہاں تک سلطنت عباسیہ کا سورج غروب ہوگیا، انشایا امپراطور کفر وشرک تتاری قائم ہوئی، قسطنطیہ فتح نہیں ہوا۔ وہ خود قسطنطنیہ تک نہیں پہنچ

سکے لیکن جنگی آثار ان تک پہنچ گئے تھے خاص کر دور ہارون الرشید میں ۱۹۰ھ کو ایک بڑا حملہ کیا۔ اس کے بعد بھی بعض چھوٹی اسلامی حکومتوں نے بھی اس پر حملہ کیا، ان میں سرفہرست سلاجقہ کے رئیس الپ ارسلان تھے، ان کی جنگ ۴۵۵ھ سے ۴۶۵ھ تک چلی، اس میں کامیابی کے بعد امپراطور روم دیمونوس نے انہیں اسیر کر کے زندان میں ڈالا اور کچھ مدت کے بعد سلطان سلجوقی کو جزیہ دینے کے بعد رہائی ملی، یہ پہلا موقعہ تھا امپراطور روم کے سامنے مسلمان لشکر سر تسلیم ہو گیا، سلطنت سلاجقہ کمزور ہونے کے بعد چھوٹی چھوٹی سلاجقہ کی حکومتیں امپراطور روم سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہے۔

آٹھویں ہجری کی ابتداء چودھویں میلادی کو عثمانیوں نے سلاجقہ کو پیچھے چھوڑا اور فتح قسطنطنیہ کے لئے آگے بڑھے، عثمانیوں کی طرف سے قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی سلطان بایزید نے شروع کی، اس نے اپنے لشکر کی طاقت سے ۷۱۶ھ کو قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا، لیکن بعد میں امپراطور روم سے ایک شہر دینے پر صلح ہوئی، اس دوران امپراطور روم حیلہ بہانہ کرتے رہے تا کہ یورپ سے معاونت حاصل کریں۔ اس دوران تیمور لنگ ایک بڑے لشکر لے کر سرزمین عثمانیہ میں داخل ہوئے تو سلطان بایزید نے حالت مجبوری میں قسطنطنیہ سے لشکر ہٹا کر مغل کی طرف رخ کیا، جہاں ترکیہ کے قریب میں تیموریوں کے ساتھ جنگ چھڑی جس میں لشکر عثمانیہ پراگندہ ہوا اور بایزید اسیر ہوئے، اس طرح فتح قسطنطنیہ میں وقفہ آگیا۔ جب سلطنت عثمانی میں استقرار آیا، روح جہاد تازہ دم ہوا۔ ۸۲۴ھ کو سلطان مراد سلطنت کے عرش پر متمکن ہوا ۸۲۴ھ سے ۸۶۳ھ تک فتح قسطنطنیہ کے لئے چندین بار کوششیں کی لیکن امپراطور بزنطی عثمانیوں کو جنگوں میں مصروف رکھنے میں کامیاب رہے، عثمانی اس میدان میں ناکام رہے، یہاں تک محمد فاتح کا دور آگیا۔ محمد فاتح اپنے باپ کے دور میں بزنطیوں سے جنگ میں

خود شریک تھے اور عثمانیوں کی فتح قسطنطینیہ کی کوششوں کے بارے میں واقف و آگاہ تھے بلکہ عثمانیوں سے پہلے اسلامی حکومتوں کی کاوشیں ان کی نظر میں تھیں، لہٰذا وہ خود بھی اس کو فتح کرنے کا سوچتے تھے۔ محمد دربار سلطنت میں بعض علماء کی تعلیم و تربیت سے متاثر تھے، ایمان و عمل کے ساتھ پابند شریعت متقی و پرہیز گار تھے۔ وہ بچپن سے علماء کی صحبت میں تھے، دور سلطان مراد ثانی ان کے والد نے احمد کورانی کو ان کا معلم معین کیا تھا اور ان کو ایک تازیانہ دیا تھا۔ وہ اس تازیانے کو لے کر محمد فاتح کے پاس آئے کہا یہ تازیانہ مجھے تمھارے باپ نے دیا ہے اور مجھ سے کہا ہے کہ اگر آپ مخالفت کریں گے تو اسے ماردیں، یہ سن کر محمد فاتح ہنسنے لگے، اس پر کورانی نے اسی وقت ایسی ضرب ماری کہ اس وقت سے وہ کورانی سے ڈرنے لگے اور مختصر عرصے میں قرآن کو ختم کیا اس کے بعد شمس دین نے ان کی تربیت کی۔

سلاطین عثمانی شدت سے شریعت کے نافذ کرنے کے حریص تھے، اس کے آثار اس وقت کے معاشرہ عثمانی میں نمایاں نظر آتے تھے۔ ہر دن فتح ونصرت، عزت وشرف، فروغ فضائل، رذائل و بے ہودگیوں کی ناپیدی اس معاشرے میں نمایاں تھی۔ ان کی قیادتی صفات میں سے ایک عزم و ارادہ تھا، پرعزم اور پراسرار تھے، اپنی قوت نفس میں مغرور نہیں رہتے تھے، وسیع ارادے کے مالک تھے، محمد فاتح کی ترقی وتمدن کے مظاہر میں سے ایک مدارس اور معاہدہ علمیہ ہے علماء کی تنظیم ہے۔ ہسپتال اور تجارت گاہیں اور صنعتی اداروں کی تنظیم نو، لشکر کی تنظیم نو تھی، فاتح نے ایک وصیت، سچ، صداقت پرمبنی اپنی حیات میں چھوڑی۔ کہتے شیخ محمد ابن حمزہ اور احمد کورانی دونوں کے محمد فاتح پر بہت اثرات تھے، ۸۸۶ھ کو وفات پائے۔

۸۔ سلطان بایزید ثانی:۔

۸۸۶ھ میں سلطان منتخب ہوئے، وہ ادیب تھے، مودب علوم خاص کر

علوم دین سے شغف رکھتے تھے، بایزید انتہائی متوازن' علوم اسلامی اور علم فلک میں بھی شغف رکھتے تھے۔ بایزید ثانی سلطان بننے کے بعد اپنے بھائی کے ساتھ جنگ میں مبتلا ہوئے، اسی طرح شام کی حدود پر ان کا ٹکراو مما لک مصری کے ساتھ ہوا، کوشش کی مسلمان اندلس کی اس مصیبت اور ناسازگار حالات میں مدد کریں۔ ۳۱ سال حکومت کرنے کے بعد اپنی حیات میں ہی اپنے لشکر کے قائدین کے مشورے سے سلطنت اپنے بیٹے سلیم کے حوالے کی' کیونکہ ان کی بیوی کی کوشش تھی سلیم ثانی کو حکومت ملے اسی وجہ سے انہوں نے اپنی حیات میں اسے سلیم اول کے سپرد کیا۔

۹۔سلطان سلیم اول۔

۹۱۸ ھ کو سلطان عثمانیہ کے نویں بادشاہ بنے وہ جس وقت سلطنت پر بیٹھے اس وقت سلطنت سہ راہے پر پہنچی تھی، آیا سلطنت کی اسی مقدار پر قانع ہوجائیں؟ یا اب اس کی داخل سازی میں مصروف ہوجائیں؟ یا جنگ کا سلسلہ جاری رکھیں؟ اور اگر جنگ کو جاری رکھے تو یورپ کی طرف رخ رکھیں یا مشرق کی طرف رخ موڑیں؟ سلطان سلیم نے حکمت عملی کا یوں مظاہرہ کیا کہ وہ اپنے دشمنوں کا صفایا کریں گے چاہے ان کے بھائی اور بیٹے ہی کیوں نہ ہوں وہ اندر سے قسادت رکھنے کے باوجود اہل علم کی صحبت میں رہنے کو زیادہ پسند کرتے تھے وہ ہمیشہ اپنے ساتھ سفر جنگ میں شعراء ومورخین کو ساتھ رکھتے تھے تاکہ ان کی کامیابی کو ثبت تاریخ کرے، وہ ان کے لئے مدح وقصائد پڑھتے، جونہی وہ تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس نے تصور کیا آیا یہ حالات ہمیشہ یہی رہیں گے؟ اتنی وسیع وعریض سلطنت اسی طرح رہے گی؟ یا کشور کشائی میں مملکت کو وسعت دے کر یورپ کے اندر داخل ہونا چاہیے؟ یا مشرق کی طرف رخ کریں؟ حقیقت میں سلطان سلیم سلطنت عثمانیہ کی سیاست میں بنیادی تغیر کے خواہان تھے۔ آخر میں انکی توجہ یورپ کی طرف تو

قف میں آگئی اوران کا رخ مشرق اسلامی کی طرف ہو گیا۔اس سلسلہ میں ان کا خیال تھا عثمانی قیادت یورپ کی فتوحات میں پندرھویں صدی کو اپنے آخر کو پہنچی ہے،اب عثمانیوں کو چاہیے سولہویں صدی میں جنگ کا رخ بدلیں، چنانچہ اچانک مغرب سے مشرق کی طرف رخ کیا،اس کی کوئی منطقی دلیل بظاہر نہیں بنتی تھی سوائے اس کے کہ مشرق کی طرف حرکت کریں اورمقدسات اسلامی کو بچائیں۔خصوصی طور پر ہسپانیہ پرتگال بحر عرب احمر کی طرف بڑھے اور کچھ اقتصادی دیواریں بنارہے تھے۔ایران کی حکومت عراق وہند کی طرف بڑھ رہی تھی،سلطان سلیم حکمت عملی سے ایشیاء کو بچانا ضروری سمجھتے تھے۔

سلاطین صفوی بمقابل عثمانی۔

سلاطین صفوی ترک نژاد تھے جہاں ان کے جدامجد صفی الدین صفوی ملک پیر صوفیاں تھے۔محدث قمی اپنی کتاب الکنی والالقاب ج ۲ ص ۴۲۴ پر لکھتے ہیں قطب الاقطاب،برھان الاصفیاء الکاملین،الشیخ صفی الدین ابوالفتح اسحاق بن الصمدامین الدین جبریل الاردبیلی متوفی ۷۳۵ھ شیخ جنید کے بیٹے حیدر،ان کے بیٹے شاہ اسماعیل موسس سلطنت صفوی ہے۔صفوین کے پہلے بادشاہ سلطان حسین جس نے اپنے تاج کو اپنے ہاتھ سے اپنے دشمن کے سر پر رکھا خود زندان میں حبس ہو گیا ۱۱۴۰ھ کو فوت ہو گیا۔شاہ اسماعیل نے اپنی سلطنت کو آخری وارثین تتاری سے لیا،ان کی چند بدعات غیر اسلامی ہیں۔سب سے پہلے انہوں نے کلمہ سادات اختراع کیا جو پہلے مستعمل نہیں تھا،پہلے انتساب رسول اللہ کرنے والوں کو فاطمی،علوی،حسنی، حسینی ،زیدی،موسوی، رضوی یانقوی کے نام سے پکارتے تھے۔ان کو دیگران پر فضیلت وبرتری اسلامی اصول وموازین کے تحت نہیں تھے افتخار باانساب کوقرآن کریم کی ان آیات میں مسترد کیا ہے سورہ حجرات کی آیت

۱۳﴿یا أَیُّھَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَ أُنْثٰی وَ جَعَلْنَاکُمْ شُعُوبًا وَ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ أَتْقَاکُمْ إِنَّ اللّٰہَ عَلِیمٌ خَبِیرٌ﴾ اس کے علاوہ ''منھم محسن منھم ظالم و منھم عن صد عنه'' آخری فرمان رسول ''لا فضل العربی علی العجمی'' ہے گویا ان کی اختراع کلمہ ''سادات'' مذہب صحابہ جیسا ہے لگتا ہے ان کا ہدف صاحب فضیلت کو فضیلت دینا نہیں بلکہ اصحاب رذائیل کو اصحاب فضیلت پر برتری دینا تھا جس طرح مذہب صحابی نے یاران با صفاء محمد کو پیچھے دھکیل کر مشکوک ومخدوش کو اونچا کیا۔

صفویوں کی دوسری قباحت ان کا انتساب صوفی ہے، سب سے پہلے دین اسلام کے توازن کو توڑ کر تہہ وبالا کرنے والا صوفی ازم ہے۔صوفی ازم کا دوسو پچاس ہجری سے آغاز ہوا، جسے رابعہ عدوی نے شروع کیا، ان کا سلسلہ رھبانیت نصاریٰ سے ملتا ہے۔انہوں نے پہلے کل دین کو زہد، خود کو سکنہ فقر و بدبختی میں ڈالنے کو کل دین پیش کیا۔الٰہی لوگوں نے دین کا ایک ٹکڑا الٹا کر کے کل دین، اصل دین، عمود دین قرار دینے کی سنت قائم کی، سجادوں پر چلہ کاٹنے اوراد پڑھنے وغیرہ۔ چونکہ ان کا ہدف اسلام کو ہی بگاڑنا تھا، اس لئے انہوں نے صوفی ازم کا ایک مزید ترقی یافتہ نیا چہرہ ''صوفی نظریاتی'' بنا کر وجود باری تعالیٰ کی الوہیت کو مخدوش کیا۔صفویوں نے دونوں کی ساتھ ساتھ ترویج کی اور جب صوفی بدنام ہو گئے تو پھر انہوں نے ''عرفان'' اختراع کیا اور اب تمام اشکال صوفی چلا رہے ہیں۔

''مذہب اثنا عشری کی اختراع'' ایران میں ہوئی ۴۰۷ھ تک شیعہ اسماعیلی تھے وہ بھی اقلیت میں تھے چنانچہ کتاب تاریخ اسلامی محمود شاکر ج ۱۸ ص ۱۰ اپر آیا ہے تاری کے آخری سلطان (محمد خدابندہ) اولجاتیو ۷۰۲ھ سے ۷۱۳ھ، مذہب نصرانیت اختیار کر چکا تھا۔لیکن ایران میں اس وقت حنفی

شافعی حنبلی رہتے تھے حکومت چلانے میں مشکل پیش آنے کی وجہ سے اس نے اسلام قبول کیا تھا۔ ایک دفعہ اپنی بیوی کو تین طلاق دی یہاں ان کے لئے مسئلہ پیش آیا علماء نے ان کے لئے بیوی حرام قرار دیا، آخر میں شیخ یوسف بن حسن حلی کو عراق کے شہر حلۃ سے بلایا اور علامۃ حلی کے ہاتھ اس نے شیعہ اسماعیلی مذہب اختیار کیا۔ اس وقت سے ایران کا سرکاری مذہب شیعہ ہوگیا۔ تاری حکومت خدا بندہ کے بعد ختم ہوگئی، ملک طوائف الملوک میں بٹ گیا، اس طوائف الملوکی میں شب خون مار کر سلطنت تک پہنچنے والوں میں سے ایک شاہ اسماعیل بن حیدر بن شیخ جنید تھا، انہوں نے آذربیجان، عراق اور تبریز پر قبضہ کیا۔ انہوں نے ایک نئے مذہب ''اثنا عشری'' کا اعلان کیا جسے عامۃ الناس اہل سنت، حنفی، شافعی، حتی شیعہ اسماعیلی نے بھی کراہت کی نظر سے دیکھا اور ایک نئی اختراع تصور کیا، حتی سفیر روم نے شاہ اسماعیل سے پوچھا یہ جس نئے مذہب کا آپ نے اعلان کیا ہے عام لوگ پسند نہیں کرتے تو شاہ اسماعیل نے از خود جواب دینے کے بجائے اس کا جواب شیخ کرکی کو محول کیا۔

غرض شیعہ اثنا عشری کو ایک نیا مذہب کہنے کا مطلب یہ ہے یہ مذہب ۲۶۰ھ کو محمد نصیری نے امام حسن عسکری کی وفات کے بعد از خود اختراع کیا تھا، اس سے پہلے اس کا کوئی تصور بھی نہیں تھا۔ ہر امام کی وفات پر شیعہ گروہوں میں بٹ جاتے تھے، کوئی موت امام سے انکار کرتے تو کچھ غیب میں جانے کا دعویٰ کرتے تھے، بعض ان کے بڑے فرزند کی امامت کے قائل ہوتے تھے۔ اس کی تفصیل آپ کو کتاب ''شیعہ اہلبیت''میں ملے گی۔ چونکہ امام حسن عسکری لا ولد وفات پائے تھے اور ان کا بھائی جعفر اخلاقی طور پر ادنیٰ سی صلاحیت اہلیت نہیں رکھتے تھے تو عامۃ الناس بھی ان کی طرف مائل نہیں تھے۔ اس وقت محمد نمیری جو خود کو امام علی ھادی کے دور سے ان کا وکیل

متعارف کراتے تھے نے دعویٰ کیا کہ امام عسکری کی زوجہ حاملہ تھیں اوران کا پانچ سال پہلے بچہ ہوا تھا جواس وقت غیب میں چلا گیا۔ چونکہ محمد نمیری بھی ظاہری طور پر بدکردار تھے لوگ ان کی طرف بھی مائل نہیں تھے۔اس لئے لوگوں نے اس طرف سے ایک نیم امام اختراع کرتے ہوئے امام حسن عسکری کے پڑوس میں گھی فروش کوامام غائب کا وکیل متعارف کیا،جن کی وفات کے بعدان کا بیٹا وکیل متعارف ہوا۔لیکن اس کی موت پر پھر بحران پیدا ہو گیا تو ایک قرمطی تہمت زدہ جو کہ قرمطی ہونے کے الزام میں زندان گیا تھا، وہاں سے جب رہا ہوا تو اس کو وکیل متعارف کیا،اس کے بعد چوتھا بھی نہیں چل سکا تو مسئلہ رک گیا،اس لئے اعلان نیابت عامۃ کیا۔اثنا عشری مذہب شاہ اسماعیل کی تلواراورڈنڈے سے نافذ کیا گیا،اس مذہب کوفروغ دینے میں تشددجسمانی تشددفکری دونوں کو بروئے کار لائے۔

صفویوں کی جھوٹی بدعات میں سے ایک مسلمانوں کی ضد میں دشمنان اسلام سے اتحاد ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں شیعوں کے مقابل سنیوں کومسلمان سمجھتا ہوں، ایسا نہیں اسلام کی بنیادوں کو متزلزل و زمین بوس کرنے ،دین کوتہہ و بالا کرنے،قرآن کو کنارے پرلگانے اوراس کی جگہ احادیث کے انبارلگانے،محمدؐ کی جگہ اصحاب،اتباع اسلاف جاگزین کرنے میں دونوں ایک جیسے ہیں۔جس طرح کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی سرسری قرأت، نماز ،روزہ وحج میں دونوں کم وبیش یکساں ہیں، ظاہری مسلمان ہیں،لیکن عثمانی حکومت کوامر مسلمانی گردانے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ پوری دنیا کے مسیحی بغیر کسی استثنا کے کلمۃ واحدہ میں متحد ہوتے تھے، دنیا اسلام کا نام مٹانے کیلئے فرانس جومخالف ومتحارب برطانیہ تھے لیکن عثمانیہ کے خلاف متحد تھے۔کوئی مسیحی ایسا نہیں تھا جوعثمانیہ سے جنگ میں شریک نہ ہوا ہو۔جبکہ صفوی تمام مخالفین صفوی، یورپی ، مسیحی ،مسلمانان مصروحجاز، بحرین اورسعودی

سب کے اتحادی تھے۔اس وقت عثمانیہ کو آپ سنی کہیں ،صوفی کہیں ،حنفی کہیں وہ اسلام کو اٹھاتے تھے سنی کو نہیں اٹھاتے تھے۔

''غز والثقافی'' یعنی ثقافتی جنگ اس موضوع پر عربی فارسی کتابوں اور مجلّات بہت آتے ہیں مغربی ثقافتی جنگ اس میں جائے شک وتردید نہیں تنہا مغرب نہیں بلکہ مشرقی الحادی ملکوں کے بھی ثقافتی جنگوں کا حملہ جاری ہے لیکن ایک طرف کی ہجوم کو اہمیت دے کر اندر سے ہونے والی جنگ کو نظر انداز کرنا خیانت ہوگی اس صورت میں اس جنگ سے نجات کسی بھی صورت میں نہیں ملے گی دین اسلام کے ثقافت پر حملہ سب سے پہلے فرق باطنیہ نے ہی اعلانیہ تیسری صدی میں کیا تھا ،جن کا نصب العین تھا'' دین اسلام کو علم اور فلسفہ سے دھونا ہے'' اب جتنے فرقے ہیں وہ سب اسلام کی ثقافت کو مٹانے دفنانے والے جنگجو ہیں اس میں فرق نہیں سنی ہو یا شیعہ،غز وصفوی واثنا عشری سے نظر ہٹانے کیلئے غزو ثقافی غربی کا نام زیادہ دھرایا جاتا ہے۔ لیکن جس غزوہ کا آغاز فرقہ باطنیہ اوراس کے یمین ویسار شاخوں نے اسلام کے خلاف کیا اپنے دور میں منفرد تھا۔

عثمانی سیاست سلطان سلیم کے دور میں اس نقطہ پر پہنچی تھی کہ پرتگالیوں کی نقل وحرکت کو روکا جائے ،شمال افریقہ میں حرکت جہاد کو بڑھایا جائے ، اور سلطنت صفوی کا خاتمہ کریں ، دولت مما لک کو عثمانیہ میں شامل کریں۔ سلطان سلیم اول صفویوں کو شکست دینے کے بعد حکومت مما لک شام ومصر کو بھی عثمانیہ میں شامل کرنے کا عزم کر چکے تھے لیکن سوال یہ پیش آتا ہے سلطنت عثمانیہ کی شناخت و پہچان یہ تھی کہ وہ دشمن اسلام یہود ونصاریٰ سے نبرد آزما رہتی ہے، وہ امت اسلامیہ کے محافظ و مدافع تھے ،آخر وہ کونسی وجوہات تھیں کہ وہ اچانک اپنا رخ اسلامی سلطنتوں کی طرف کریں؟ مورخین یوں بتاتے ہیں کہ مصر کی ملوکی حکومت کے بادشاہ سلطان غوری نے ۹۰۷ھ

سے ۹۲۲ھ تک کے دور میں سلطنت عثمانی سے فرار ہونے والے کچھ افراد کو یہاں پناہ دی تھی، ان میں امیر احمد سلطان سلیم کا بھائی تھا، اس طرح مما لک سلطان سلیم کو تھکانا چاہتے تھے۔

۱۔ مصر میں قائم حکومت مما لک کی عثمانیہ کے ساتھ اچھے تعلقات نہیں تھے وہ سلطنت عثمانی کے مخالفین یا وہاں سے فرار ہونے والوں کو یہاں پناہ دیتے تھے، ان میں سے ایک خود سلطان سلیم کے بھائی احمد تھے جس کی وجہ سے وہ سلطنت عثمانی پر انتقاد کرتے تھے۔

۲۔ سلطنت مما لک عثمانیوں کے مخالف جبکہ اسماعیل صفوی کی حمایت کرتے تھے۔

۳۔ سلطنت مما لک اور عثمانیہ کے درمیان مشرقی ایشیا کی حدود پر جھگڑا رہتا تھا سلطان سلیم چاہتے تھے حدود کا مسئلہ حل ہونا چاہیے۔

۴۔ سلطنت مما لک میں کچھ حد تک مظالم بڑھ گئے تھے لہٰذا علمائے شام مصر چاہتے تھے مملوکیت سے نجات حاصل کریں اور وہ سلطنت عثمانیہ کو منظّم ہوتا دیکھنا چاہتے تھے چنانچہ علماء اور شخصیات اشراف، صاحبان عقل نے آپس میں صلاح ومشورہ کے اتفاق کے بعد فیصلہ کیا کہ مذاہب اربعہ اور اشراف ملکر سلطان سلیم سے مطالبہ کریں کیونکہ شامی اور مصری شریعت کے مخالف چل رہے ہیں۔ شخصیات اجتماعی و مذہبی مصر امید قوی رکھتے تھے کہ سلطان سلیم ان کے اس مطالبے کو منظور کریں گے۔ اگر وہ ہماری طرف رخ کریں گے تو ہم انہیں گرم جوشی سے استقبال کریں گے اور انہیں اپنے شہر میں صرف خوش آمدید ہی نہیں کہیں گے بلکہ سلطان سلیم سے مطالبہ کریں گے کہ وہ اپنا کوئی نمائندہ یا وزیر بھیجے جو ان سے مخفی طور سے ملاقات کرے اور انھیں امان دے دے۔ علماء نے سلطنت عثمانی کو لکھا کہ وہ مصر اور شام کو سلطنت میں شامل کریں یہ امت کی مصلحت میں ہے کیونکہ پرتغالیوں کا

خطرہ بحر احمر اور مناطق مقدس اسلامی نیز فرسان قدلیس یوحنا کا بھی خطرہ ہے۔ ان وجوہات کی بناپر سلطان سلیم نے مما لک پر لشکر کشی کی ، چنانچہ سلطان سلیم نے تومان جو آخری سلطان مما لک تھے ان کو شکست دینے کے بعد کہا میں یہاں علماء مصر اور دیگر جگہوں کے علماء کے فتویٰ کے مطابق آیا ہوں میں جہاد رافضہ اور فجار پر تغال اور فرسان قدلیس یوحنا سے لڑنے کے لئے نکلا تھا، لیکن تمہارے امیر غوری لشکر لے کر حلب آئے اور رافضہ سے مل کے میری مملکت سے لڑنا چاہتے تھے۔ یہ دیکھنے کے بعد میں رافضہ کو چھوڑ کر تمہاری طرف آیا ہوں جب سلطان سلیم اور شاہ اسماعیل کے درمیان تصادم ہوا۔

۱۰۔سلطان سلیمان قانونی:۔

سلیمان قانونی شہر طرابزون میں پیدا ہوئے یہاں ان کے والد سلطان سلیم والی تھے۔ان کے باپ نے ان کی تربیت کے لئے بہت اہتمام کیا تھا اس وجہ سے وہ علم وادب، علماء، خطباء اور فقہا سے محبت رکھتے تھے۔ ابتداء ہی سے جدید باوقار زندگی شروع کی ۔۹۲۶ھ کو سلطان سلیم نے وفات پائی لیکن ان کے موت کو چھپا کے رکھا تاکہ ان کے بیٹے سلیمان قانونی محاذ سے واپس پہنچیں، چنانچہ سلیمان قانونی کے پہنچنے کے بعد سلطان سلیم کے موت کا اعلان کیا اور ان کی نماز جنازہ محمد نے پڑھی پھر ان کی آخری قیامگاہ میں دفنایا گیا۔سلطان سلیمان نے ان کے قبر پر جامع مسجد بنانے کا حکم دیا۔ وہ اپنے باپ کی وفات کے بعد دسویں سلطان عثمانی بنے ، وہ زندگی کے تمام امور میں متانت بردباری رکھتے تھے، ہمیشہ مسائل کو دقت اور عمق و گہرائی میں سوچتے تھے، جب اقدام کرتے تھے تو پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔سلیمان کو اپنے ابتدائی دور سلطنت میں چار ایسی سرکش حرکتوں کا سامنا ہوا جس کی وجہ سے وہ نئی فتوحات سے باز رہے،اس وجہ سے ان کے آزاد خواہ امارتیں استقلال

وآزادی کا خواب دیکھنے لگے تھے۔ چنانچہ شام میں متعین والی جان بردی غزالی نے سب سے پہلے اس طغیان وسرکشی اور آزادی کا نا صرف اعلان کیا بلکہ انہوں نے حلب پر بھی قبضہ کرنے کے لئے کوشش کی۔ لیکن سلطان سلیمان نے اس فتنے کو دبا دیا اور جان بردی کو قتل کر کے انکا سر استنبول بھیجا۔ دوسرا طغیان احمد شاہ خائن جس نے مصر میں والی بنانے کی خواہش ظاہر کی تو انھیں وہاں والی بنا دیا گیا، وہ والی بن کے مصر گئے اور مصر پہنچتے ہی لوگوں کو اپنی طرف مائل کیا اور خود کو سلطان مستقل اعلان کیا، لیکن مصر کے علماء وفقہاء اور وہاں موجود لشکر عثمانی نے اس والی کے خلاف قیام کیا اور اس کو قتل کیا اور انھیں تاریخ میں ہمیشہ کیلئے خائن کے نام سے درج کیا۔ تیسرا سرکش بابا ذالنون مصری صوفی نے منطقہ بوزغا سے ۳ سے ۴ ہزار کا لشکر تیار کیا اور اہل منطقہ پر خراج لاگو کیا، ان کی حرکت نے زور پکڑا یہاں تک لشکر عثمانی کو ان کی طرف سے شکست ہوئی لیکن آخر میں ان کو قتل کر کے ان کے سر کو استنبول بھیجا گیا۔ سلیمان قانونی کے خلاف طغیان میں چوتھا شخص قلندر حلبی جس نے منطقہ قومنہ مرعش میں قیام کیا ان کی اتباع کرنے والوں کی تعداد ۳۰۰۰۰ ہزار تھی، انھوں نے ان دو علاقوں میں سنی مسلمانوں کو قتل کیا، یہاں تک کہ بعض تاریخ میں آیا ہے قلندر حلبی نے یہ اعلان بلند کیا تھا کوئی اگر کسی سنی کو مارے اور کسی سنی عورت پہ تعدی کرے یہ بہت کار ثواب ہوگا۔ لیکن آخر میں وہ فسق وفجور کا مرتکب پایا گیا اور لوگوں کی نظروں سے گر گیا وہ ۹۸۲ھ کو مر گیا۔

۱۱۔سلطان سلیم ثانی۔

اس نے ۴ ربیع الاول کو ۹۷۴ھ ق کو حکومت سنبھالی تھی، اپنے والد سلیمان کی شہامت، سیاست، فتوحات سنبھالنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے لیکن انہیں ایک ایسے وزیر خالص مجاہد سیاسی و مدبر قدرتمند محمد پاشا صوقللی

اگر نہیں ملتے تو سلطنت عثمانی زمین بوس ہو کر رہ جاتی لیکن اللہ کا اس ملت پر فضل و احسان تھا انہیں ایک ایسے وزیر ملے جس کی وجہ سے ان کو سابقہ حیثیت و جلال کو دشمنوں کے دلوں میں بحال کیا۔ ۹۷۵ھ میں معاہدوں کو تجدید کیا جس کے تحت نمساء نے مقرر شدہ جزیہ ادا کرنے کا عہد تجدید کیا۔ سلطنت عثمانی کو جنگ لیوانطویس ۹۷۹ھ کو شکست ہوئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عثمانیوں کی بہت سے امید و آرزوؤں کو ناکامی کا سامنہ ہوا۔ بحر متوسط میں عثمانیوں کی اجارہ داری اور سیادت ختم ہوگئی۔ اس شکست کے بعد عثمانیوں نے اپنی بحری شان و شوکت کی بحالی کیلئے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی، یہ شکست عثمانی بحری سلطنت کی طاقت میں مزید اضافے میں توقف کا نقطہ آغاز تھی۔ حکومت بولونیا اور فرانس کے ساتھ بھی سابقہ معاہدوں کی توثیق و تمدید کیا اور انہیں قونصلیات کھولنے کی اجازت بھی دی گئی جس کی وجہ سے فرانس مسیحی نشین علاقوں میں نپولین نے عثمانی حکومت کے خلاف نفرت عداوت کے بیج بونا شروع کیے تاکہ کم علاقہ استقلال طلب کریں چنانچہ اس سلسلہ کی ایک کڑی میں مصر میں نپولین طاقت وقدرت کے ذریعے داخل ہوا لیکن وہاں سے وہ جلدی واپس ہوا۔ بادشاہ فرانسہ نے بادشاہ عثمانی کو اپنے سفیر کے ساتھ بحری بیڑہ بھیج دیا تاکہ عثمانیوں کو خوفزدہ کرے لیکن صدر اعظم ان کے رعب میں نہ آئے اور کہا کہ ہم فرانسیسیوں کو دی مراعات واپس بھی لے سکتے ہیں۔ سلطان سلیم نے تیونس سے ہسپانیوں کے قبضے کو اپنے قائد لشکر علی پاشا کے ذریعے ختم کیا۔ سلطان سلیم ثانی نے ایک حملہ یمن کی طرف کیا اور عدن اور بسناء کو غیوط کے تسلط سے آزاد کیا۔ سیاست عثمانی معرکہ لیوانطو کے بعد عمالقہ مقدس کی حفاظت تک محدود رہی۔

انہوں نے ملک فرانس سے تجدید عہد نہ کیا، بادشاہ خوارزم نے سلطنت عثمانی سے بادشاہ فارس اور روس کی شکایت کی کہ وہ حجاج کو حج جانے

سے روکتے ہیں، جاری ٹیکس لیتے ہیں آپ مداخلت کریں ،انہوں نے مداخلت کی اور قبرص کو فتح کیا۔اپنے وزیر رشید کی حکمت عملی اور تدبیر سے انہوں نے بہت سی فتوحات حاصل کیں ہیں۔بعض مستشرقین نے ان کے خلاف غلط پروپیگنڈا کیا۔۹۸۲ھ کو وفات پائے ان کے بعد ان کے بیٹے مراد ثالث سلطان منتخب ہوئے۔

۱۲۔سلطان مراد ثالث:۔

وہ علم و ادب، شعر لسانیت کے ماہر تھے ،انہوں نے شراب نوشی کو روکنے کی کوشش کی لیکن لشکر انکشاری نے ان کو مجبور کیا کہ وہ اس پابندی کو ہٹائیں، یہاں سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ سلطنت عثمانی اپنے زوال وضعف کی طرف بڑھ رہی تھی۔ان کے دور میں ایران میں سلطان طہماسب وفات پائے تو انہوں نے اپنے چھینے ہوئے بعض علاقے واپس لینے کے لئے لشکر کشی کی اور واپس لئے پھر ان سے عہد و پیمان لیا کہ خلفاء کو سب وشتم نہیں کریں گے۔آخر میں وہ ۴۹ سال کی عمر میں وفات پائے۔مراد ثالث نے پرچم جہاد کو بلند کیا اور جنگ میں خود کود پڑے۔شیخ سعد الدین سلطان کو رغبت دلاتے تھے کہ آپ خود لشکر کی قیادت کریں سلطان سے کہا میں آپ کے ساتھ ہوں آپ کے ساتھ چلوں گا اور اپنے آپ کو گناہوں سے صاف کروں گا، میں گناہوں کا اسیر ہوں، مراد ثالث کے بعد سلطنت ان کے بیٹے کو ملی۔

۱۳۔محمد خان ثالث:۔

۹۷۴ھ کو پیدا ہوئے ۱۰۰۳ھ کو تخت سلطنت پر بیٹھے، وہ ۳۵ سال کی عمر میں ۹ سال سلطنت پر بیٹھنے کے بعد ۲۰ رجب ۱۰۱۲ھ کو وفات پائے۔

۱۴۔سلطان احمد اول۔

اپنے والد کے انتقال کے بعد ۱۴ سال کی عمر میں تخت سلطنت پر بیٹھا۔

سلطان احمد اول سے پہلے اتنی کم عمری میں کوئی سلطان نہیں بنا تھا، اس کے دور میں سلطنت عثمانی انتہائی خطرناک اضطراباتی دور سے گزر رہی تھی۔ ہر طرف سے بغاوتیں سر اٹھا رہی تھیں، ایک طرف سے یورپ میں نمسا والوں سے تو دوسری طرف ایران والوں سے جنگ تھی۔ انہوں نے اپنے باپ کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی، لشکر کے تجہیزات پر توجہ دی، انہی کے دور میں ایران میں شاہ عباس صفوی اس نازک حال کو ایک فرصت سمجھ کر ان کے خلاف اٹھے، تبریز کو آزاد کیا، عراق کی طرف رخ کیا، جہاں انہوں نے غیاث، نجف، کربلا اور بغداد کو آزاد کیا اور اپنے دبدبہ وجلالت کا مظاہرہ کیا۔

شاہ عباس صفوی نے سلطنت عثمانی میں داخلی انتشار کو غنیمت سمجھ کر عراق و بغداد اماکن مقدس نجف کربلا کو آزاد کرنے کی نیت سے زیارت کے لئے نکلے اور انتہائی شان وشوکت کے ساتھ نکلے، ۱۰ دن تک وہاں قیام کیا اور خود کو خدمت گار زوار پیش کیا، مذہب تشیع سے انتہائی شدومد سے وابستگی کا مظاہرہ کیا۔ ایک طرف سے اس نے وہاں علمائے دین کو امور مملکت میں مداخلت کرنے سے روکا اور خود ایک سلطنت مطلقہ بلا رقیب کو رواج دیا، دوسری طرف اپنی حکومت کے مخالف سنیوں کو دردناک سزائیں دیں، ان میں سے ایک آنکھیں نکالنا تھی۔ اپنی حکومت کے مخالف سنیوں کو عذاب سے رعایت نہیں تھی، سوائے وہ جو سنی سے برأت کریں شیعہ سے وابستگی کا اعلان کریں۔ چنانچہ حکومت عثمانی بھی مجبور تھی کہ وہ تمام اقالیم کو جو ایرانیوں سے لیتے تھے ان کو چھوڑیں، اس طرح سے یہ سلطنت عثمانی کی پہلی تنزلی تھی۔ شاہ عباس صفوی کی سنی مذہب سے دشمنی وعداوت اسی پر نہیں رکی بلکہ انہوں نے صلیبی حکومتوں سے ارتباط قائم کر کے معاہدہ کیا تا کہ سلطنت عثمانی کو گرایا جائے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یورپیوں سے کسی جگہ نہ تنزل کریں کیونکہ

سلطنت عثمانی کے دشمنوں سے تعاون ملتا تھا، چنانچہ شاہ عباس نے سنیوں پر سختی اور مسیحوں سے دوستی کو فروغ دیا انہیں عمل تنصیر کی آزادی دی، یورپیوں کے لئے آزاد تجارت کھلی ہوئی تھی نیز مسیحوں کو ملک میں جہاں جائیں آزادی تھی اور کسی ایرانی کو یہ اجازت نہیں تھی کہ وہ مسیحوں کو آزار پہنچائے، کلیسا بنانے اور تبشیر کرنے کی کھلی اجازت تھی، ان کے اجتماعات میں ان کے ساتھ بغیر تکلف شراب پیتے تھے۔

سلطان احمد جس وقت سلطان بنے اس وقت مملکت کے حال واحوال بیرونی اور داخلی دونوں حوالے سے تشویش ناک صورت حال سے دوچار تھے۔ احمد اول نے نمساء سے جنگ جاری رکھنے کے لئے لالا محمد پاشا کو صدر اعظم معین کیا اس سے پہلے وہ نمساء میں قائد لشکر تھے اس نے لشکر عثمانی کو بہت تقویت دی اور قلعہ استراغون کو محاصرہ کرنے کے بعد فتح کیا اسی طرح افلاق، بغدانی اور اردل وغیرہ امارات سے صلح کی۔ جب لالا پاشا نے وفات پائی تو ان کی جگہ قبوجی مراد بادشاہ کو صدر اعظم معین کیا وہ بھی ایک لشکر کے قائد تھے اس طرح سلطنت عثمانی نمساء کو شکست دینے اور وہاں کے محکم قلعوں کو واپس لینے میں کامیاب ہوئی۔ اس طرح لشکر عثمانیہ نے اپنی ضد صلیبی سے جہاد میں ہر آئے دن کامیابی حاصل کی جس کے نتیجے میں نمساء نے حکومت عثمانیہ سے صلح کی ہر سال دو لاکھ سونے کا جزیہ دینے پر طے ہوا۔ اسی طرح بحری جنگ میں عثمانی جہاز اور اسپین کے جہاز میں اور رہبان قدیس یوحنا مالٹا امارات میں بھی جنگ ہوئی، بہت سے یورپی ملک فرانس، برطانیہ، بولویا، ہولینڈہ وغیرہ نے بہت سے امتیازات حاصل کرنے کی کوشش کی تو علماء نے انھیں یہ امتیازات دینا حرام قرار دیا تو لشکر اور حکومتی ادارے کو غصہ آیا تو علماء خاموش ہونے پہ مجبور ہوئے لشکر اعلیٰ حکومتی وزارتیں ہمیشہ اپنی خواہشات شہوات کے پیچھے رہتے ہیں اور بیرونی کافر دشمن کی سر

توڑ کوشش رہتی ہے اسلامی ملک میں ہر قسم کی محرمات کو رواج دینے کیلئے شہریوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔

خاص کر ہالینڈ نے مسلم ریاست میں تمبا کو نوشی عام کرنے کی کوشش کی، تمبا کو نوشی شرعی طور پر حرام تو نہیں ہے لیکن گزشت زمان کے ساتھ ملک کے لئے زیادہ نقصان دہ ہے چنانچہ یورپی ملک سے تمبا کو سگریٹ وارد کرنے کی اجازت حاصل کی جس پر علماء عالم نے حرمت کا فتویٰ لگایا کہ تمبا کو پینا، کاروبار کرنا حرام ہے کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے لیکن کھانے پینے سے نقصان دیتا ہے بلکہ یہ جسم کے لئے نقصان دہ ہے۔لیکن پوری تاریخ میں علماء سے زیادہ مظلوم محبوس بے اختیار ارباب اقتدار کے ہاتھ میں گڑیا کھلونا جیسے بنے معاشرے کا کوئی قصبہ ایسا نہیں بنا ہوگا جہاں علماء امر معروف نہی از منکر تشخیص حلال و حرام ملک وملت دین کے لئے باعث خطر نشاندہی کریں تو یہ لوگ ارباب اقتدار عیاش ونواش آزاد خیال روشن خیال غوغا کرتے ہیں واویلا کرتے ہیں کہتے ہیں علماء ہمیں ترقی سے روکتے ہیں تمدن سے روکتے ہیں انگریزی زبان سے روکتے ہیں سائنس سے روکتے ہیں سیر وسیاحت سے روکتے ہیں نئی اصلاحات سے روکتے ہیں ان کو کچھ آتا نہیں ہے ڈیڑھ انچ کی دکان کھولی ہے ۲۰ ویں صدی میں دقیا نوسی بات کرتے ہیں ان سب کو اٹھا کے کہیں بند کرنا چاہیے معاشرے میں سب سے پست ذلیل ان جیسا کوئی نہیں ہوگا سوائے این جی اوز کے حمایت یافتہ کے جب ان کی تربیت یافتہ ان کے جیالے ان کے کارندے ان کے مشن کو تباہ کرنے والے جب خطرے میں پڑتے ہیں تو ان کو علماء یاد آتے ہیں کہتے ہیں خودسوزی خودکشی آزادی نسواں پولیو وغیرہ کے بارے میں علماء بہترین کردار ادا کر سکتے ہیں ان سے کہیں ان کو آگے لائیں ان کی ذمہ داری ہے۔

سلطان احمد مملکت کی خود نگرانی کرتے تھے لباس میں انتہائی متواضع تھے اہل علم، صاحب معرفت ولائق قائدین سے زیادہ مشورہ لیتے تھے پیغمبر سے زیادہ محبت کرتے تھے سلطان احمد اول کے بعد یہ سلسلہ ہر آئے دن کمزوروں کے ہاتھ میں آنا شروع ہوا۔

۱۵۔سلطان مصطفیٰ اول۔

۱۰۲۶ھ میں اپنے بھائی کی وفات کے بعد سلطان منتخب ہوئے۔جس دن وہ سلطان منتخب ہوئے معلوم ہونے لگا کوئی ہاتھ خلیفہ بنانے اور ہٹانے میں کردار ادا کر رہے ہیں، انہوں نے سلاطین عثمانیہ کو ختم کرنے کا کام شروع کیا ہے۔ان کا انتخاب سلطنت عثمانیہ کے زوال کا آغاز تصور کیا جاتا ہے ان کو ۳ مہینے کے بعد معزول کیا۔

۱۶۔عثمان ثانی:۔

۱۰۲۶ھ میں مصطفیٰ اول کی معزولی کے بعد خلیفہ بنا۔چار سالہ خلافت کے بعد فوج کے ہاتھوں قتل ہوا۔اس کے ۱۰۳۱ھ میں قتل کے بعد مصطفیٰ اول کو دوبارہ خلیفہ بنایا۔اس طرح سے سلطنت عثمانی انکشاریہ کے ہاتھوں کھلونا ہوگئی تھی وہ وزراء کو خود نصب کرتے تھے اور خود معزول کرتے تھے بڑے بڑے عہدوں کو کھلے عام فروخت کرتے تھے ظلم نا انصافیاں عام ہوگئی تھی ایک سال ۴ مہینے میں ۷ وزراء تبدیل کر کے اختلافات امراء کے درمیان میں پھیل چکے تھے گروہ بندی اپنی انتہاء کو پہنچی تھی مہینہ نہیں گزرتا منصب بدل جاتا تھا چونکہ سلطان مملکت کو چلانے سے عاجز و ناتوان ہوئے تھے پھر ان کو معزول کرنے کے بعد قتل کیا ان کے قتل کے بعد انکشاریہ حکومت پر غالب آگئے حالات بہت خراب ہوگئے تھے احوال داخلی بدتر ہوگئے اس وجہ سے خارجی حالات بھی خراب ہوئی تھی یہاں سے انھوں نے لشکر طاغی باغیوں کو استنبول اور دیگر جگہوں سے پکڑ کر قتل کیا خبر رساں کو نئے سرے سے تنظیم کیا

طاغیوں کو ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتارا۔ ان کے دور میں شراب سگریٹ نشہ سب ممنوع قرار دیا۔

۱۷۔ مراد رابع:۔

۱۰۳۲ھ میں جب خلیفہ بنے تو ان کی عمر ۱۲ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اس نے بولونیہ پر حملہ کرنے کا اعلان کیا لیکن بولونیہ نے مصالحت کی پیشکش کی جسے عثمانی لشکر نے قبول کر لیا کیونکہ وہ جنگ سے تھک چکے تھے۔ ان کے درمیان صلح ہو گئی تو خلیفہ کو لشکر پر غصہ آیا کہ انھوں نے سستی و کاہلی کیوں دکھائی اور ہمیں کیوں بولنیوں سے صلح کرنے پر مجبور کیا۔ اس نے اس لشکر سے اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی لیکن اس کو برطرف کرنے کے لئے انھیں جدید لشکر چاہیے تھا جو کہ فی الحال ممکن نہیں تھا تو انھوں نے اسی لشکر کو تربیت دینے اور منظم کرنے کی کوشش کی۔

۱۰۳۳ھ میں عراق میں صفویوں سے جنگ چھڑی تو سلطان مراد نے لشکر کی قیادت خود کی اور بغداد روانہ ہوا، اس وقت بغداد پر شاہ عباس مسلط تھا اس نے عراق میں والی عثمانیہ کو قتل کیا اور اہل سنت کے ساتھ ناروا سلوک کیا تو مراد نے بغداد کا محاصرہ کیا اور بغداد کی دیواروں کو گرایا۔ ۱۰۴۸ھ کو بغداد میں داخل ہوئے ۲۰ ہزار صفوی لشکر کو اس نے مارا وہیں قیام کیا اور بعض عمارتوں کو نئے سرے سے تعمیر کیا، اپنے لئے ایک وزیر مقرر کیا۔ وہ سب کچھ خود کرتے تھے لشکر سے گھل مل جاتے تھے کبھی لشکر کے ساتھ چٹائی پہ سوتے تھے۔

وہ ۱۰۴۹ھ کو بیمار ہوئے تو موت سے ڈر گئے اس بیماری سے شفا ملی لیکن دوبارہ وہ بیمار ہوئے تو مرض کی وجہ سے ان کو بغداد سے منتقل کیا گیا لیکن وہ جانبر نہیں ہو سکے۔ ان کی مدت سلطنت ۱۶ سال ۱۱ مہینے ہوئی ہے وہ جب اقتدار پہ آئے تھے تو خزانہ مملکت خالی تھا لیکن جب وفات پائے تو

خزانہ بھر گیا تھا۔ یہ سلطان شجاع تیز رائے تھے اس نے فساد کی جڑوں کو ختم کیا اور سرکشوں کو مار ڈالا اور نئے سرے سے سلطنت عثمانی میں روح پھونکنے کی وجہ سے موسس ثانی سلطنت عثمانی کا لقب دیا گیا کیونکہ انہوں نے گری ہوئی سلطنت کو بحال کیا۔ سلطان مراد نے اپنے بعد اولاد نرینہ نہیں چھوڑی۔

۱۸۔ ابراہیم بن احمد:۔

اپنے بھائی مراد کی وفات کے بعد ۱۰۴۹ھ میں مراد کی کوئی اولاد نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے خلیفہ بنائے گئے۔ لشکر انکشاریہ کو پتہ چلا کہ خلیفہ ان سے ناراض ہے، خلیفہ کو ان پر غصہ آیا ہے تو انھوں نے خلیفہ کے خلاف سازش کرنا شروع کی اور آپس میں اتفاق کیا کہ سلطان کو خلافت سے برطرف کریں چنانچہ ۹ رجب ۱۰۵۸ھ میں ان کو معزول کر کے ان کو قتل کیا۔

۱۹۔ سلطان محمد رابع۔

ان کو تقریباً سات سال کی عمر میں ۱۰۵۸ھ میں بادشاہ بنایا تو یورپ نے دیکھا سلطنت عثمانی کو چھیڑ چھاڑ کرنے کا وقت آ گیا اس لئے یورپ نے ایک اتحادیہ قائم کیا جو نمساء، بولوینہ، رہبانِ مالٹا اور روس پر مشتمل تھا اس اتحادیہ کا نام "حلف مقدس" رکھا یعنی بڑھتے ہوئے اسلام کو روکا جائے جو اس وقت جہاد عثمانی کی وجہ سے یورپ کے مشرق میں ہر گھر میں نفوذ کر گیا تھا۔ چنانچہ یورپی مسیحیوں نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف ہجوم غارت صلیبی کا سلسلہ شروع کیا۔ اللہ نے اس مدت میں آل کوبرالیا کو مقام والا دیا جنھوں نے دشمن کی ہجوم حملات کو روکا اور لشکر سلطنت عثمانی کی مدد کی۔ صدر اعظم محمد کوبریللی سلطنت عثمانی کے کھوئے ہوئے مقام اور ہیبت کو واپس لائے۔ ان کی وفات کے بعد پھر ان کی جگہ ان کے بیٹے احمد کو صدر اعظم بنایا، جس نے نمسا (آسٹریا) اور بندقیہ (بلگیریا) سے صلح کرنے سے انکار کر دیا اور ایک لشکر کی قیادت کرتے ہوئے نکلے وہ ۱۰۷۴ھ کو نمساء کے بڑے قلعہ کو فتح

کرنے میں کامیاب ہوئے یہ قلعہ نوہزل شرقی میں واقع تھا۔

اس صدر اعظم کے دور میں فرانس نے دولت عثمانی سے تقرب حاصل کرنے، امتیازات لینے کی کوشش کی لیکن صدر اعظم نے مسترد کیا تو فرانس نے ان کو دھمکی دی اور لوئس رابع عشر نے ایک بحری جنگی بیڑے عثمانیہ کی طرف دھمکی دینے کیلئے بھیجا، لیکن یہ چیز صدر اعظم کی ہمت میں مزید شہامت و استقامت کا سبب بنی۔ صدر اعظم نے کہا مراعات ہماری طرف سے عطیہ تھیں کوئی وعدہ نہیں تھا کہ اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا۔ صدر اعظم کے ارادہ فولادی کی وجہ سے وہ دوبارہ خاضعانہ نرم لہجہ استعمال کرنے لگے اور پرانے معاہدات پر دستخط کیے۔ صدر اعظم احمد کو بریللی کی وفات کے بعد سلطنت عثمانی دوبارہ بحرانی کا شکار نظر آنے لگا، ضعف آرائی پر بلاد مجر پر نمساء نے دوبارہ حملہ کیا اور اپنے کھوئے ہوئے مقامات کو واپس لیا۔ بادشاہ بولونیہ (پولینڈ) نے ان پر حملہ کیا۔ بندوقیہ کی جنگی کشتیوں نے مورہ اور یونان پر حملہ کیا، اتھینا اور کورنتھیا ۱۰۹۷ھ پر حملہ ہو گیا، اس پر علماء و شخصیات مملکت نے اتفاق کیا سلطان رابع محمد کو عزل کریں۔ بالآخر ۱۰۹۹ھ کو ان کو معزول کر کے ان کے بھائی سلیمان ثانی کو تخت پر بٹھایا۔

۲۰۔ سلیمان ثانی:۔

محمد رابع کی معزولی کے بعد ان کے بھائی سلیمان ثانی تخت نشین ہوئے۔ وہ ۱۰۵۲ھ کو پیدا ہوئے، اپنے بھائی کی جگہ ۱۰۹۹ھ کو تخت نشین ہوئے۔ ان کے دور میں حکومت عثمانی میں ضعف، ناتوانی و کمزوری بڑھتی گئی اور دشمنوں کی شرارت میں اضافہ ہوتا گیا۔ نمسا نے بہت سی جگہوں کو ان کے ہاتھ سے آزاد کرایا، ان میں ۱۰۹۹ھ کو بلغاریہ آزاد کیا اسی طرح بنو اور اس کے مشرقی ساحل، کچھ حصہ یونان دشمن کے قبضے میں گئے۔ پے در پے، شکست لاحق ہوئی۔ اسی دور میں اللہ نے انھیں صدر اعظم مصطفیٰ بن محمد کو

بریللی کی صورت میں ایک ایسا راہنما عنایت فرمایا، جو اپنے باپ کی سیرت پر چلے۔انھوں نے نصاریٰ کے استنبول میں گرائے گئے کلیسا کو بنایا، ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور جو ان کی اقامہ شعائرہ میں مزاحمت کرے ان کو درد ناک سزائیں سنائیں۔اس طرح سے انھوں نے تمام مسیحیوں کو اپنا حامی بنایا، ان کے درمیان عدل قائم کیا۔اہالی مورہ اور روم نے بنادیقہ پر حملہ کیا اور ان کے لشکر کو وہاں سے نکال دیا اور یہ لوگ خوشی سے حکومت عثمانی میں شامل ہوئے یہ ایک مثالی نمونہ بنے جو فرزندان نصاریٰ نے اسلامی رواداری کا مشاہدہ کیا اور اس کے حق میں گواہی دی۔اللہ کی مشیعت کہ صدر اعظم میدان جنگ میں دین سے دفاع کرتے ہوئے جاں بحق ہوئے۔اسی سال ۲۶ رمضان ۱۱۰۲ھ کو ۵۰ سال کی عمر میں ۳ سال ۸ ماہ حکومت کرنے کے بعد سلیمان بھی اچانک وفات پائے انھیں اپنے جد سلیمان اول کے ساتھ دفنایا گیا۔

۲۱۔سلطان احمد ثانی۔

احمد ثانی اپنے بھائی سلیمان خان کی وفات کے بعد ۱۱۰۲ھ کو سلطان منتخب ہوئے ان کے دور میں صدر اعظم مصطفیٰ کو بریللی وفات پائے جو کہ سلطنت عثمانیہ کے لئے ایک سد بنے ہوئے تھے۔ان کے بعد صدر اعظم کے لئے جی علی پاشا عربجی منتخب ہوئے۔احمد ثانی زیادہ دیر تک نہیں رہے وہ ۱۱۰۶ھ کو وفات پا گئے۔

۲۲۔مصطفیٰ ثانی:۔

مصطفیٰ ثانی ابن محمد رابع جو کہ ۱۰۷۴ھ کو پیدا ہوئے تھے ۱۱۰۶ھ کو سلطان منتخب ہوئے۔ان کے دور میں سلطنت عثمانیہ کی تمام مخالف حکومتیں میدان میں اتریں، جزیہ دینے والوں نے جزیہ دینے سے انکار کیا، لشکر عثمانی

میدان محاذ جنگ سے پسپا ہو کر رعایا کو دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑتے تھے۔ یہ عمل دشمنوں کے حوصلہ میں اضافہ کا باعث بنا۔ لشکر کی بغاوت پر مصطفیٰ ربیع الاول ۱۱۱۵ھ کو تخت سے دست بردار ہوا اور چار مہینے کے بعد وفات پائی۔

۲۳۔ سلطان احمد ثالث۔

یہ ۱۱۱۵ھ کو لشکر کی بغاوت کی وجہ سے تخت نشین ہوئے اور ۱۱۴۳ھ کو وفات پائے، انہوں نے سلطان بننے کے بعد رایۃ جہاد بلند کیا، کھوئی ہوئی مجد و عظمت کو بحال کیا تعلقات روابط بڑھایا بعض کھوئے علاقوں کو واپس کیا۔

یورپ کے موضوعات بمعہ الحادیات کی استبراد سلطان احمد ثالث کے صدر اعظم اور ان کے داماد ابراہیم پاشا ترکیہ میں لائے۔ ان دانشوران روشن خیال غرب پرستوں سے اپنے ملک کی اصلاح یورپ سے تبادل ثقافت افکار کے ذریعے کرتا ہے چنانچہ انہوں نے آستانہ میں مقیم یورپی سفارت کاروں سے صلاح و مشورے کے بعد پہلی بار اپنے ملک کی سفارات کو یورپ میں بھیجنا شروع کیا اور یہاں تک اکتفاء نہیں بلکہ میں قصر و قصور و بلند تعمیرات اسراف و تبذیر کو بھی آستانہ میں لایا۔ اس اسراف و تبذیر میں خود سلطان تک بھی شریک ہوئے چنانچہ احمد ثالث اور اس کی صدر اعظم سورہ اسراء کی آیت ۱۶ کا مصداق بنے۔

﴿وَ إِذا أَرَدْنا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنا مُتْرَفيها فَفَسَقُوا فيها فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْناها تَدْميرا﴾

۲۴۔ سلطان محمود اول:۔

۱۱۴۳ھ سے ۱۱۶۷ھ تخت پر بیٹھے۔ ۱۱۴۴ھ میں نادر شاہ نے ایران پر حملہ کیا چنانچہ عثمانی تبریز سے پیچھے ہٹے نادر شاہ نے طہماسب کو عزل کر کے

ان کے بیٹے شاہ عباس کو شاہ بنایا پھر ۱۱۴۹ھ میں خود نادر شاہ ایران بنا۔

۲۵۔سلطان عثمان ثالث:۔

متولد ۱۱۶۸ھ ۵۸ سال عمر میں سلطان بنے تین سال حکومت کی۔

۲۶۔سلطان مصطفیٰ ثالث:۔

۱۱۷۱ھ میں خلیفہ بنتے وقت ان کی عمر ۴۲ سال تھی۔ان کی تمام تر توجہ روسیوں کو پیش قدمی سے روکنا تھا روسیوں نے عثمانیوں کے خلاف حرکت تیز کی۔

۲۷۔سلطان عبدالحمید اوّل:۔

سلطان عبدالحمید اول متولد ۱۱۳۸ھ اپنے بھائی سلطان مصطفیٰ ثالث کی وفات کے بعد ۱۱۸۷ھ میں خلیفہ بنے۔ان کے دور میں روس کے ساتھ معاہدہ کینارجی طے پایا،جس میں خصوصا عیسائیوں کو ہر قسم کی آزادی کے علاوہ ان کی آمد و رفت پر ہر قسم کا ٹیکس معاف کر دیا گیا،قرم کے علاقے کی سلطنت عثمانیہ سے خودمختاری کا اعلان کرایا گیا اور کہا گیا کہ اس علاقے میں کوئی فریق بھی کسی قسم کی مداخلت نہیں کرے گا لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد روس نے قبضہ میں لے لیا۔جس پر خلیفہ نے روسی سفیر کو قید میں ڈالا اور روس سے جنگ کا اعلان کیا۔۱۲۰۳ھ میں اچانک خلیفہ کا انتقال ہو گیا۔

۲۸۔سلطان سلیم ثالث:۔

۱۲۰۳ھ میں اپنے چچا سلطان عبدالحمید ثالث کی وفات کے بعد خلیفہ بنے۔ان کی خواہش تھی کہ اسلامی حکومت کی شان و شوکت کو بحال کریں، قرم کے علاقے کو واپس لیں۔ان کے دور میں عثمانیہ اور سوید کی حکومتوں کے درمیان امن معاہدہ ہوا۔۱۲۰۶ھ میں عثمانی خلیفہ کو روس کے ساتھ امن معاہدہ کرنا پڑا۔اس معاہدے کی وجہ سے ایک تو عثمانی حکومت کی سرحدیں

سکڑ گئیں دوسرے انہیں دشمنوں کے حق میں اپنی آمدنیوں سے ہاتھ دھونا پڑے۔ ۱۲۱۳ھ میں فرانسیسی صلیبیوں نے مصر پر حملہ کر دیا، اس حملے میں نپولین بونا پارٹ اپنے ساتھ ۲۲ علماء صلیبی بھی ساتھ لایا، یہ علماء یہودی ماسونی مجالس سے تعلق رکھتے تھے اور مصر میں انہوں نے جدت، بھائی چارے اور مساوات کے نعرے بلند کئے۔ ان لوگوں نے ہی مصر میں ماسونی مجالس کا بیج بویا۔ سخت مذاحمت کے باوجود فرانسیسی استاد یعقوب مصری کے تعاون سے مصر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوئے اور مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے، کئی بستیاں جلائیں، گھروں کو لوٹا، عورتوں کی عصمت دری کی، اخوت، مساوات اور انسان دوستی کے دعویداروں کے ہاتھوں کتنے ہی مسلمان قیدی قتل ہوئے۔ خلیفہ سلیم ثالث نے ان صلیبیوں کے خلاف اعلان جہاد کیا تو ہر طرف سے لوگ اس کا ساتھ دینے کیلئے اٹھے۔ اسی دوران لیبیا سے مہدی درناوی بھی فرانسیسیوں کے خلاف برسر پیکار رہا اور ان کے کئی معرکوں میں فرانسیسیوں کو عبرتناک شکست دی۔

۱۲۲۲ھ میں انکشاریہ نے ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔

۲۹۔ مصطفیٰ رابع:۔

مصطفیٰ رابع کی حکومت صرف تیرہ ماہ قائم رہی، یہ برائے نام حکومت تھی، اصل حکومت ان باغیوں کی تھی جنہوں نے سلطان سلیم ثالث کو معزول کر کے اسے تخت پر بٹھایا تھا۔

۳۰۔ سلطان محمود ثانی:۔

سلطان محمود ثانی ۱۲۲۳ھ کو سلطان مصطفیٰ رابع کے عزل کے بعد سلطان محمود ثانی سلطان منتخب ہوئے ان کے چند کارنامے ہیں۔

ا۔ روسیہ کے ساتھ جنگ

۲۔لشکر انکشاریہ سے اعلان جنگ اوران کا خاتمہ

۳۔محمد علی شاہ کو مصر کا والی بنایا۔

۳۱۔سلطان عبدالحمید اوّل:۔[دولت عثمانیہ ۷۰۴ص ۱۲۵۵]

سلطان عبدالحمید اوّل متولد ۱۲۳۹ھ۔ ۱۲۵۵ھ میں اپنے والد محمود ثانی کے وفات کے بعد سلطان منتخب ہوئے اس وقت ان کی ۱۶ سال عمر تھی ان کی نوعمری کو بعض وزراء نے غنیمت سمجھ کران سے ان اصلاحات کے تکمیل کے خواہاں ہوئے جوانھوں نے مغربی طرز کی اصلاحات سے شروع کیں تھیں۔ جسمانی طور پر بہت کمزور اورضعیف وناتواں تھے لیکن ذہنی طور پر بہت ذہانت وزکاوت کے حامل تھے وہ حقیقت بین ہونے کے ساتھ ساتھ رحم دل بھی تھے۔ یہ آل عثمان میں بڑے بزرگ،صاحب قدرت اورعظمت والے سلاطین میں سے تھے،ملک میں اصلاح چاہتے تھے اور جدید تنظیمات کو داخل کرنا چاہتے تھے۔انہوں نے لشکر میں بھی اصلاحات قائم کیں جن سے علوم و معارف کو فروغ ملا ،تجارت کو وسعت دی،بہت سے اقتصادی اقدامات کیئے ،عالمی تعلقات اور روابط کیلئے ریلوے لائنیں بچھائیں اور روابط کیلئے ٹیلیفون کی سہولیات فراہم کیں۔ انکی نوعمری کو غنیمت جانتے ہوئے بعض مغرب پرست وزراء نے پھر سے مغرب کے ساتھ تعلقات قائم کیئے اوراسے تجدید وتوسیع دینے اور نئے تعلقات قائم کرنے کی طرف انھیں اشارہ دیا۔ان وزراء میں جواصلاح کی زبان اور مصلحین کے لباس میں خود کو صادق اورسچا دکھانے والوں میں سے ایک شخص بنام مصطفیٰ رشید جو کہ لندن اورفرانس میں سلطنت عثمانیہ کے سفیر رہ چکے تھے اور ملک کے وزیر خارجہ بھی بنے رہے وہ یورپ و برطانیہ کے خدام بنے ہوئے تھے۔سلطان نے دارسلطنت سے یہ اعلامیہ جاری کیا''یہ بات عوام الناس پرمخفی نہیں کہ ہماری عظیم مملکت شروع سے آج تک قرآن کریم کے احکام شریعت مقدسہ

کے قوانین کی پاسداری کرتی آئی ہے۔لہٰذا ہماری عظیم سلطنت کی طاقت ،خوشحالی اوراس میں بسنے والے لوگوں کی ترقی اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔لیکن ڈیڑھ سوسال سے صورت حال بالکل مختلف ہوگئی ہے جس کا سبب شریعت کی پابندی اور حکم الٰہی سے اعراض ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس ملک کو یکے بعد دیگرے کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔سواب اس کی طاقت کمزوری سے اوراس کی ثروت،غربت وافلاس سے تبدیل ہوچکی ہے“

اس کے بعد مسلسل یکے بعد دیگر ضد اسلام قوانین صادر ہوتے رہے۔

۱۔ہم لوگوں کی زندگی کو کلی طور پر تحفظ دیں گے اوراس میں دین کو ترجیح نہیں دیں گے اورلوگوں کے عقائد دینی کو نہیں دیکھیں گے۔

۲۔ملک میں موجود درآمدات کی اور مالیات کی صحیح تقسیم کریں گے۔

۳۔لشکر میں عدل وانصاف کریں گے اوران کی مدت کا تعین کریں گے۔

۴۔حقوق اورواجبات میں مسلم اورغیر مسلم برابر ہوں گے۔

اس طرح ایک نیا دور”عہد تنظیمات خیریہ عثمانیہ“ کے نام سے وجود میں آنے لگا،ان میں سے ایک قانون آزادی عمومی کا احترام کرنا اورلوگوں کی ملکیت کا احترام کرنا ہے اوران کے عقائد کو نہیں چھیڑنا ہے۔اس قانون کے سامنے تمام ادیان برابر و مساوی ہیں ۔جزیرۃ متلین میں بعض دینی شخصیات یونانی،ارمنی،یہودی جمع ہوئے وہاں رشید پاشا بھی آیا۔وہ مصلحین میں سے تھا، سلطان کی نمائندگی کرتے ہوئے انہوں نے کہا:”ایھا المسلمون، ونصاریٰ، یہود!تم اس بڑی وسیع حکومت کی رعایا ہو اورایک باپ کی اولاد ہو، باشاہ تم سب کو برابر سمجھتے ہیں“۔

کہتے ہیں ابھی اس خط پر عثمانی دستور وحکمران کی طرف سے امضاء و تائید بھی نہیں ہوئی تھی کہ بعض نے شوشا چھوڑا کہ عام مسلمانوں کی طرف

سے تائید کا اعلان کر دیا گیا ہے تو علماء نے اسے شدت سے مسترد کیا اور انھیں کافر قرار دیا، رشید پاشا کو اور اس کے اقدامات کو قرآن وسنت کے خلاف قرار دیا خاص کر کے مسیحی اور مسلمانوں کو برابر کہنے پر، درحقیقت اس اعلان کا مقصد یہودیوں کی وہ تحریک تھی جس کا مقصد ترکی میں مسیحیوں کو مسلمانوں کے خلاف اٹھانا تھا یہاں سے عقیدہ ''ولا و برأت'' نے پھر سے سر اٹھایا اور بہت سے ہدایت نامے اور احکام جو شرعیہ سے تھے یعنی اہل ذمہ یا غیر مسلموں سے تعلقات کے حوالے سے تھے انہیں ختم کیا اور یہی ان اقدامات کا مقصد تھا۔

رشید پاشا اپنے لئے نمونہ عمل مصر میں دیکھتے تھے اور فلسفہ حیات کو ماسونیہ میں دیکھتے تھے۔ رشید پاشا وہ ہے جو آئندہ آنے والے حکومتی وزراء و شخصیات کی کھیپ تیار کر رہے تھے ان کے تعاون سے ہی ان لوگوں نے مغرب کی گاڑی کو چلانا شروع کیا تھا۔ وہ سلطنت عثمانی تجدید کی ضرورت کو تین نقاط میں سمجھتے تھے۔

۱۔ نظام حکومت ادارہ جات، لشکر سازی سب مغربی انداز میں مغربی طور وطریقے پر ہونا چاہیے۔

۲۔ معاشرہ عثمانی سیکولرزم کی شکل میں ہونا چاہیے۔

۳۔ استنبول اور صوبوں میں اقتدار کی مرکزیت کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرنا۔

۳۲۔ سلطان عبدالعزیز:۔

سلطان عبد الحمید اول کے بعد ۱۲۷۷ھ کو ان کے بھائی عبد العزیز سلطنت عثمانیہ کے سلطان بنے عبد العزیز نے ۱۲۷۷ھ کو سلطان بننے کے بعد یورپ کا دورہ کیا یورپ والوں کی طرف سے ان پر دباو بڑھ گیا کہ وہ یورپی اصطلاحات کریں لیکن سلطنت عثمانی نے اس کو من وعن کرنے سے

گریز کیا جس کے نتیجے میں ۱۲۹۳ھ کو ان کو عزل کر کے قتل کیا گیا۔

۳۳۔ سلطان مراد خامس:۔

عبدالعزیز کے قتل کے بعد مراد خامس کو ۱۲۹۳ھ میں سلطان بنایا گیا۔

۳۴۔ سلطان عبدالحمید ثانی (۱۲۹۳ھ تا ۱۳۲۶ھ):۔

عصر سلطان عبدالحمید: [دولت عثمانیہ ص ۴۳۱]

سلطان عبدالحمید سلاطین عثمانیہ کے چونتیسویں بادشاہ ہیں وہ ۳۴ سال کی عمر میں تخت سلطنت پر بیٹھے۔ وہ ۱۶ شعبان ۱۲۵۸ھ کو پیدا ہوئے۔ سلطان عبدالحمید کی والدہ نے جب وفات پائی، اس وقت آپ کی عمر دس سال تھی۔ آپ کے باپ کی دوسری زوجہ جو کہ عقیم تھیں انھوں نے آپ کی پرورش کی ذمہ داری لی، انہوں نے آپ کی تربیت بہت اچھے طریقہ سے کی اور ایک حقیقی ماں بننے کی کوشش کی اور اپنی تمام محبت وشفقت کے ساتھ آپ کو اپنی تمام مِلکیت کا وارث بنایا۔ عبدالحمید اپنی اس سوتیلی ماں کی تربیت اور تعظیم اور ان کی دین داری و دیانت اور نرم آواز سے بہت متاثر تھے۔ عبد الحمید نے تعلیم قصر سلطانی میں اپنے دور کے علم واخلاق اور تربیت میں نبوغت رکھنے والے اور ممتاز شخصیات سے حاصل کی۔ انہوں نے ترکی زبان کے علاوہ عربی اور فارسی پر بھی عبور حاصل کیا، وہ تاریخ اور ادب سے بہت گہرا شغف رکھتے تھے، ساتھ ہی وہ علم تصوف میں بھی گہرائی رکھتے تھے اس کے علاوہ وہ اسباب ووسائل جہاد کی مہارت بھی ساتھ ہی سیکھتے تھے ان تمام کے علاوہ ان کی توجہ علم سیاست پر تھی کہ دنیا میں اور اپنے ملک میں کیا ہو رہا ہے، اس کا بھی وہ جائزہ لیتے تھے۔ ملک سے باہر اپنے پہلے سفر میں اپنے چچا سلطان عبدالعزیز کے اس وفد میں شامل ہوئے جو یورپ کی طرف جا رہا تھا۔ پہلی بار یورپیوں نے اتنے سادہ لباس اور سیرت کے ساتھ عبدالحمید کو

دیکھا۔امیر عبدالحمید حالات پر بہت گہری نظر رکھتے تھے جب آپ مختلف وفود سے ملے جیسے فرانس سے نپولین سوم، انگلینڈ سے ملکہ وکٹوریہ، بلجیک سے ولیو بلد، المانیہ سے غلیوم اول، اور فرنسوا جوزیف نمسا سے تو اس سفر میں یورپیوں کی غلط تبلیغات اور اشاعت کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔آپ انھیں شک وشبہ کے نظر سے دیکھتے تھے۔آپ سمجھتے تھے کہ مصر اس وقت قرضوں میں ڈوبا ہوا ہے کیونکہ اسماعیل بادشاہ کی زندگی میں اسراف ہے وہ مصر کو ایک لقمہ کے طور پہ اروپا کو دے دے گا اس دورے میں عبدالحمید کی ذہنیت پھیل گئی اور اس کے سامنے یہ سب منظر واضح ہو گئے کہ

۱۔ یورپ کی زندگی اخلاقیات اور حقائق سے دور ہے اور لہو ولعب پر قائم ہے۔

۲۔ یورپ میں صنعت اور عسکری تربیت کو عروج حاصل ہے۔

۳۔ یورپ عالمی سطح پر سیاست کا کھیل کھیل رہا ہے۔

۴۔ یورپ آہستہ آہستہ اپنی طاقت عثمانی حکومت پر مسلط کر رہا ہے خاص کر نپولین ان کے چچا سلطان عبدالعزیز پر بہت زیادہ اثرات رکھتے ہیں نپولین نے سلطان عبدالعزیز کو مجبور کیا کہ وہ مصر کے بادشاہ کے ساتھ تعاون کرے، سلطان عبدالعزیز کو یہ احساس نہیں ہو رہا تھا کہ ان پر یورپ اثر انداز ہو رہا ہے۔عبدالحمید کے اس سفر کا جائزہ یہ ہے کہ فرانس کھیل کا میدان ہے اور انگلستان، ثروت اور زراعت اور صنعت کی جگہ ہے، عثمانیہ نظام حکومت فوجیوں کا مرکز ہے اور یہ زیادہ تر المانیہ سے متأثر تھا لہٰذا وہ کوشش کرتے تھے کہ اپنے لشکر کو المانیہ میں تربیت دیں۔امیر عبدالحمید اس سفر سے متأثر ہو کر جب آئے تو نئے اکتشافات و اختراعات کو اپنے ملک کی صنعت میں شامل کرنے لگے، انہوں نے اپنی سیاست میں یورپ سے آزاد رہنے کی بھی کوشش کی۔

عبدالحمید نے اس سفر میں اس گفتگو، مکالمات اوران خدشات کو بھی نظر میں رکھا جوفواد پاشا اعظم عثمانی نے بعض یورپی رؤسا کے ساتھ کیں تھیں جب فواد پاشا سے سوال ہوا:''جزیرہ کریت بیچنا چاہیں تو کتنے میں بیچیں گے؟انھوں نے جواب دیا:اس قیمت میں بیچیں گے جس قیمت میں ہم نے اسے خریدا ہے یعنی اس سے مراد یہ تھی کہ اس کی حفاظت کیلئے ہم نے ۲۷ سال جنگ لڑی ہے اس کے بغیر ہم اس کو نہیں بیچیں گے''۔

فواد پاشا سے ایک اورسوال کیا گیا:''عالم میں سب سے بڑی طاقت کونسی حکومت ہے؟تو کہا:عثمانی حکومت ہے کیونکہ تم چاہتے ہو کہ عثمانی حکومت کو باہر سے ختم کرو،اور ہم چاہتے ہیں کہ عثمانی حکومت کو اندر سے ختم کریں ہم دونوں چاہتے ہیں کہ ختم کریں لیکن یہ حکومت خراب نہیں ہو رہی ہے''۔

آپ نے یہاں سے سمجھ لیا کہ ایک حکومت مغربی طاقتوں کو ٹھنڈا اور خاموش کرسکتی ہے اور سیاسی گفتگو کس طریقہ سے کی جاتی ہے اس وقت عبد الحمید کی عمر ۲۵ سال تھی۔

اس کی زندگی کا دوسرا دور خلافت کا دور ہے۔اس کے بھائی مراد کے بعد ۱۱ شعبان ۱۲۹۳ھ کو ۳۴ ویں سلطان عثمانیہ منتخب ہوئے اس وقت ان کی عمر ۳۴ سال تھی داخل مملکت اور خارج میں رسم تاج پوشی انجام دینے کے بعد سلطان عبدالحمید نے مملکت کے لئے مدحت پاشا کو صدر اعظم بنایا۔ مدحت نے دستور سازی مملکت کا اعلان کیا یہ دونوں مجلس ،مجلس نواب اور مجلس شیوخ سے منظور ہو گئے،دونوں مجالس منظور ہونے کے بعد مدحت بادشاہ مطمئن ہو گئے اب ان کو کوئی ہٹا نہیں سکتا ہے،اب انہوں نے سلطان عبدالحمید پر دباؤ بڑھانا شروع کیا۔بقول سلطان عبدالحمید مدحت بادشاہ نے یہ تاثر دیا ہے اصل متصرف امور مملکت مدحت پاشا اور وصی عبدالحمید ہے۔مدحت پاشا کی

طرف سے ان پر دباؤ بڑھ گیا کہ وہ مغرب سے ماخوذ دستور کا اعلان کریں۔وزراء نے سیاست مغربیت ان پر ٹھونسی خاص کر نئی تنظیم بنائی ''جمیعت اسلام'' کے نام سے جس میں ترکیہ کے پڑھے لکھے روشن فکر، روشن خیال شخصیات شامل تھیں۔

سنہ ۱۸۷۶ء کو پہلی بار تاریخ اسلام نے دستور اجتماع کو فرانسیسی' بلجیم اور سوئٹزرلینڈ کے نظاموں سے اقتباس کرتے ہوئے سیکولرزم پر مدحت پاشا نے قائم کیا۔مملکت کی نظم سازی میں رسمی طور بھی حکومت اسلامی کا خاتمہ ہو اور یہ سیکولرزم پر ہونی چاہیے۔تمام قوانین تجارت' سیاست اقتصاد وغیرہ کو شریعت اسلامی سے دور رکھا جائے۔اگر کوئی غور کریں تاریخ اقوام وملل اور ان کے حالات کا جائزہ لیں تو اس پر واضح ہوگا تقلید ایک قوم سے دوسری قوم میں ایک ملت سے دوسری ملت میں ہوتی ہے، شخصیات بھی ختم ہوتی ہیں۔ صرف قوم مقلدہ رہتی ہے جس کی تقلید ہوتی ہے وہی زندہ رہتی ہے۔اللہ کا قانون ہے کہ امت ضعیف وکمزور اور مغلوب، امت قوی وقدرتمند سے تعجب کرتی ہے تو پھر اس کی تمنا کرتی ہے اور آخر میں اس کی تقلید کرتی ہے، اس کے اخلاق، طور وطریقے کو اپناتی ہے یہاں تک کہ فکر' عقائد' سوچ ادب ہنر سب ان سے لیتی ہے، تو اس طرح تقلید کرنے والی امت اپنی ذاتی تمام حیثیت کو کھو بیٹھتی ہے، اگر اس کے پاس کوئی تمدن وترقی ہے بھی تو وہ بھی ختم ہو جاتی ہے اور وہ دوسری قوم کی دست نگری میں اپنی زندگی گزارنے لگتی ہے۔

سلطان عبدالحمید اس تنگ محاصرے میں تھے وہ ایک فرصت' موقعہ کی تلاش میں تھے کہ غرب نواز وزراء کو دور کریں اور ان کی طاقت' سلطنت کو کمزور کریں اور ملک وملت کو تعلیم اسلامی کے مطابق چلائیں شریعت اسلامی کو نافذ کریں۔سلطان عبدالحمید نے ایک معلوماتی' اطلاعاتی ادارہ بنایا جو

سلطنت کو اندرون اور بیرونی دشمنان کے بارے میں معلومات فراہم کرے، اور چلنے والی بغاوتوں کو کچل دے یہاں سے سلطنت عثمانیہ نے ایک فیصلہ کن جنگ داخلی کا آغاز کیا۔ جہاں اسے روس کے مقابلے میں شکست ہوئی تو وہ مجبور ہوئے ایک معاہدہ یورپ والوں سے کریں اور ایک معاہدہ جرمن والوں سے کریں۔ ان کے ذہن میں ایک جامع اسلامی حکومت کی تاسیس کی آرزو پیدا ہوئی جو پورے عالم اسلامی کو یکجا وجمع کرے اور اپنی حمایت میں لے لے، اس فکر پر اس نے توجہ دی کہ تمام مسلمانوں کو ایک رشتہ میں جمع کرے جہاں جہاں مسلمان نشین ہیں اس کو سلطنت عثمانی کا حصہ بنائے تاکہ صلیبی یورپی عزائم کے مقابلے میں استقامت دکھائے۔ سلطان عبدالحمید نے اس فکر کو جامۂ عمل پہنانے کے لئے مختلف وسائل کو اپنایا افراد کو منظّم کیا اس طرح انہوں نے صوفیوں کو منظّم کیا اور مملکت کو عربیت میں منتقل کیا ایک مدرسہ قبائل قائم کیا اور ریل کی پٹڑی کو بروقت ختم کرنے کے لئے سوچا۔

یہودیوں، صہونیوں اور صلیبیوں کے منصوبوں پر عمل کرنے کیلئے انہوں نے سلطان کو مال کی رغبت دی لیکن وہ ان کی باتوں میں نہیں آئے۔ انہوں نے تمام تر سہولیات جو یہودیوں کو دی گئی تھیں ان کے ساتھ ساتھ یہودیوں کو زمین فروخت کرنے سے منع کیا اور تمام امتیازات روک دیئے تو عالمی صہیونی حرکت میں آئے، سلطان عبدالحمید کے دشمنوں کی سرپرستی کی اوران کی معاونت کی۔ عبدالحمید کے دشمنوں نے سرکش، قوم پرست ''حزب اتحاد ترقی''، غرض جو بھی خلافت عثمانی کے خلاف قیام کرتے دیکھا ان سب کو متحد کیا۔ خاص کر جمعیت اتحاد وترقی نے سلطان عبدالحمید کو ہٹانے کی کوشش کی ان کو یورپی معاونت حاصل تھی، یہود و ماسونی افراد سب نے ان کا ساتھ دیا اس سلسلہ میں اتحاد وترقی حلیفوں کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے آخر

میں یہ لوگ مجبور ہوئے روس اور حرین میں فرار ہو گئے۔

یہودی و یورپی منصوبہ بندی کے ذریعے دارالحکومت میں بڑی بے چینی پیدا کر دی گئی، ان واقعات کے بعد سلانیک اور استنبول کے اندر اتحاد و ترقی کا لشکر حرکت میں آ گیا اور انہوں نے سلطان عبدالحمید ثانی کو اپنے تمام شہری اور دینی اختیارات سے معزول کر دیا۔

سلطان عبدالحمید ثانی کے بعد خلافت کی ذمہ داری ان کے بھائی محمد رشاد نے قبول کی لیکن حقیقت میں عملاً اس کے ہاتھ میں کوئی اختیار نہیں تھا۔

انگریز اور یہودیوں نے کوشش کی مصطفیٰ کمال کو سلطنت عثمانی کا سربراہ بنائیں چنانچہ انہوں نے اس کے لئے ایک منصوبہ بندی کی جس کی چار بنیادوں پر عمل کرایا ہے۔:

۱۔ ترکیہ کو اسلام سے الگ کیا۔

۲۔ خلافت اسلامی کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا۔

۳۔ خلیفہ اور ان کے اعوان و انصار کو ملک بدر کیا۔

۴۔ خلیفہ کے اموال کو قومی ملکیت میں لیا۔

ترکیہ میں قدیم دستور معطل نیا دستور نافذ کیا جائے، مصطفیٰ کمال نے ترکیہ میں دین اسلام کی تبلیغ کرنے والوں پر پابندی لگائی، عورتوں کی بے حجابی اور مردوں کے ساتھ گھل مل کے بیٹھے مخلوط اجتماعات کی اجازت دی۔ لیکن ترکیہ میں موجود آواز حق نے ان کی سیکولرزم کے ساتھ بھرپور مزاحمت کی۔ طویل عرصہ تک حق و باطل کی جنگ ترکیہ میں جاری رہی۔

ترکیہ میں قیام حکومت لادینی: [دولت عثمانیہ ص۵۰۰]

سلطان عبدالحمید ثانی اور ان کے بھائی محمد رشاد حکومت سنبھالنے سے عاجز ہو گئے، ان کی حکومت برائے نام تھی اور حقیقت میں سلطنت اتحادی ترقی پسندوں کے ہاتھوں میں تھی یعنی حکومت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر

الحادی طاقتوں کے ہاتھوں میں گئی۔

جنگ عالمی اول کے نتائج: [دولت عثمانیہ ص۵۰۲]

۱۳۳۴ھ میں اتحادیوں نے آپس میں اتفاق کیا سلطنت عثمانی کو اپنے درمیان تقسیم کریں، اس کو معاہدہ سائیکس بیکو نام رکھا ہے۔

۱۔عرب آزاد ہوں گے لیکن اندر سے ہمیشہ کے لئے یورپ کی غلامی میں رہیں گے۔

۲۔جنوب عراق برطانیہ کا ہوگا شمالی سوریا لبنان اوراس کا ساحل فرانس کا ہوگا۔

۳۔فلسطین آزاد مملکت ہوگی۔

۴۔آستانہ اور تنگنائے باسفورس اور دردانیل روس کے لئے ہوگا۔

وعدہ بالفور برطانیہ نے یہودیوں کے لئے صادر کیا تھا کہ فلسطین ہمیشہ یہودیوں کے لئے ہوگا فلسطین پر یہودیوں کا ملک ہوگا۔ترکیہ ہرحوالہ سے ایک خالص مغربی طرز کی مملکت ہوگی جس میں تمام اقدار اسلامی محو و ناپید ہوں گے۔سمجھ لیں جس دن سلطان عبدالحمید کو سلطنت سے معزول کر کے اتحادی حاکم کا تقرر کیا گیا اسی دن دولت عثمانیہ اسلامیہ کا جنازہ نکلا تھا،جس کو بغیر غسل وکفن ونماز جنازہ دفنایا گیا تھا۔

''معاہدہ بالفور'' ایک حکومت فلسطینی یہودی قائم کرنے کا وعدہ پورا کیا اور اتحادیوں نے اس وقت اعلان کیا اب ترکیہ مملکت قومی ہوگی دینی نہیں۔انگریز نے استنبول پر قبضہ کیا اور خلافت خفیہ طور پر ان کے ہاتھوں اسیر ہوئی،نمائندہ برطانیہ اتحادیوں کے فوجی جرنیل سربراہ مملکت ہو گئے۔ خلافت عثمانیہ کے خاتمے کیلئے کھیلا جانے والا کھیل اب اپنے اختتام کو پہنچ رہا تھا مابہ انہیں ایک ایسے مصنوعی ہیرو کی تلاش تھی جس کے ہاتھوں وہ پسپا ہو کر یہاں سے جائیں،اس طرح وہ قوم کا دل جیت لے،اور اسی کے

ذریعے مسلمانوں کی رہی سہی طاقت کو بھی ختم کیا جائے۔ جس کو برطانیہ کی سراغ رساں ادارے نے تلاش کر کے نکالا اس کا نام مصطفیٰ کمال تھا۔ مصطفیٰ کمال جس وقت لشکر عثمانی کے قائد لشکر تھے اس وقت وہ برطانوی سراغ رسانوں سے ملتے رہتے تھے۔ اس کو پیرو قائد و مجاہد پیش کر کے اتحادی بغیر اسلحہ چلائے ترکیہ سے فرار ہونے لگے۔ مصطفیٰ نے اپنے لئے لقب غازی لیا اور لوگوں کو خوشیاں منانے کی تلقین کی۔

اتاترک:۔

موسوعہ العربیہ المیسر ہ ج ا ص ۴۴ ان کا اصلی نام مصطفیٰ کمال ہے۔ اتاترک حزب ترقی والوں میں سے تھے ۱۹۲۴ء میں سلطنت عثمانیہ کا نظام خلافت بلکہ تمام آثار و نشانات اسلام و ترکی کو صفحہ ہستی سے ہٹایا۔

کتاب العصرانیون ص ۱۴۵ آیا ہے ''معاہدہ لوزان میں ''کرزون'' رئیس وفد برطانیہ نے اراضی عثمانیہ پر قبضہ کرنے کے بعد یہاں سے لشکر نکالنے کیلئے چار شرائط عائد کیں'':

۱۔ الغاء خلافت اسلامی الغاتمام۔

۲۔ خلیفہ کو یہاں سے جلاوطن کریں۔

۳۔ مملکت میں سیکولریزم کے نفاذ کا اعلان کریں۔

۴۔ شریعت اسلامیہ کا خاتمہ کریں۔

یہ صرف زوال خلافت عثمانیہ ہی نہیں بلکہ تمام عالم اسلام کے لئے ایسا مرض فالج تھا جس سے ابھی تک وہ بہبودی حاصل نہیں کر پائی۔ جن خود ساختہ معالجوں سے اس مرض سے شفاء کا دعویٰ کیا گیا تھا وہ سب معالج استعمار کے شاگرد نکلے جنہوں نے مزید بیماریاں ایجاد کیں ہیں۔

مصطفیٰ کمال نے ان کے اندر موجود احساس کمتری کو پایا تو فرانسیسی زبان سیکھائی، پھر انہیں مغرب کی الحادی کتب دیں، یہاں تک ان کتابوں

سے قومیت پر اشعار اشاعت کر کے فوجی کالج میں سناتے تھے۔وہ تمام اقسام لہو ولعب شراب وخمر، تمام برائیاں، محرمات شرعیہ میں مستغرق انسان تھے، مصطفیٰ کمال کی حرکات وسکنات کردار وگفتار ہمیشہ اس بات کی ترجمانی کرتے تھے کہ اس کے دل میں بغض اسلام بھرا ہوا تھا۔اس شخص نے ۱۳۳۷ھ کو جب یونان پر فتح حاصل ہوئی تو عوام کے سامنے اعلان کیا ہماری تمام تدابیر کا مقصد سلطنت خلافت کو بچانا ہے، خلیفہ اور مملکت کو اجنبی بالا دستی سے آزاد کرانا ہے۔جب وہ ۱۳۴۱ھ بمطابق ۱۹۲۳ء کو قائد عام مملکت بنے تو ''جمیعت الوطنیہ الترکیہ'' نے جمہوریت کے قیام کا اعلان کر دیا اور مصطفیٰ کمال کو نیا سربراہ منتخب کیا۔اس نے جمیعت وطنی کو ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو اجتماع کرنے کا حکم دیا اور ان کے سامنے خلافت کو ملغا کرنے کی قرارداد پیش کی جو بغیر کسی اعتراض ،اشکال و رد وبدل کے منظور ہوئی ۔اس طرح چراغ خلافت رمز وحدت مسلمین مصطفیٰ کمال کے دست جنایت سے بجھ گیا۔اس نے مغرب والوں سے مخفی معاہدات لوازان ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں کئے تھے ۔اس کو حکم نامے کی صورت میں پیش کیا جس میں مندرجہ ذیل قرارداد پاس کئے:

۱۔ترکیہ اسلام سے کسی قسم کا رشتہ نہیں رکھے گا۔

۲۔خلافت اسلامی کا ڈھانچہ ہر شکل وصورت میں تمام کے تمام ملغی ہو گا۔

۳۔خلیفہ نیز ان کے انصار و معاونین اور سچے مسلمان اسلام کے وفادار سب کو ملک بدر کرنا ہوگا اور ان کے تمام جائداد منقولات غیر منقولات قومی خزانے میں لیں گے۔

۴۔ترکی میں نافذ آئین ختم نیا دستور نافذ ہوگا۔

مصطفیٰ کمال نے انتہائی باریکی سے اسلام سے جہاں جہاں رشتہ ہو

اسکو ہٹایا اور مغرب سے وابستگی کو بطور کامل نافذ کیا۔ ۱۳۴۳ھ میں وزارت اوقاف کو وزارت علوم فنون میں ضم کیا، ۱۳۴۴ھ میں تمام مساجد کے دروازے کلی طور پر بند کیے، کھلے عام تند و تیز زبان کیساتھ دین کو نقد اور حملے کا نشانہ بنایا ۱۳۵۰ھ سے ۱۳۵۱ھ تک اکثر مساجد کو بند کیا، شہر میں ۵۰۰ میٹر کی ایک مسجد ہوگی۔ اعلان کیا کہ اسلام تقدم و ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ مصطفیٰ کمال نے اپنی اسلام دشمنی میں واعظین کو جو شہریہ دیتے تھے اس کو بند کیا اور ان پر پابندی لگائی کہ خطبہ جمعہ میں زراعت، صنعت، سیاست مملکت کے علاوہ کوئی بات نہیں کریں گے۔ استنبول میں واقع مسجد آیا صوفیہ کو آثار قدیمہ مرکز اور اور دوسری بڑی مسجد فتح کو گودام بنایا۔ شریعت اسلامی کی جگہ خود ساختہ قانون لاگو کیا وہ قانون شہری جو ۱۹۲۶ء کو سوئٹزرلینڈ والوں نے بنایا تھا اس کو لاگو کیا۔ تقویم ہجری کو ملغی کر کے اس کی جگہ تقویم میلادی کو نافذ کیا ۱۹۳۵ء کو جمعہ کی جگہ اتوار کو چھٹی دی۔

مدارس دینی کے نصاب کو حذف کیا، استنبول میں اسلامی کالج کے دروازے کو بند کیا، اتاترک نے تمام آثار اسلامی ترکی کو ختم کیا اور ترکی کی ٹوپی چھوڑ کر انگریزی ٹوپی پہنی، ۱۳۴۸ھ میں عربی حروف چھوڑ کر لاطینی حروف میں لکھنے کی ہدایت کی، اس دن سے مجلّات جزء کتب لاطینی حروف سے لکھوانا شروع کیا، کالج یونیورسٹی سے عربی فارسی تعلیم پر پابندی لگائی اور کتابوں میں حرف عربی لکھوانا بند کیا، جتنی کتب اس سے پہلے استنبول میں عربی حروف میں چھپی تھیں وہ مصر ایران ہندوستان منتقل کیں۔ اس طرح سے ترکیہ عالم اسلام سے کلی طور پر کٹ گئے اور اسلامی ملکوں سے اسلام کی بنیاد پر ارتباط ختم ہوگیا۔ اتاترک نے ترکیوں میں قومیت کو پھونکا، ترکیہ میں بڑے شہروں چراگاہوں پہ ان کا مجسمہ نصب کیا گیا، موسیقی گانے والوں کو دنیا بھر سے مدعو کیا، عورتوں کے لئے حجاب ممنوع بے حجابی لازمی، مردوں کی

بالا دستی ختم کر کے عورتوں کی آزادی کی بنیاد رکھی گئی۔ رقص و ناچ، مرد عورت کے کھلے ملنے جلنے کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ قرآن کو حروف ترکیہ میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا اور اس کے تمام معانی اور مدلولات بدل دیئے۔ حکم دیا کہ آذان بھی ترکی زبان میں ہو۔ ترکیہ میں جو تغیرات تبدیلات آئیں وہ تمام اسلامی ملکوں میں سرایت کر گئی اور یہاں کے مغرب نواز، الحادی، سیکولر، روشن خیال، قوم پرست، سوشلزم اور کمیونیزم والوں کو ایک مثال و نمونہ ملا کہ دیکھو ترقی اس طرح ہوتی ہے۔ اس طرح ترکیہ مغرب، ہندوستان، فرانس اور انگلستان جیسا سیکولر بھی نہیں رہے جہاں لوگ کہتے ہیں ہمارے ہاں دینی آزادی ہے۔ ترکیہ سیکولر سے نکل کر مرکز ضد دین کمیونیزم مارکسیسزم بنا۔

اتاترک کو ۱۳۵۶ھ میں اپنے جرائم و موبقات پر غلاظ شداد جہنم لینے کے لئے آئے۔ اور ترکیہ کو کفر والحاد کے سانچے میں چھوڑ کے گئے۔

زبان ترکی:۔

جب ترکی والے مشرف بہ اسلام ہوئے تو انہوں نے اپنی زبان کیلئے عربی حروف استعمال کئے تاکہ وہ قرآن وحدیث و تاریخ اسلام دیگر ملکوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں سے آسانی سے تعلقات و روابطہ قائم کر سکیں اور دین اسلام کے مصادر اولیٰ کو بھی آسانی سے سمجھ سکیں۔ پھر ترکی میں تصنیف و تالیف جرائد و اخبار آئے تو ان کی تاریخ، آداب سب عربی حروف میں لکھنے لگے بلکہ عربی لغت سے شغف رکھے ہوئے تھے کیونکہ یہ قرآن اور نبی کریم امت اولیہ مسلمانوں کی زبان ہے جو انہیں اسلام سے نزدیک کفر و شرک والحاد سے دوری کا سبب بنے گی لیکن اتاترک نے عربی زبان کو ملتوی کر کے ترکی، انگریزی اور فرانسیسی زبان کو رواج دیا تاکہ دین سے متعلق کتب ان کے لئے نامفہوم نامنطوق رہیں، یہاں تک انہوں نے عربی حروف پر پابندی لگائی اور حروف لاطینی کو نافذ کیا، صرف یہی نہیں بلکہ

اس نے نماز کو بھی ترکی میں پڑھنے کا حکم دیا۔

دولت عثمانیہ کی رو بہ زوالی کا نقطہ آغاز: [دولت عثمانیہ ص ۳۰۳]

محمد علی شاہ والی مصر کے بارے میں ص ۳۷۲ پر آیا ہے کہ محمد علی ذہین فریس سیاستمدار اور مغرب زدہ انسان تھا، سلطنت عثمانی نے ان کو وہابی نجدیوں کو سبق سکھانے کیلئے نیز کسی مغربی حکومت کی طرف سے سفارش کی بنیاد پر مصر کا والی بنا کر بھیجا۔ چونکہ مصر کے بعض علاقے مالیت دینے میں سستی و کاہلی اور بہانہ تراشی کرتے تھے ان کو ٹھیک کرنے کے لئے بھیجا تھا وہ اپنے ساتھ ایسے افراد کو لے گئے تھے جو ان علاقوں سے مالیت کو طاقت و قدرت بے رحمی سے چھینیں اور سخت مار پیٹ کریں تاکہ وہ لوگ مال کو جان بچانے کے لئے دینا بہتر سمجھیں۔ وہ اپنے حصول مقاصد کے راہ میں کسی بھی رکاوٹ کو مانع نہیں سمجھتے تھے ہر ناجائز کو اس راہ میں جائز سمجھتے تھے۔ ساتھ ہی بزرگ شخصیات علماء کی حد سے زیادہ تکریم و تعظیم کرتے تھے، ان کے ساتھ انھوں نے ایک ایسے گروہ کو لایا تھا کہ وہ مصر سے فرانس کو نکالنے میں ان کے معاون رہیں۔ اپنے مخفی حلیہ سیاست سے علمائے مصر کا اعتماد حاصل کیا اور کوشش کی کہ ان کے مقابل میں مصر کے حاکم بننے کی خواہش مندوں کو مایوس کریں۔ وہ ۱۲۲۰ھ کو مصر کا والی بن گیا، بھرپور کوشش کرتے تھے انتہائی جذبہ کے ساتھ سلطان کے خادم و مطیع رہے اس کے لئے وہ انتہائی تذلل خضوع والے کلمات استعمال کرتے تھے۔ سلطان نے ان عبارات سے درک کیا ان کو ان سے خطرہ لاحق ہوسکتا ہے انھوں نے حکم دیا اس کو مصر کے والی سے ہٹائیں، لیکن علماء نے مداخلت کی تو سلطان نے دوبارہ فرمان جاری کیا اور پھر ان کو ۲۴ شعبان ۱۲۲۱ھ کو بحال کیا۔ یہاں سے محمد علی اپنی شخصیت کو محکم کرنے لگا اور اپنی سلطنت کو پائیدار کرنے بلکہ اپنے بعد اپنی نسل میں بھی یہ مقام وراثت میں رہنے کی کوشش میں لگا۔ یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ محمد علی

کے مصر میں برطانیہ اور فرانس کے مصالح کے لئے کام کرنے کے پیچھے کونسے عوامل تھے؟ حکومت سعودی کو ختم کرنے کے پیچھے کونسی قوت کارفرما تھی؟ شام اور مصر کو ملانے کی کوشش کرنے والے کون تھے؟ اس کو تحلیل کرنے کیلئے ہمیں اس وقت کی تاریخ کو پڑھنے کی ضرورت ہے۔ مورخ عبدالرحمٰن جبرتی لکھتے ہیں محمد علی دھوکا باز جھوٹی قسم کھانے والے تھے، وہ ایک ظالم انسان تھے ان کے عہد و پیمان کا اعتبار نہیں تھا وہ برائی کو چھپا کے نہیں کرتے تھے۔ وہ بیک وقت ظلم و جور، زیادتی اور عدل و انصاف کے دعوے کام میں لاتا تھا، اس کے ظلم جبر و تشدد استبداد میں کمی آنے کی کوئی خبر نہیں تھی ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد علی میکاوٗلی کی تصویر پیش کرتا ہے۔ وہ اپنے عزائم و مقصد تک پہنچنے کے لئے ہر وسیلے کو جائز سمجھتے تھے کسی نے محمد علی سے کہا میکاوٗلی نے ایک کتاب لکھی ہے اس کا نام الامیر ہے تو اس نے اپنے گرد میں رہنے والے کسی نصاریٰ سے جس کا نام ''ارتین'' تھا کو کہا کہ اس کا ترجمہ کریں اور ہر دن مجھے دکھائیں جب تین صفحہ کا ترجمہ کیا تو اس نے کہا بس کرو میرے اندر اتنا مواد آیا ہے۔ جو میکاوٗلی نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ بعض نے اس پر حاشیہ لگاتے ہوئے لکھا ہے محمد علی حب اقتدار و ریاست میں دیوانے کے حد تک پہنچے ہوئے تھے، وہ قسی القلب تھے، اسلام کی کوئی پرواہ ہی نہیں کرتے تھے ان کی صلاحیت لیاقت قابلیت کی وجہ سے ماسونی محافل کے ذریعے ایسے افراد پیدا کئے جنہوں نے اسلام کو نقصان پہنچایا اور خلافت عثمانیہ کو اندر سے کھوکھلا کیا۔ اسلام کو مٹانے کے لئے ایسی شخصیات کی ضرورت تھی، یہ بالکل ممکن نہیں تھا کہ ایک جوان جو مصر اور اس کی طبیعت سے واقف نہ ہو اس میں کتنی ہی قدرت ذکاوت و فراست کیوں نہ ہو اس مقام پر پہنچے جب تک اس کے پیچھے اس کو رہنمائی دینے والا نہ ہو۔

ص ۳۸۸ پر لکھا ہے محمد علی اور ادباء شیخ محمد عبدالوہاب کے درمیان

جنگ اسلام کی خاطر نہیں تھی ،اسی طرح ان دونوں کے درمیان جنگ عربیت کی خاطر بھی نہیں تھی بلکہ محمد عبدالوہاب کی یہ جنگ ایک طاقت اسلامی جس کے کوئی سیاسی عزائم نہیں تھے وہ صرف لوگ مبادی اسلام کی طرف رجوع کرنے کے خواہش مند تھے وہ صرف استعمار کفار کو اسلامی مملکت سے بھگانے کے خواہش مند تھے۔ جبکہ اس کے مقابل میں دوسری طاقت و قدرت جو والیِ مصر کی طرف سے تھی وہ اصلاً مصر کی نہیں تھی ،ان کی اکثریت بعض نصاریٰ ،بعض افسر فرانسیسی تھے۔اور لشکر کے قائدین کی اکثریت نام کی مسلمان تھی۔ مورخ جبرتی بیان کرتے ہیں جب اس لشکر کو شکست کا سامنا ہوا تو انہوں نے کہا ''ہمیں فتح کیسے ہوگی'' ہم میں سے بعض مسلمان نہیں تھے وہ ہمارے مذہب کے نہیں تھے، ہمارے ساتھ صندوق بھر کے شراب لائے تھے ہمارے لشکر سے اذان واقامت کا فریضہ انجام دیتے نہیں دیکھا نہ کوئی شعائر دینی دیکھے ،اسلام میں میدان جنگ میں بھی نماز نہیں چھٹتی ہے نماز کو کم کر کے پڑھتے تھے۔ان کے مقابل لشکر میں اعلان ہوتے تھے آؤ جلدی کرو مشرکین سے لڑنے کے لئے ، زنا لواط شراب کو جائز سمجھنے والوں سے لڑنے کے لئے ،ان میں سے بہت سے مرنے والوں کو دیکھا تو ختنہ نہیں ہوا تھا۔ یہ لوگ جب قابض ہوئے تو یہاں کے لوگوں کو لوٹا ،ان کی عورتوں ،بیٹیوں ،بچوں اور کتابوں پر قبضہ کر لیا۔محمد علی کسی دین و شریعت کے قائل نہیں تھے وہ کسی حدود الٰہی کے قائل نہیں تھے۔

اسباب وعوامل زوال وسقوط عثمانیہ:۔

سلطنت عثمانی کے سکونت ،دوام اور زوال کے اسباب وعوامل بہت ہیں۔ان سے پہلے سلاطین سلجوقی بہت حد تک شریعت اسلام سے اجنبی ہو گئے تھے اس وجہ سے امت دنیوی مسائل میں مبتلا ہوئی تھی۔ شریعت سے دوری سے جو برے اثرات مرتب ہوئے اجتماعیات' سیاسیات' اقتصادیات

سب اسلام کے خلاف چل رہے تھے۔ سلاطین عثمانی کے آخری دور میں وہ بھی شریعت سے منحرف ہو گئے تھے، اور یہ سب عوام پر اثر انداز ہوئے تھے لوگوں میں ایک دوسرے پر تعدی' تجاوز بڑھ گئے تھے۔ مال' غارت گری ہو رہی تھی احکام شریعت معطل ہونے کی وجہ سے لوٹ مار غصب زور پکڑ رہا تھا۔ فتنہ و فساد جنگ داخلی زوروں پر تھی ایک دوسرے کے اندر بغض و عداوت نئے سرے سے جنم لے رہی تھی ۔اس صورت حال میں جب بندے اللہ کی نافرمانی کریں گے عصیان کریں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا پروردگار عالم ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کریں گے چنانچہ ان پر نصاریٰ مسلط ہوئے ۔امت کے لئے اب مددگار ختم ہو گئے، قدرت سے محروم ہو گئے خوف و ہراس بے چینی' مصائب' نابودی ہلاکت' اور کفار کے زیر تسلط آئے، وہ ہر دن ان پر غالب آئے۔ لوگ دین سے اجنبی ہوئے شرک و بدعت و خرافات کے بازار گرم ہوئے سب سے بڑا انحراف جو تاریخ ترکیہ میں رونما ہوا وہ یہ کہ صوفی مسلک منظر عام پر آ گیا۔ یہ ایک بڑی طاقت کی صورت میں وجود میں آیا، یہ اپنے اندر غلط عقائد' افکار' عبادات قرآن و سنت سے ہٹ کر عبادات کے حامل انسان تھے ان کی تنظیم کو اجتماع کو ان کی انحرافات کو تقویت دینے والے قدرت دینے والے سب یہود و نصاریٰ تھے۔ اس کے علاوہ جتنے بھی منحرف و گمراہ تھے وہ سب سامنے آ گئے تمام ضد اسلامی فرق نے اسلام کا گھیراؤ کیا، سب اسلام کے خلاف ایک لشکر کی صورت میں متحد ہوئے ان میں سر فہرست شیعہ' اسماعیلی' نصیری' قادیانی' بہائی' یہ سب اسلام مخالف ہو گئے۔ بہت سے علماء ان ظالم اور گمراہان بادشاہوں کے ہاتھ کھلونا بن گئے ہر ایک حکومت سے منصب' مال' منال' مکان لینے کے لئے صف بندی کئے ہوئے تھے۔

سلطنت عثمانیہ امپراطور قوی و قدرت مند کا زوال ہوتے دیکھ کر اس

کے اسباب وعلل تلاش کرنا ہوگا اس میں دقت باریک بینی کرنی ہوگی کہ اس سلطنت پانچ چھ سو سالہ وسیع وعریض کے زوال ونابودی کے اسباب وعلل کیا تھے؟ جاننے کے لئے عام حکومتوں کے زوال وسقوط کیا ہوتے ہیں دیکھنا ہوگا کیونکہ ان کی حکومت دیگر حکومتوں سے مختلف نہیں تھی اور نہ مختلف ہو سکتے ہیں۔ حکومتوں کے قیام صعود وعروج، زوال وسقوط ہمیشہ یکساں ہوتے ہیں، فرق تھوڑے سے کم وکیف میں رہتا ہے۔ بہتر یہ ہے پہلے عام اسباب و عوامل کو دیکھیں بعد میں مورد نظر حکمت کو دیکھیں۔ بعض اسباب بیرونی اور بعض اندرونی ہوتے ہیں۔ سلطنت بنی امیہ کے ۹۲ سال، عباسیوں کی ۱۳۲ھ سے ۶۵۶ھ تک کے زوال، ان کے بعد مغلیوں کے زوال پھر عثمانیوں اور ان کے بعد ہندوستان میں سلطنت مغل کے زوال کے اسباب و علل یکساں ملیں گے۔ زوال کا سبب وعلل تلاش کرنا نشان دہی کرنا چنداں مشکل پیچیدہ نہیں ہے چونکہ بڑی وسیع نمایاں چیزوں کے اسباب عیاں ہوتے ہیں۔ حکومت جامعہ انسانی میں وہ تن ومن بلند درخت ہے اس کی خوشکیدگی کے اسباب عام شہریوں کی نظروں میں ہوتے ہیں بعض اسباب ظاہر وعیاں بطور نمایاں نظر آتے ہیں اور بعض مخفی پوشیدہ ہوتے ہیں، بعض باریک ودقیق ہوتے ہیں، بعض واضح اور روشن ہوتے ہیں لہٰذا اسباب کی تلاش چنداں مشکل نہیں ہوتی ہے۔ مشکل صرف عبرت کا سبق لینے میں ہوتی ہے جو کوئی نہیں لیتا ہے شاید ہزاروں میں سے ایک بھی نہیں لیتا ہو۔ بنی عباس نے بنی امیہ کے زوال سے، عثمانیوں نے عباسیہ سے اور ہندوستان کے مغلیوں نے سیکولروں سے، پاکستانیوں نے صوبوں سے، نواز نے بی بی سے عبرت نہیں لی ہے۔ ہم یہاں بعض نمایاں اسباب کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ا۔ حکومتہائے وراثتی پشتی:۔ اس جیسا ناموز زوال وسقوط حکومت

کے لئے اور کوئی چیز نہیں ہوتی ہے یہ خود تنہا زوال کا نمونہ و مثال بن جاتی ہے۔ نظام قیصرائی کسرائی اس کی واضح مثالیں ہیں، ایسی حکومت اگر دوام پذیر بھی ہوگی کیونکہ تمام تر توجہ اقتدار کو خاندان میں رکھنے کے لئے بذل رہتی ہے، یہاں سے اقتدار کو لائق صالح اصل کو ملتے رہنے کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ اس اقتدار کو حاصل کرنے کے لئے جھوٹ تشدد ظلم بربریت شقاوت قساوت جیسے سجایا خبیثہ استعمال کرنے پڑتے ہیں چنانچہ بنی عباس کے مظالم عام مسلمانوں سے اور خاص کر بنی امیہ نوازوں اور خود بنی امیہ کے ساتھ کیا رہے؟ صفات سیاہ ہیں ۔امت اسلامیہ کو جو زوال و سقوط مقدر بنے ہیں اسی فکر پر مبنی فرقوں سے ملے ہیں۔

۲۔اسباب خارجی:۔ کوئی بھی صاحب حیثیت مال و دولت ہو یا علم و ہنر ہو یا علاقائی محلاتی سربراہ ہو یا بڑی سطح کے حکمران ہوں ان کو باہر کے شرفاء برداشت نہیں ہوتے، چین سے نہیں سونے دیتے۔ اس کی مثال جنگ ہائے صلیبی ہیں پے در پے شکست کے باوجود اپنا حملہ دیار اسلامی کی طرف جاری رکھا یہاں تک سلطنت امپراطور عثمانی کو تقسیم کیا، دکان، مدرسہ اور مسجد کے اوپر لٹکائی گئی تختیوں کو ہٹایا۔ دنیا یہودی و مسیحی ابھی بھی آرام سے نہیں سوتے ہیں وہ ابھی بھی شکست خوردہ مسلمانوں سے ڈرتے ہیں لہٰذا انفال ۶ میں آیا ہے مسلمان عشیر آمادہ چوکنا رہیں دشمنوں کے حملوں سے غافل نہ رہیں۔

۳۔ جہاں رعایا حکومتوں سے خائف ہو وہ حکومتیں دیرپا نہیں ہوسکتی ہیں چاہے عوام کتنی بے بس بے چاری کیوں نہ ہو چنانچہ اس کی مثال روم کی مشرک سلطنت جنہوں نے دین کی بنیاد پر مسیحیوں پر ظلم کیا آخر میں مسیحیوں نے دشت و بیابان غاروں میں پناہ لی اور دنیا کی لذتوں سے نفرت کرنے کا

مذہب بن گیا جسے قرآن نے رہبانیت کہا ہے۔ بادشاہ قسطنطین کو تقیہ کر کے منافق بننا پڑا اپنے مسیح ہونے کا اعلان کرنا پڑا۔ حضرت علی نے فرمایا (حبط الاعمال تحائف) رعیّتوں کا حکومتوں سے خائف ہونا اس حکومت کی سقوط کی گھنٹی ہوگی۔

۴۔ قوموں میں فضائل کی جگہ القاب عالیہ رواج ہو جائیں تو وہ قوم سقوط کی طرف ہوگی چنانچہ امت اسلامیہ میں ایک وقت غیر معینہ سے سحر وجادو جیسا لوگوں کو اندھیرے میں رکھنے کا سلسلہ جاری ہے، جہاں عالم چاہیے وہاں اس کی زاہدانہ طرز کی تعریف چلائی، جہاں امان کی ضرورت ہے وہاں علم کا چرچا چلایا، جہاں تجربے کی ضرورت ہے وہاں دیگر فضائل چلایا، اصلی فضائل کی جگہ غیر ضروری فضائل کا چرچا ملا۔

۵۔**علق واشعار**:۔ سلاطین جب جبر وتشدد سے ان مقامات پر پہنچتے ہیں تو انہیں مداحان ملاقان شعراء کی ضرورت پڑتی ہے۔ نبی کریمؐ اور راشدین کی جنگوں اور درباروں میں کوئی ملاق باشوار نہیں ہوتے تھے جبکہ معاویہ نے اقتدار کو بزور طاقت وقدرت حیلہ بہانہ غیر شرعی طریقے سے حاصل کیا تھا لہٰذا ابتداء میں مسلمان ان کے درباروں میں کم شرکت کرتے تھے ان کی تعریف نہیں کرتے تھے لہٰذا معاویہ کو شعراء کو دربار میں بلانا پڑا، جو ان کے قصائد بیان کرتے تھے۔

۶۔حکومت اسلامیہ برائے نام کی حد تک ہی کیوں نہ ہو مسلمان ان کے خلاف مزاحمت کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے، دشمنان اسلام نے ایک فکر ایجاد کی، منصوبہ بندی کی، ایک گروہ تشکیل دیا کہ ان کا نصب العین ہی یہ ہو کہ وہ ان کو چین سے بیٹھنے نہ دیں چنانچہ اس کی پہلی جماعت خوارج کے نام سے وجود میں آئی بعد میں ایک باقاعدہ خفیہ تنظیم وجود میں آئی جس کا نام یہ تھا اقتدار مسلمین کو چین سے بیٹھنے نہ دیں چنانچہ بنی امیہ کے دور سے ایران کے

بہت سے شہروں میں، مغرب اور مصر میں نظام وراثتی حکومتیں قائم تھیں، حکومت نہ ملی تو تحریک چلائی گئی۔ انہی میں سے صفوی حکومت بھی تھی جس نے عثمانیہ کو یورپ سے نظریں ہٹانے کے لیے اپنی طرف موڑ لیا نیز ترکیہ اور مصر میں موجود لوگوں نے عثمانیہ کی مزاحمت کی جمال الدین افغانی اس سلسلے کی ایک کڑی تھے۔

۷۔حقائق کی جگہ واہموں کا فروغ:۔ اس میں جائے شک و تردید نہیں اس کا اعتراف کرنے میں کوئی قباحت نہیں اس وقت مسلمان معاشرے واہمستان بن گئے ہیں ان واہموں کی اعداد و شمار ممکن نہیں شاید بر طانیہ سے بھی ضخیم موسوعہ ہو جائیں آج میں اس مسودے کی تصحیح کر رہا تھا کہ اچانک آج بروز پیر ۱۸ ربیع الاول ۱۴۴۱ھ کے جریدہ دنیا کی صفحات کالم پر نظر پڑی تو ایک کالم کا عنوان تھا ''یوم تذکیر'' کالم نگار خورشید ندیم ہے اس نے پاکستان کے کسی دینی جماعت کی حکیمانہ گفتگو کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھا ہے ''پاکستان کو خدا نے بنایا ہے، خدا ہی کے ذمہ داری ہے اس کی حفاظت کریں، دنیا کی کوئی طاقت اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے'' ان کے اس بیان کے خلاف جہاں اللہ نے حفاظت نہیں کی ہے کی مثال بنگلہ دیش سے دی کہ اب تو بنگلہ دیش پاکستان نہیں بلکہ اسلام دشمنی پر اترا ہوا ہے۔ اس کی اور مثال جلی ترکی جہاں صحیح مسلمانوں کی حکومت تھی آخر میں عبدالحمید ثانی کی علاوہ حکومت جو بعد میں قائم نہیں رہ سکی، اس کی اللہ نے حفاظت نہیں کی۔ کوئی قول نہیں کہ اللہ نے پاکستان کی حفاظت کرنے کا عہد کیا ہو اس کی واضح مثال آج اس ملک میں اسلامی حکومت کی قیام کی بات کرنے والی دینی جماعتوں کے قائدین زبان سے کلمہ اسلام نکلنے سے کتراتے ہیں، زرداری، نواز شریف، عمران، بلاول جیسے ستر کرتے ہیں کیا اللہ نے اس طرح کی حفاظت کا وعدہ دیا تھا؟ پچاس سال اسلام اسلام کہنے والے آج جناح و

اقبال کے اسلام کا ثبات کریں غرض اس جیسے واہموں کے جہاں اشاعت ہو وہاں حکومتیں قائم نہیں رہ سکتی ہیں، واہموں پر چلنے والوں کو ہر آئے دن شرمندگی سبکی ہی اٹھانا پڑتی ہے۔

ا۔سب سے پہلے یہ زمین اپنی جگہ دو اہم خصوصیات و امتیازات کی حامل ہے جو دیگر علاقوں میں نہیں ہے یہ جگہ مسیحوں کے مقامات مقدسہ تھے مسلمان ان کے مقامات مقدسہ میں داخل ہوئے تھے،ان کو یہاں سے خارج کر کے مسلمان ان کے شہروں گھروں تک پہنچے تھے اور جہاں ۷۰۰ سال مسلمین اور مسیحوں کی جنگ چلی۔ یہاں دنیائے مسیحیت جنہیں نصاریٰ روم ورغلا رہے تھے کہ ان کے دشمن ان کے علاقے میں اقتدار پر جمے بیٹھے ہیں اس حوالے سے یہ حکومت ان کے لئے ناقابل برداشت تھی۔

۲۔دوسری وجہ یہاں مسلمانوں کی حکومت تھی اسلامی نہیں اس کے دو رخ ہیں ایک یہاں نظام وراثت چلتا تھا۔سلطان بادشاہ کا بیٹا ہوگا چاہے وہ بچہ نابالغ کیوں نہ ہو چنانچہ یہ صورت سلیمان بن عبدالملک سے شروع ہوئی بنی عباس، فاطمیہ،عثمانیہ سب کو ایسی صورت حال کا سامنا ہوا، یہاں خاندان کے قابل و لائق افراد کے دلوں میں اس نظام کے بارے میں بغض و عداوت، کینہ وکدورت نے جنم لیا یہ افراد اپنے اقتدار کے لئے خاندان سے باہر اجانب سے متوصل ہوئے اجانب کو موقع ملا کہ وہ ان کے اندر نفوذ کریں۔ عداوت ونفرت کی جڑیں اپنے خاندان میں بھی در اندازی کرتی ہیں، یہاں سلطان زادوں پر دشمن کام کرتے ہیں جنہیں اقتدار سے محروم رکھا ہے لیکن سلطان کو پتہ نہیں چلتا ہے۔دوسری وجہ یہاں کے نظام حکومت قرآن اور سنت پر نہیں تھی بلکہ صوفی ازم کی سطحیات پر قائم تھی۔اتنی مدت جو انہوں نے ۶۰۰ سال تک کھینچی ہے یہ ان کی سلطنت داری کا نشان ہے ،مسلمان اگر حکومت اسلامی نہیں تو مسلمان حکومت کی بھی حمایت کرتے ہیں

کہ شاید کسی دن کوئی اٹھے اور اسلام لائیں چنانچہ انہوں نے عرصہ طویل خلافت عباسی کو تمام انحرافات کے باوجود برداشت کیا۔۔سلطنت عثمانیہ کی رو بہ زوال ہونے کا ایک سبب تقلید کورانہ ابوحنیفہ تھی۔سلاطین مدعی اسلام کو چاہیئے کہ وہ ملک ومملکت کو چلانے کے لئے قرآن اور سنت وسیرت سے اقتباس کریں استنباط کریں نا کہ ایک سو پچاس سال بعد آنے والے ابوحنیفہ کے اقوال وفتاویٰ کو قرآن اور سنت کا مقام دیا گیا احکام وعبادات میں زیادہ تر عوام جاہل ان پڑھ ہوتے ہیں۔

مؤرخین کا اتفاق ہے کہ دولت عثمانیہ کا زوال سلطان سلیمانی قانونی کی ۹۷۴ھ میں وفات سے شروع ہوا تھا۔بلکہ حکومت کی ضعف وناتوانائی کا آغاز اس کی زندگی میں دیکھنے میں آیا۔وہ اپنی بیوی روکسلانہ سے متاثر ہوا جو امیر مصطفیٰ فرزند کبیر سلطان سلیمان کی مخالفت کرنے لگی تا کہ اپنے بیٹے سلیم ثانی کو خلیفہ بنائے۔مصطفیٰ ایک بڑے قائد اور محبوب جرنیل تھے مصطفیٰ کی مخالفت کا عمل لوگوں کیلئے بڑی ناراضگی کا سبب بنا، یہاں سے ان کے خلاف ایک انقلاب برپا ہوا جسے سلطان سلیمان نے خاموش کروایا، مصطفیٰ اور اس کے شیر خوار بیٹے کے قتل کے علاوہ اپنے دوسرے بیٹے بایزید اور اس کے بیٹوں کو بھی ایک وزیر کے کہنے پر مارا۔ان کی ضعف وناتوانی کے مظاہر میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے سلطنت کے دیوان میں آنے سے کترانا شروع کیا، حریم عورتیں کا عمل دخل امور سلطنت میں شروع ہوگیا، یہاں سے اقتصادی واجتماعی مشکلات نمودار ہوئیں،عوام میں اضطرابات آنے لگے۔

مجلّہ درسہائے از مکتب اسلام ۲۷ سال بمطابق صفر ۱۴۰۸ھ، صفحہ ۲۵ سلاطین عثمانیہ اپنے تاریخی پس منظر میں بود و باش کے حوالے سے صحرا نشین ،اسلحہ بردار، شجاع، دلیر، قناعت کفایت شعاری سے مسلح، عادات اور روش

زندگی، عیش طلبی، راحت طلبی، وغیرہ سے دور انسان تھے۔ ظلم وزیادتی دیگران پر تعدی تجاوز سے دور، گلہ گوسفند چرانے، دشت و بیابان آب و گیاہ میں حیوانات سے وابستہ انسان، شجاع و دلیر انسان، صبر واستقامت والے، رحم و بردباری والے تھے۔ جس دن وہ بادشاہ بنے تو اپنے سابقہ خاندانی پس منظر کے مطابق بھیڑیا، درندہ صفت دشمنوں سے دو بدو مقابلہ کرنے کیلئے صرف آگے دیکھتے تھے پیچھے چشم پوشی کرنے کی وجہ سے وہ ہر دن فتح وفتوح کے پرچم لہراتے تھے۔ انہوں نے اپنے مخالف دشمنوں کو صفحہ ہستی سے مٹایا اور ان پر تسلط قائم کیا لیکن جب سے وہ درندہ صفت استعمار گروں کی طرف سے منہ موڑ کر اپنے مسلمان بھائیوں سے لڑنے کے لئے ایران، مصر، شام، حجاز کی طرف پلٹے اور فاسد شیطان صفت محمد علی پاشا جیسے انسان کو مسلمانوں پر مسلط کیا اس دن سے ان کی عزت و مرتبے نے زوال و نابودی کی طرف رخ کیا۔ رفتہ رفتہ دولت فراوانی کی عیش و عشرت جو کہ ہر انسان کے دشمنی بلکہ پلہ زوال و نیستی ہے کے عادی ہونے کے بعد دینوی دربار وقصر، عیش ونوش، کنیزوں، خوش لباسی، راحت طلبی، اجتماع نشینی، تجمل وغیرہ کے عادی ہونے کی وجہ سے یا ان کے گرد عیش ونوش، لطف اندوزی والوں کی صحبت نے اس خاندان کے حکمرانوں کو بھی عیاشی، نواشی، اسراف وتبذیر میں گھسیٹ لیا یہاں سے ان کی حکومت میں زوال وسقوط کے دمدار ستارے نے انکی طرف رخ کیا۔ آئیں دیکھتے ہیں کہ ان میں کون کون پیش پیش ہے۔

سلطان مراد دوم یہ سلسلہ عثمانی کے چھٹے بادشاہ تھے اپنے حریف مقتدر بادشاہوں سے ان کا سامنا ہوا اور انہیں سرزانوں بٹھایا، لیکن وقت گزرنے کے بعد ان کے ہاں کھانا پینا، جنسیات اور عورتوں سے وابستگی، دل بستگی اور جسمانی طاقت ورغذاؤں کی وجہ سے، جسمانی طاقت اور جسم میں وہ ان چیزوں کا عادی ہو گئے تھے۔ اتنی عیش وعشرت میں غرق ہونے کے بعد اس

نے اپنے بیٹے سلطان محمد کو تخت سلطنت پر بٹھا کر خود عیش و نوش میں وقت گزارنے کے لیے شہر مقناطیسہ میں اپنے لیے ایک جگہ بنائی اس شہر کا بہشت نام رکھا۔ اس طریقے سے اس نے اس علاقے کو بنایا تھا کہتے ہیں کہ تین عورتیں خوبصورت، مزین، زیبائی میں مستغرق، سلطان مراد کی کنیزوں میں شامل تھیں وہ عیش و عشرت سے گزر رہے تھے لیکن سلطنت مجارستان میں وعدہ خلافی کرتے ہوئے اسکو دوبارہ مجبور کیا کہ میدان جنگ میں اتر آئے چنانچہ وہ اپنے عمر رسیدہ دور میں عیش و عشرت چھوڑ کر دوبارہ میدان میں آئے اور اپنے بیٹے سے سلطنت اپنے ہاتھ میں لی اور فتح ہونے کے بعد دوبارہ اپنی عیش کی طرف برگشت کی یہ سلطان مراد کا احوال ہے۔

سلطان سلیمان قانونی اس سلسلہ سلاطین کے قدرت مند قوی بادشاہ تھے لیکن خوشحال، عیش و ترف سے دور نہیں تھے انہوں نے بھی بہت سی عورتیں کنزیں اپنے لیے جمع کیں تھیں ایسے بود و باش میں مبتلا ہوئے تھے خاص کر ایک خوبصورت عورت روکسلانا کے معشوق بنے ہوئے تھے، اس نے سلیمان کو اپنے وزیر اعظم اور فوجی جرنیل کے خلاف بدگمان کیا اور ان کو قتل کیا تا کہ اپنے بیٹے سلیم ثانی کو بادشاہ بنائے۔ کہتے ہیں سلطان سلیمان کی اس ناانصافی و نامرادی طریقے سے اپنے بیٹے کو غیر متوقع بادشاہ بنانے سے انکی سلطنت کا رخ رو بہ زوال ہوا۔ تجمل پرستی، عیاش پرستی، جس گھرانے میں ہو چاہے وہ عادی فرد کا گھرانہ ہو، وزیر کا گھر ہو، شاہی وڈیرے کا گھر ہو، عالم دین کا یا فقیہ مجتہد کا جہاں جہاں ہو یہ ایک کینسر ہے، وباء ہے، طاعون ہے جو جلدی سرایت کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک مقولے سے استفادہ کرتے ہیں کہ ''لوگ بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں'' دین سے مراد انکی بود و باش کو دیکھ کر اپنی بود و باش بناتے ہیں۔ جس وقت ولید بن عبدالملک اپنے باپ کی جنگ و جدال سے فارغ ہوئے آسودہ ہوئے تو انہوں نے اپنے آپ کو

مصروف رکھنے کے لیے مساجد بنانا شروع کیں ہر شہر میں اس نے مسجد بنائی اور راستے وغیرہ کو بنایا تو لوگ تعمیرات میں لگ گئے اور ایک دوسرے سے ملتے وقت تعمیرات کی بات کرتے۔ جب سلطنت سلیمان کو ملی وہ عواش اور نواش تھے ہر قسم کی انواع واقسام غذا دستر خوان پر جمع کرتے تھے جوانہوں نے کہا وہی لوگوں نے کہا کہ کھانے میں کیا کھایا؟ کیا کھاتے ہو، ہر جگہ کھانے کی بات ہوتی تھی۔ ہشام بیویاں زیادہ رکھتے تھے تو ایک دوسرے سے ملتے وقت لوگ پوچھتے تھے کہ کتنی بیویاں ہیں؟ سلاطین جو کرتے تھے وہ فوراً وزیروں میں منتقل ہوتا تھا وزیروں کے بعد وزیروں کے گھر مہمان داری کرنے والوں پر منتقل ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ عوام میں سرایت کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن نے فرمایا ہے اگر کسی ملک کو تباہ و برباد کرنا ہو تو اس کا آغاز کہاں سے شروع ہوتا ہے اوپر کے حاکم سے شروع ہوتا ہے۔ لوگوں کی نظریں باریکی سے دیکھتی ہیں آپ اس کا اندازہ کریں کہ ہمارے ملک میں نواز شریف جب پہلے دن اقتدار پر آیا تو دوسرے تیسرے دن لوگوں کی نظریں اسکی گھڑی پر پڑیں تحقیق کرنے کے بعد پتہ چلا کہ یہ گھڑی اتنے لاکھ ڈالر کی ہوگی تو ان کے وزیر بھی ایسا کریں گے پھر یہ کیوں روبہ زوال نہ ہوں؟ اس کے بعد تاجر آتا ہے تاجر کا نوکر آتا ہے یعنی اسراف و تبذیر معاشرے کا جزو بن جاتا ہے۔ بے ہودگیاں اور شراب نوشی جو سلطان سلیمان کی ایک عادت بن چکی تھیں، یہاں تک کہ یہ اس کے بیٹوں میں بھی سرایت کر چکی تھی لہٰذا ہر دن برے سے برے گزرتا گیا۔ چنانچہ یہ سلسلہ روبہ زوال اور عدم استقامت سلطنت میں سلطان عبدالعزیز سے شروع ہوتا ہوا سلطان عبدالحمید تک پہنچا اور ہر آئے دن شکست اور پیچھے ہٹنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہی صورت حال تھی جس کے بارے میں درسہائے مکتب اسلام جمادی الاول ۱۴۰۸ھ میں ایک سلسلہ مضامین میں ان کے زوال وسقوط کا ذکر ہے۔

۳۔ یہ سرزمین مرکز تصوف تھی، مولانا روم، شمس تبریز جیسے ملنگوں نے یہاں دین کو حقیقت سے عاری واقعیت سے دور رقص و خمر و شعر و سرود و بھنگ و چرس، دعویٰ بلا دلیل جیسی سوچ پھیلائی ہوئی تھی۔ اگر دنیا میں کسی سے بھی پوچھیں صوفیت کے جائے پیدائش کہاں ہے؟ تو وہ یہی جگہ دکھائیں گے۔ تاریخ اسلام میں بہت سے انحرافات آتے رہے ہیں اگرچہ بعض انحرافات سے لطف اندوز ہونے والے کہتے ہیں یہاں کوئی انحراف نہیں اسی طرح بعض تھوڑا بہت کا اعتراف کرتے ہیں، لیکن اسلام میں سب سے بڑا انحراف صوفیت ہے۔ صوفیت اسی مٹی سے نکلی ہے ان کے تمام عقائد و افکار عبادات سب کے سب کتاب اللہ سنت رسول سے متصادم ہیں چنانچہ بعض مورخین لکھتے ہیں وہ درویش صفت صوفی تھے اس لئے ان کو پسند کرتے تھے صوفی اس حد تک اس معاشرے میں پسندیدمحبوب قرار پائے تھے وہ لوگ دین کو ہی صوفی سمجھتے تھے لہٰذا اس وقت یہ مقولہ مشہور تھا ''من لا شیخ لہ فالشیطان شیخہ ''جس کا کوئی شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان ہے۔ چنانچہ بانی سلطنت عثمانیہ عثمان کی زوجہ وہاں کے کسی شیخ کی بیٹی تھی۔

سلاطین عثمانی صوفیوں کی سرپرستی کرتے تھے ان سے محبت و لگاؤ اور ان کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ صوفیت عثمانیوں کے درسوں کے نصاب میں شامل تھی چنانچہ سلطان عبد الحمید خود بڑے صوفی تھے ان کو گرانے کی سازشوں کے موقعہ پر انھوں نے فورا دنیا بھر کے صوفیوں کو دعوت دی، وہاں بڑی شوق و رغبت سے حاضری ہوئی ورنہ صوفی ایک دوسرے کو برداشت نہیں کرتے۔ جب سلطان نے دعوت دی تو سب حاضر ہوئے گویا کسی ولی النعمۃ نے دعوت دی اور جہاں جہاں صوفی تھے سب آگئے حتیٰ اس وقت بر صغیر سے بھی درویش پہنچے۔ حکومت ملنے تک سلاطین صوفیوں کی سرپرستی کرتے تھے ان کے ولی النعمۃ ہوتے تھے صوفی اس وقت جہاد کا اعلان کرتا

ہے جب ان کے ولی النعمۃ کو خطرہ لاحق ہوتے ہوئے دیکھیں۔ محکم پائیدار مسلمانوں کی حکومت ہونے کے باوجود یورپ والوں کے لئے جگہ بنانا، ماحول بنانا، پذیرائی ہونا اور آج بھی ترکی کا مغرب پرست ہونا اسی وجہ سے ہے کہ دین صوفی کفر و شرک سے چنداں نفرت نہیں کرتے سب سے دوستی کرتے ہیں، جو کچھ بدبختی مسلمانوں کو دنیائے کفر و شرک سے لاحق ہوئی ہے وہ دروازہ صوفی سے ہوئی ہے۔

۴۔ وجود اتباع یہود و نصاریٰ:۔

جو حاکم مختلف اجناس و قومیات اور طوائف رکھتے ہوں اس کے لئے باہر جنگ لڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہاں موجود قوم یہود ڈونمہ جو یورپ والوں نے جرمن اسپین اندلس وغیرہ سے نکال بھگائے تھے وہ ترکیہ میں سکونت اختیار کئے ہوئے تھے، وہ حسب تعبیر قرآن کبھی مسلمان سے راضی نہ ہونے والی قوم ہے۔ یورپ کے مسیحی صلیبی یہودیوں کی مالی و فکری ہر قسم کا تعاون کرتے اور ان کو عثمانیہ سے لڑنے کے لئے اکساتے تھے۔ ترکیہ میں موجود قدیم نصاریٰ بھی یورپی نصاریٰ سے ملے ہوئے تھے تو یہ دونوں یہود و نصاریٰ متفق ہو کر اندر سے اس حکومت کے لئے مزاحمت کرتے تھے۔ چنانچہ سلطان عبدالعزیز کے صدر اعظم سے یورپ والوں نے پوچھا اس وقت دنیا میں سب سے بڑی طاقت و قدرت والی حکومت کونسی ہے تو اس نے فورا جواب دیا ”عثمانیہ“ جسے باہر سے یورپ والے ختم کرنا چاہتے ہیں اندر سے ہم خود ختم کرنا چاہتے ہیں پھر بھی زندہ ہے۔

زوال خلافت عثمانیہ کے بعض اسباب ان کی حکومت آنے سے پہلے وہاں موجود تھے اور بعض سلطنت قائم ہونے کے بعد وجود میں آئے، ان میں سے اتباع ادیان امثال یہود اور اس کے منظمات سری و ظاہری، اسی طرح مسیحیان صلیبی و غیر صلیبی ہے۔ فرق و احزاب دینی و غیر دینی جسم امت

میں کینسر ہیں، وہ اپنے آپ کو چوری سے فرقہ اسلامی کہتے ہیں لیکن اسلام سے خارج بلکہ وسیع تر سرایت کر چکے تھے اسلام کے خلاف تلے ہوئے تھے ان میں نصیری، اسماعیلی ،دروزی جو پہلے سے یہاں موجود تھے وہ یہود و نصاریٰ کفر وشرک کے معاون ودوستدار رہے ہیں۔ان میں سے کچھ اس دور میں پیدا ہوئے جیسا کہ ایران میں بہائی، ہندوستان میں قادیانی فرقے تھے جو انگریزوں مسیحوں کے وفادار تھے۔دروزی اور اسماعیلی شام، دمشق ،سلمیہ اور لبنان کے علاوہ خود ترکیہ کے اناطول وغیرہ میں وقتاً فوقتاً ہنگامہ کرتے رہتے تھے، ساتھ ہی ایران میں پیدا ہونے والا نیا فرقہ صفوی اثنا عشری بھی عثمانیوں کی ضد میں ہنگامے کرتا رہتا تھا۔احزاب سیاسی وطنی اس وحدت امت کو توڑنے ،اسلامی خلافت کی ریشہ شکنی کرنے ،اقتدار کو سیکولروں لادینی بلکہ ضد دینی احزاب کو دینے کیلئے عرصے سے بنیاد ڈالے ہوئے تھے۔ چنانچہ انہی کی کوشش سے مدحت پاشا کو صدر اعظم بنایا تھا۔سلطان عبدالحمید یورپ اور اس کی تمام پیداوار ذہنی فکری سماجی سیاسی ثقافتی سے متنفر ہوئے تھے انہوں نے اس کو توڑنے کے لئے جامعہ اسلامی بنائی تھی ۔ جوں ہی عبد الحمید ثانی کو معزول کیا گیا،ان کی جگہ پر ان کے بھائی محمد رشاد سلطان بنے جس میں کسی قسم کی سلطنت سنبھالنے کی صلاحیت نہیں تھی بلکہ ان کو کوئی اختیار دیا ہی نہیں تھا تمام اختیارات سلطنت جمعیت اتحاد وترقی کے ہاتھ میں تھے اب وہ برائے نام حکومت عثمانی تھی۔حقیقت میں قومی عصبیت اب ان کے درمیان رابطہ قومی تھی، ان کے تمام مقاصد ترکیہ کو ہر میدان میں آزاد کرنا تھا۔جتنے بھی احزاب ترکیہ میں سے بنے تھے ان سب کا سربراہ ''موئز کوہن'' یہودی تھا۔انہوں نے ملک کی واحد سرکاری زبان ترکی کو رکھا،عربی کو بھی ساتھ میں رکھا جس کی وجہ ان علاقوں میں عربی بولنے والے تھے۔چنانچہ ترکی قومیت کے مقابلے میں عربی قومیت کی تحریک شروع ہوئی۔انہوں نے

''حزب لامرکزیت'' بنائی اس طرح ایک جمیعت مصری القحطانیہ بنی۔ جب ۱۳۳۲ھ سے ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جنگ عالم اول چھڑی تو ترکیہ جرمن اور نمساء کے اتحادی بنے جب جنگ ختم ہوئی تو ترکیہ نے ہزیمت کھائی اور ترکیہ کے کچھ علاقے یونان اور انگریزوں کے ہاتھ میں گئے اور مسلمان حاکم عبدالحمید کو سلطنت سے ہٹایا۔

[تاریخ اسلامی تالیف محمود شاکر ص ٦]

۱۔جنگوں سے تھکاوٹ:۔ یہ خاندان ۵۰۰ سال مسلسل ضد صلیبی میدان جنگ میں رہے، دنیا کی کوئی بھی طاقت و قدرت مالی وافرادی، سیاسی واقتصادی واتحادی اتنی لمبی مدت جنگ نہیں لڑسکتی۔ امیر المومنین علی بن ابی طالب تین جنگیں ۴ سال کے عرصے میں لڑے آخر میں ان کے حامی جنگ سے تھک گئے تھے۔ جب جنگ کے لئے دعوت دی ٹال مٹول کر کے نہیں نکلے، معاویہ سے جنگ لڑنے کے لئے نخلیہ میں خیمہ نصب کیا لیکن نہیں نکلے یہاں تک نہج البلاغہ میں آیا ہے ''کبھی کہتے تھے گرمی نکلنے دیں کبھی کہتے تھے سردی نکلنے دیں'' حضرت فرماتے تھے ''یہ سب گرمی سردی سے فرار ہے یا جنگ سے؟'' کبھی کہتے تھے کہ پہلے آپ نکلیں، یہاں تک آپ کو مسجد میں قتل کیا۔ امام حسن ۸۰۰۰۰ ہزار لشکر لے کر مدائن پہنچے تھے معاویہ کے لشکر دیکھنے کے بعد آپ نے لشکر سے جنگ اور صلح کے فائدے اور نقصانات بیان کیا، فرمایا دیکھو جنگ جاری رکھنے میں عزت بھی ہے جانی نقصان بھی ہے آپ لوگ سوچو مجھے بتاؤ معاویہ سے جنگ لڑنی ہے یا نہیں تو سب نے ''السلم السلم'' یعنی امن چاہیے جنگ نہیں چاہیے۔ یورپ وامریکہ مشرق ممالک متحد ہو کر افغانستان اور عراق میں جنگ لڑے لیکن ۱۰ سال

لڑنے کے بعد تھک گئے، آگے جنگ لڑنے کی ہمت نہیں ہے، امریکہ والے کہتے ہیں جنگ بند کرو بہت سے فوجی نفسیاتی مسائل کا شکار ہوئے ہیں، برطانیہ ۵،۶ سال میدان جنگ میں رہے۔ برطانیہ کو اپنے جنگی جانی مالی خسارے کی وجہ سے اپنے مستعمر ہندوستان سے ہاتھ اٹھانا پڑا تو عثمانی اتنے طویل عرصہ جنگ لڑنے کے بعد تھکیں گے نہیں، تنگ نہیں آجائیں، اکتا نہیں جائیں گے؟ یہ ایک بڑا سبب ہے۔

۲۔ ملت میں نامرادوں کی شمولیت:۔

سلطنت عثمانی کی طاقت وقدرت کا رخ پیچھے مشرق کی طرف ہو گیا تو نمساء والوں کو فرصت ملی کہ وہ بلغراد کو آزاد کریں تا کہ مغربی حدوں پر راستے کھولے اور عثمانیوں کو یورپ سے نکال دے۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد سلیم ثالث داخلی اصلاحات میں مصروف ہوئے لشکر انکشاریہ سے نجات دلانے کا سلسلہ شروع کیا جو کہ ہر فتنہ وفساد کی جڑ بنے ہوئے تھے، اور سلطنت کا رخ یورپ کی طرف پھیر دیں کہ ہر چیز میں یورپ کی تقلید کریں۔ سلطنت عثمانی کی شکست وتنزل کو فرانسیسیوں نے موقع غنیمت سمجھا اور ایک بڑا حملہ اپنے قائد لشکر نپولین برد کے ذریعے کیا جو دنیا میں فرانسیسیوں کی آواز بنے اور ان کی انقلابی فکر کو دنیا میں نشر کیا۔ لشکر فرانسیسی نے کوشش کی کہ سلطنت عثمانیہ میں علماء دین، عوام مسلمانوں میں جو جذبہ دینی ہے اس کو ہلا دیں اور ان کے اندر مغرب کی سوچ بٹھائیں اور ان کو ایک مثال ونمونہ پیش کریں۔ فرانسیسی سلطنت نے مسیحی مشنریوں کو بلایا تا کہ وہ ان کی حمایت اور موقع پر معاونت کریں اس سلسلہ میں فرانسیوں کا ہجوم مسیحیوں کا ہجوم مصر پر پہلا حملہ تھا، عثمانی سلطنت کے اندر رہنے والا ایک صوبہ تاریخ میں پہلی بار ایک ہجوم صلیبی ومسیحیوں کے ہاتھ میں گئے فورا سلطان سلیم ثالث نے

فرانسیسی مسیحیوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور اعلان جہاد کی دعوت کا حجاز، مصر، شام اور شمال افریقہ میں انتہائی استقبال کیا گیا اس دعوت کو پذیرائی ملی۔

برطانیہ کو اس وقت فرانسیسی خواہشات اور مصر میں ان کی برتری بڑھتے ہوئے دیکھ کر آگ لگی ہوئی تھی یہ فرانسیسی لشکر مصر میں پہنچا تو انہوں نے ایک جنگی بحری جہاز فرانسیسی لشکر کے پیچھے بھیجا انہوں نے فرانسیسی بحریہ کو ابو قیر میں اڑا دیا نا کارہ بنا دیا۔ ابو قیر میں ان کی بحریہ کو شکست عثمانیوں کے لئے فرانسیسوں کے خلاف جہاد کرنے میں حوصلہ بڑھنے کا سبب بنی اور انہوں نے فرانس کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ سلطنت میں سفیر فرانس اور رہنے والے تمام فرانسیسیوں کو پکڑ کر زندان ڈالنے کا حکم دیا۔ لشکر فرانسیسی آخر میں مجبور ہوئے کہ وہ مصر کو چھوڑ کر واپس چلے جائیں۔ بہت سے اسباب وعوامل نے فرانسیسوں کو مصر چھوڑنے پر مجبور کیا ان میں سے ایک ابو قیر میں ان کی بحریہ کا خاتمہ جس سے بحر متوسط میں برطانوی بحریہ کا تسلط اور مصری بندرگاہ ان کے حصار میں آنا بھی شامل تھے جس نے فرانسیسوں کو مجبور کیا کہ وہ مصر سے انخلاء کریں کیونکہ وہ وہاں محبوس، مقصور اپنے لشکر کو مدد بھی نہیں دے سکتے تھے۔

فرانسیسیوں کے حملے کے نا صرف مصر بلکہ پورے مشرق میں نمایاں اثرات پڑے، خاص یہودی فرانسیسی تنظیموں نے اسلام کو طعن کا نشانہ بنانا شروع کیا انہوں نے مشرق میں اپنے افکار کا بیج بویا۔ ان کے لشکر یہاں سے نکلنے کے بعد محمد علی پاشا مصر کا حاکم بنا جس نے مصر کے اندر خطرناک کردار ادا کیا۔ سلطان محمود ثانی ۱۲۲۳ھ سلطان عثمانی بنے انہوں نے لشکر انکشاریہ سے نجات حاصل کی اور ان کے وجود کا خاتمہ کیا، اس کے بعد انہوں نے لشکر کو آگے ترقی دی انہوں نے مغربی تمدن کو اپنانے کی داغ بیل ڈالی عمامے کی جگہ رومی ٹوپی، ترکی لباس کی جگہ مغربی وردی پہننے کا حکم دیا، یورپی رہن سہن کو

اپنا شعار بنایا۔ اس خطرناک دور میں ماسونی شام اور مصر میں دن رات سرگرم عمل رہے تاکہ حکومت عثمانی کو زوال کریں نابود کریں، نہ تھکنے والی سرگرمیاں انہوں نے تیز کردیں۔ فرانسیسی سمجھتے تھے ان کی کامیابی کی امید اس میں ہے کہ ہر طرف سے وہ کامیاب محمد علی پاشا کی معاونت کریں، ان کا ساتھ دے دیں، ان کو تقویت پہنچے اور وہ سلطنت عثمانیہ کے دل میں خنجر گاڑھے چنانچہ محمد علی کے لئے انہوں نے ایک جدید بحری بیڑہ بنایا۔ محمد علی ایک مشکوک انسان مصر میں اٹھے اور انہوں نے اسلامی شناخت کو ختم کیا۔ محمد علی اپنے بعد آنے والوں کے لئے ایک مثال بن گیا جس کو مصطفیٰ کمال اتا ترک، جمال عبد الناصر وغیرہ نے اپنا نمونہ بنایا۔ محمد علی نے فرانسیسیوں، برطانیہ، روسیہ، نمساء اور دیگر ممالک یورپ کے اشارے کنایے پر پیکر اسلامی مصر اور جزیرۃ عرب، شام میں ہر جگہ اپنے تیروں کا نشانہ بنایا۔ محمد علی نے دھوکہ باز، فریب باز، دشمنان اسلام کے ہاتھوں کھیلنے والا آلہ بن کر مغرب کی منصوبہ بندیوں پر عمل کیا اور ان کے ذریعے مصر میں علم، اقتصاد، عسکریت کو بڑھایا اور مصریوں کو سمجھایا کہ اسلام ضعیف، کمزور و ناتوان چیز ہے۔

آخر میں سلطان عبد العزیز بن محمود ثانی نے ۱۲۷۷ھ کو سلطنت عثمانی کو سنبھالا، یورپی ممالک پر عزم پختہ ارادہ کئے ہوئے تھے کہ حکومت عثمانی پر دباو بڑھایا جائے تاکہ وہ جو اصلاح کے نام سے حدود بنائی ہیں اصول بنائے ہیں ان کو مغرب کے طور وطریقے پر چلائیں یورپی فکر، یورپی عقائد و مفاہیم پر چلانے پر دباؤ ڈالیں سلطان عبد العزیز اندر سے اس مغربی دستور کو مسترد کرتے تھے وہ کہتے تھے مغربی ماحول معاشرہ طور وطریقے ہمارے اسلامی معاشرے سے نہیں ملتا ہے۔ وہ ارادہ رکھتے تھے کہ اسلامی معاشرے کو زندہ کریں تو یورپ والوں نے ان کو قتل کرنے اور اپنے ہم فکر، ہم خیال افراد کو ان کی جگہ پر رکھنے کا سوچا چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے لئے مدحت پاشا

کا انتخاب کیا۔

سلطان عبدالعزیز کے بعد ان کے برادر زادہ مراد خامس جو کہ تنظیم ماسونیہ کے رکن تھے وہ لبریزم، سیکولرزم، فکر ماسونیہ پر کاربند تھے انہی لوگوں نے ان کو حکومت میں لایا تھا لیکن اتفاق ہے وہ مرض عقلی میں مبتلا ہو گئے اس نے دیکھا کہ ان کے چچا عبدالعزیز کو ان لوگوں نے قتل کیا ہے یہ خوف خود اس کو بھی عارض ہو گیا تھا رفتہ رفتہ یہ اس کے جسمانی نظام پر بھی اثر انداز ہوا۔اور ہر آئے دن ان کی صحت گرتی گئی لہذا وہ لوگ مجبور ہوئے کہ ان کو شیخ الاسلام کے توسط سے معزول کرے مراد خامس کے بعد عبدالحمید ثانی خلیفہ بنے۔

سیاست العباد:۔

[عین ادب و سیاسۃ یا زین حسب و ریاسۃ تالیف علی بن عبدالرحمٰن حزیل ص۱۶۰]

روئے زمین میں ایک صالح، ہمہ گیر عادلانہ نظام کا قیام کتنی بنیادوں پر قائم ہو سکتا ہے۔اس کے ستونوں کی تعداد اور تعین کیسے کر سکتے ہیں :

۱۔معاشرہ: کفر والحاد کے معاشرہ میں کتنی ہی ریاضت کار عدالت خوا ہی کیوں نہ ہو وہ ایک ستون ناقص والی عمارت جیسا ہوتا ہے،اس پر بلند و بالا پائیدار عمارت قائم نہیں ہو سکتی ہے اس کا زمین بوس ہونا حتمی ہے چنانچہ سابق دور کے تمدن والی امپراطوریان روم و فارس جس طرح اپنے انجام کو پہنچا ہے۔اسی طرح عصر حاضر کے برطانیہ و امریکہ بھی دیار کفر کے ایسے معاشرے ہیں کہ جن کے رہنے والوں کو حاصل اسباب عیش و نوش وہاں کی حکومتوں کی حکومت سازی میں مہارت لیاقت صلاحیت کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے ملکوں سے لئے گئے تاوانات وغنائم ہیں۔مظلومان عالم ان کے مظالم سے عاجز اور فریاد وفغاں بلند کئے ہیں۔ایسے معاشرے میں آئین

نامی کوئی چیز نہیں ہوتی چنانچہ کہتے ہیں برطانیہ میں کوئی آئین مدون نہیں ہوا ہے، مملکت کل کے کل حکمرانوں کی ذاتی نظریات اور استعمار گری پر ہوتی ہے۔ سیر و سیاحت سے دوسرے ملکوں کے بادشاہوں کے تجربات سے ماخوذ نظریات پر حکومت قائم ہوتی ہے۔ آئین ان کی دل بخواہ ہے حاکم کی خواہشات آرزو وامنگوں سے چلتا ہے۔ اسے قرآن کریم میں جاہلیت اولیٰ کہا گیا ہے لہٰذا اس وقت عرب سرزمین طوائف الملوک میں منتشر تھی فارس و روم میں ظلم و استحصال اپنی انتہا کو پہنچا تھا، عام انسان اور حیوانوں میں چنداں واضح فرق نہیں تھا جس طرح حکمران گلہ گوسفند کھانے کیلئے شکار کرتے تھے اسی طرح انسان مارتے تھے انسانوں کو مارنا مچھر مارنے کے برابر تھا۔

۲۔ فاجر وفاسق حکمران اور معاشرہ: جہاں معاشرہ کے پاس آئین موجود ہے لیکن وہ معطل ہے یہاں حکمرانی دربار سیاست وسلطنت میں حاکم کی دل بخواہ ہے حاکم جو چاہتا ہے وہی قانون ہے وہ حکمرانی کے لئے کفر وشرک والوں کے قصہ کہانیوں سے، تجربات سے یا فاسق وفاجر دو رنگ، دو زبان، دہری شہریت والوں سے چلاتے ہیں۔ چنانچہ دور بنی امیہ میں حکومتی پالیسی اور حکمرانی عین فارس وعرب طوائف ملوک میں رہنے والوں سے استفادہ کرتے تھے۔ ابتداء میں معاویہ ابن ابی سفیان کی حکومت مغیرہ بن شعبہ، فاسد عمرو بن عاص اور زیاد بن ابیہ وغیرہ کے مشورے پر چلتی تھی۔ اسی طرح بنی عباس جنھوں نے الرضا بہ آل محمد کے نام سے حکومت حاصل کی تھی ان کی حکومت قران اور سنت عملی رسول اللہ سے ماخوذ نہیں تھی ان کے آئین حکومت آل محمد تھے لہٰذا ان کے والیوں نے منصور دوانقی سے شکایت کی مدون آئین نہ ہونے سے دشواریاں آرہی ہے چنانچہ منصور نے امام مالک سے کہا کہ ایک آئین مرتب کریں، انہوں نے مدینہ والوں سے

سنی سنائی باتوں کو آئین بنا کر پیش کیا، امام شافعی بھی انہی سے آئین لیتے تھے چنانچہ دونوں کو دوسروں کو منوانے کے لئے ابو حنیفہ کے شاگرد سے عقلیات لینا پڑیں۔ یہاں سے یہ بات بھی کھل جاتی ہے کہ آج جو کہتے ہیں ہمارے پاس سنت نبی کے ذخائر موجود ہیں اگر موجود تھے تو امام مالک، امام شافعی اور امام حنیفہ عقلیات کے محتاج نہیں ہوتے۔ خاندان بنی عباس کی بدترین خونریزی میں عبداللہ سفاح، منصور دوانیقی کے اقتدار کے لئے قتل ارحام علوین کے ساتھ ساتھ خود بنی عباس کے افراد بھی محفوظ نہیں رہے، منصور نے اپنے چچا کو، مامون نے اپنے بھائی کو قتل کیا۔ اسراف وتبذیر، رقص وتعیش وگانے میں ہارون، واثق باللہ اور مستنصر باللہ پیش پیش ہیں۔

۳۔ ملک وملت کے آئین حروف ثقافت سے نہیں لکھتے ہیں یعنی فکر و عمل رعایا میں لکھتے ہیں۔ وہ معاشرے جہاں حکمران مومن بہ اللہ مومن بہ آخرت مومن بہ رسالت آسمانی ہے انہوں نے اپنی خواہشات کو ہر حوالہ سے دبا کر رکھنے کا فیصلہ کیا ہے انکا آئین کتابت سنہری حروف میں نہیں ہوتا بلکہ عام وخاص کے اذہان پر نقش ہے، ملازم اور اعلیٰ منصب پر فائز آئین میں برابر ہیں یہاں معاشرہ میں کسی قسم کی طبقات بندی نہیں ہے۔ یہاں برتری تقویٰ، جہاد فی سبیل اللہ، اللہ ورسول کی اطاعت میں ہے، جہاں طبقاتی نظام کو پاوں کے نیچے روند کر غلام زرخرید شوہر قریش زادی بنتا ہے، نبی کا بہنوئی بنتا ہے۔ یہاں امیر قریش، سربرآوردہ خلیفہ غلام زادہ کی سواری کے پیچھے پیدل چلتا ہے۔ یہاں سے ہم یہ کہنا چاہتے ہیں خلفائے راشدین نے حکومت کو اپنے خاندان میں قرار نہیں دیا، قرآن وسنت کے آئین کو سینے سے لگایا اور اقتدار میں آنے کے بعد بھی ہر قسم کے امتیاز، لطف اندوزی سے دور رہے، امتیازات کو خود سے دور رکھا، یہاں حکمرانی آئین دستور قرآن وسنت کی ہے۔ لہٰذا یہ دور اتفاق علمائے اسلام تاریخ اسلام میں پیغمبر کے بعد اعلیٰ

یومنا ھذا سب سے بہتر دور گنا جاتا ہے ہم اس دور کو دور آئینی کہیں گے۔

اسلام میں خلفائے راشدین کے بعد دو ادوار حکمرانی آئے اور ان کے مزاحم، مخالف احزاب بھی آئے۔ حاکم و مخالف دونوں کو دیکھا جائے تو دور بنی امیہ ابتداء سے انتہا تک آئین رعایا تک محدود تھا۔ حاکم و حکمران حکومتی حمایت شدہ گان آئین سے مستثنٰی تھے، مملکت میں آئین کی تقدیس نہیں تھی اسلام کے محرمات کی مذمت ہوتی تھی لیکن حکمرانوں کے سامنے بے بس تھے ،حکمران من مانی خواہشات پر چلتے تھے سوائے دور عمر بن عبدالعزیز کے تمام طبقات مختصر سے تفاوت کے ساتھ یا کچھ بہتر یا سب سے زیادہ بدتر حکمرانی سے گزرے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔

دوسرے دور میں دارالسلطنت تمام منہیات منکرات اسلامی کا فروغ و اشاعت کا مرکز تھا، بلکہ گھٹیا ترین بدترین ناچ رقص و سروران حکمرانوں کا مشغلہ تھا۔ لہٰذا ان کے دور میں بنی امیہ کے دور سے کئی گنا کفر و شرک فسق و فجور کا بازار گرم ہوا ان کو طاقت وقدرت ملی۔

ایک دن نوشیروان نے حکماء کے ساتھ نشست کا اہتمام کیا تا کہ ان کے افکار ونظریات وحکمتوں سے استفادہ کریں۔ ہر ایک حکیم و عالم کو اس کے مراتب و درجات کے مطابق رکھا اور ان سے کہا مجھے ایسی حکمت کی طرف رہنمائی کریں جس میں میری ذاتی منفعت ہو اور میری رعیت کے لئے بھی فائدہ ہو۔ ہر ایک نے اپنے تصورات، مفادات کو پیش کیا نوشیروان سر نیچے کر کے ان کے بارے میں سوچتا رہا یہاں تک باری بزرجمہر تک پہنچی اس نے کہا بادشاہ سلامت ہم آپ کو بارہ کلمات میں تجاویز پیش کریں گے:

۱۔ اللہ سے ڈریں شہوت اور رغبت، رہبت و غضب خواہشات میں خوشنودی اللہ کو نظر میں رکھیں۔

۲۔ ہر جگہ صدق کو اپنا شیوہ بنائیں وعدوں کی وفا کریں عہد و مواثیق و

شرائط کی پابندی کریں۔

۳۔ ہمیشہ درپیش مسائل میں علماء سے مشورہ کریں۔

۴۔ علماء اشراف کی اور سرحدوں کی عسکری انتظامی قائدین محافظین کا اکرام واحترام کریں۔

۵۔ عدالت وقضاوت، مظالم کا محاسبہ کریں کہ یہ عدالت سے ہورہا ہے یا نہیں نیک انسانوں کے لئے ان کے نیک اعمال پر جزاء خیر دیں اور مجرمین کو ان کی برائیوں کی سزا دیں۔

۶۔ زندان میں محبوس لوگوں کا خیال کریں ان پر نظر رکھیں جو مجرم ہے اسے باندھیں جو بے گناہ ہے اسے چھوڑیں۔

۷۔ لوگوں کی آمدو رفت سڑک، روڈ کو دیکھیں چیزوں کی قیمت، تجارت و کاروبار پر نظر رکھیں۔

۸۔ رعیت کو جرائم پر ادب سکھائیں حدود قائم کریں۔

۹۔ اسلحہ اور آلات جنگی تیار کریں۔

۱۰۔ اولادوں اور اہل و اقارب کی تکریم کریں اور ان کی بہتری کا خیال رکھیں۔

۱۱۔ سرحدوں پر نظر کو تیز رکھیں کہیں کوئی ناگوار حالات تو پیش نہیں آرہا ہے اگر ہورہا ہے تو ہجوم سے پہلے اس کا تدارک کریں۔

۱۲۔ وزیر اور معتمدین پر نظر رکھیں' دھوکہ بازوں کو اتاریں اور ان کی جگہ صالحین کو لائے۔

نوشیروان نے اس کلام کو سنہری حروف میں لکھنے کا حکم دیا جس میں تمام انواع سیاست موجود تھی۔

فضل ابن سھل نے اپنے بھائی حسن بن سھل سے جو مامون کا وزیر تھا سے پوچھا ''بادشاہوں کی سیرت و سیاست کیا ہے؟ تو اس نے کہا بذل،

عرف، جر، سیف۔ یعنی نیکی بذل کرنا اور تلوار نیام سے نکال کر رکھنا اس طرح لوگ ان کی طرف رغبت بھی رکھتے ہیں اور ان پر ان کا رعب و دبدبہ بھی قائم رہتا ہے اور لشکر میں طغیان و بغاوت کا اندیشہ بھی نہیں رہتا اور نہ رعیت اطاعت سے نکلتی ہے۔ امید و رجاء اور خوف دونوں بادشاہ کے ہاتھ میں ہونے چاہئیں۔ پوچھا وہ حکم کیسے دیں؟ تو کہا ظلم کو رد کریں، ظالم سے ظلم کو روکیں اور ہر ذی حق کو اس کا حق دے دیں۔ رعیت دو قسم کی ہے ایک آپ سے راضی ہے اور دوسری آپ سے امید رکھتی ہے۔

حکومت اور رعایا کے درمیان تقابل کی چند صورتیں بنتی ہیں۔

۱۔ حکومت کفر مطلق یا ضد دیانت ہے لیکن رعایا مخلوط ہے دیندار اقلیت میں ہیں۔

۲۔ حکومت خالص دینی ہے لیکن وہاں رعایا غیر دینی اقلیت میں رہتے ہیں۔

۳۔ حکومت منافق ہے حاکم خود کو مسلمان پیش کرتا ہے لیکن حکومت کفر کو چلاتے ہیں جیسے آج کل مسلمان ملکوں میں چلتا ہے۔

۴۔ حکومت کفری رعایا مسلمان ہے حکومت اگر کفری ہے رعایا بھی کافرین کی ہے جہاں تزاحم ظاہری اور باطنی دونوں نہیں یہاں ترقی تمدنی ملکی پیداوار پر متوقف رہتا ہے۔

اگر کوئی رعایا اقلیتی مسلمان بھی ہے وہ دبے ہوئے ہوتے ہیں خود ہی ان کے ساتھ مل کر رہنا چاہتے ہیں کہ ان کی دنیا تو بنے گی لیکن آخرت میں اس کا حشر کیا ہوگا وہ اللہ جانتا ہے۔

حکومت اسلام کی ہے رعایا خالص کفری ہے یہ امکان پذیر نہیں ہے لیکن اقلیتی غیر مسلمین کا ہے حکومت کتنی ہی ان کے ساتھ نیک سلوک کیوں نہ کریں وہ اقلیت اس ملک میں اسلام آنے نہیں دیں گے کہ چلو حکومت آنے

دو اس میں مزاحمت نہیں کرینگے اسلامی حکومت وہ برداشت نہیں کر سکتے جیسے شام، مصر، ترکیہ اور انڈونیشیا وغیرہ۔

ایک مرد عاقل بنی امیہ سے سوال ہوا کہ آپ کی سلطنت کا زوال کہاں سے شروع ہوا تو اس نے کہا سن لو اگر سننا چاہتے ہو اور سمجھ لو۔

۱۔ کہا ہم اپنی لذتوں میں مصروف ہوئے جس چیز کا ہمیں پیچھا کرنا چاہیے تھا جن کی تلاش و جستجو کرنا چاہیے تھا جن پر نظر رکھنا چاہیے تھا ہم اس سے غافل ہوئے۔

۲۔ ہم نے اپنے وزیروں پر اعتماد کیا۔ انھوں نے ایسے فیصلے کئے جو ہم سے پوشیدہ رکھے۔

۳۔ ہم نے اپنی رعیت پر ظلم کیا ان کی نیات ہمارے بارے میں خراب ہوئیں یہاں سے ہماری معیشت خراب ہوگئی ہمارے خزانے خالی ہوئے۔ لشکر کم ہوئے لشکر میں ہماری ہیبت ختم ہوئی ہمارے دشمن نے ہمارے لشکر کو اپنی طرف بلایا وہ ہم پر غالب آئے۔

۴۔ سب سے بڑا سبب اخبار ہم سے چھپا کر رکھی گئیں۔

بعض حکماء نے کہا بہترین حکمران وہ ہے جو اپنی رعیت میں عدل کرے۔ رعیت کے بارے میں حسن نظر رکھے تو ان کے لئے اطاعت ہوگی، یہ تشدد سے نہیں ہوتا ہے۔ ہمیشہ والی کو رعیت کے بارے میں حسن نظر رکھنا چاہیے ان کے بارے میں مدارات ہونا چاہیے اور ان کی مصلحت کے لئے سوچنا چاہیے، ان سے دفاع کرنا چاہیے، تجاوزات کے ہاتھ کو ان سے روکنا چاہیے۔ جن کا حق ہے ان کو ملنا چاہیے، مظلوم کو ظالم سے حق ملنا چاہیے، قوی اور ضعیف، غنی اور فقیر کے درمیان انصاف ہونا چاہیے، تاکہ عدالت تمام رعیت میں صغیر و کبیر، قریب و بعید سب کو ملے۔

مصادر

مدخل التاریخ اسلامی		ڈاکٹر فتحی عثمان
فلسفہ تاریخ دراسہ تحلیلیہ		سید محمد حسینی شیرازی
تاریخنا المفتر علیہ		یوسف قرضاوی
تاریخ ومورخون		تاریخ حضارت
تاریخ عربی ومورخون		شاکر مصطفیٰ
ضحیٰ الاسلام		محمد امین
تاریخ دولۃ العباسیہ	عباسی اوّل	احمد اسماعیل الجبوری
تاریخ دولۃ العباسیۃ	خلاصہ تاریخ ابن	قاضی شیخ محمد بن احمد کنعان
تاریخ دولۃ عباسیہ	عباسی الثانی	فوزی امین یحیٰ۔ فتحی سالم حمیدہ
تاریخ بغداد		بغدادی متوفی ۴۶۳ھ
تاریخ دمشق		تالیف ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ
سیرۃ اعلام نبلا		ابن ذھبی
تتمۃ المنتہیٰ		عباس قمی
جمہرۃ انساب عرب		ابن حزم
تاریخ طبری		طبری متوفی ۳۱۰ھ

الکامل فی تاریخ ابن اثیر متوفی ۶۲۸ھ
بدایہ ونہایہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ
تاریخ خلیفہ بن خیاط ابی ھبیرہ اللیثی العصفری المقلب شباب متوفی ۲۴۰
تاریخ دولۃ عباسیہ العصر عباسی اوّل دکتور شیخ امین محمد عوض اللہ
تاریخ اسلام دکتور حسن ابراھیم حسن
شذرات الذھب فی اخبار من ذھب جلد۴ ابن عماد حنبلی متوفی سنہ ۱۰۸۹
المنتظم فی التاریخ الموک والامم جلد ۱۸ محمد ابن جوزی متوفی سنہ ۵۷۹
جمہرۃ انساب العرب ابن حزم ۳۸۴۔۴۵۶
تاریخ اسلام دولۃ عباسیہ جلد ۱ تا ۷ محمود شاکر
عصر دولۃ زنکیہ دکتور علی محمد صلابی
تاریخ الخلفاء لنشاء دکتور احمس حسن صبحی
تجارب اسّلف عبداللہ صاجی نجوانی عباس اقبال
النفقات وادارتھافی دولۃ عباسیہ دکتور ضیف اللہ یحی زہرانی
شذرات الزھب فی اخبار من زھب عبدالحی بن العمار الحنبلی
التاریخ الاسلامی ووفیات المشاھیر ولا علام ذھبی مکتب توفیقیہ
الاخبار الدول واثار الاول فی التاریخ احمد بن یوسف القرمانی
مدخل التاریخ اسلامی ڈاکٹر محمد فتحی عثمان

تاریخ دولتہ العباسۃ	شیخ محمد خضری بک
طبقات سلاطین اسلام	استانلی لین پول

☆☆☆☆☆☆

سلاطین عضوض مسلمین (قسمت دوم)

حمد وستائش اس ذات کیلئے لائق وسزاوار ہے جس نے ہمیں انتساب خاندان اہلبیت کے نام سے بے جرم وخطاو بلا جواز خون عباد اللہ بہانے والوں میں قرار نہیں دیا، حمد ستائش اس ذات کیلئے حق دار ہے جس نے خاندان اہلبیت کے نام سے مال ودولت اولاد ناخلف و فاسد فاجروں کیلئے جمع کرنے والوں میں قرار نہیں دیا، حمد وستائش اس ذات کیلئے سزاوار ہے انتساب خاندان اہلبیت کے ساتھ ادیان باطلہ کے داعی اور حامی جماعت سے قرار نہیں دیا، حمد اس ذات کیلئے جسکا دیا مال استعمال کریں تو حساب بھی دینا پڑے، حمد اس ذات کیلئے مخصوص ہے جس نے انتساب بخاندان کے دعوے کے ساتھ الحادی سیکورلا دین جماعتوں کے ترویج کنندہ یا حمایت کنندہ میں شامل نہیں کیا سلام و درود امام الانبیاء خاتم النبیین نیز آپ کے ان آل واصحاب اطہار پر جو فرق ضالہ کے جال صیادی سے مصئون رہے اور مبتکر مذاہب باطلہ نہیں بنے، حاضر کتاب اس خاندان سے متعلق ہے جنہوں نے خاندان رسالت ونبوت سے انتساب کے شعار میں بہت سے انسانوں سے انتقام بلا جواز لیا، اس خاندان نے مال دولت واقتدار اہلبیت کے نام سے حاصل کیا اور اسلام عزیز خاندان نبوت کے سرخ روی کے اعمال ندرت کیے جس کے مثال بہت کم ملتی ہے، ان کے سائے میں بہت سے مذاہب، بدعات ورسومات وجود میں آئیں جو آج تک امت اسلام کی گردن میں طوق قبیحہ بنے ہوئے ہیں۔

دار الثقافة الاسلامیة پاکستان

سلاطین عضوض مسلمین